دوسری تقریرِ سیرت

از

مفسرِ قرآن سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب رح

دینی بک ڈپو۔ دہلی

قیمت [illegible]

ساتواں ایڈیشن ——— ایک ہزار

قیمت مجلد ——— تین روپے

۳۱ اکتوبر سنہ ۱۹۷۱ء

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۵

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۔[1]

صدر محترم اور معزز حاضرین! میری زندگی میں یہ پہلا موقع ہے کہ میں آج سی پی کے اس دار السلطنت ناگپور میں حاضر ہوا ہوں۔ ہر چند کہ میری زندگی کا بڑا حصہ سفر ہی میں گذرا اور کثرت سفر کے باعث مجھے پہچاننا مشکل ہو گیا ہے کہ میرا وطن کیا ہے اور کہاں ہے جو شخص ہر روز سفر ہی کرتا ہے اور ایکدن بھی گھر میں قیام نہ کرے اس کے لئے یقیناً وطن کی تعیین ناممکن ہے ۵

"میں وہ غریب ہوں کہ مسافر وطن میں ہوں"

باوجود اس دوام سفر اور ترک حضر کے بھی یہ امر موجب تعجب ہے کہ ہندوستان کا ایک پورا صوبہ اور اس کے تمام اضلاع میری جولانگاہ سے محفوظ رہے اور مجھے تمام عمر یہاں حاضری کا موقع نہ ملا۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی زمین اتنی وسیع ہے کہ باوجود سفر کی آسانیوں اور طریق سفر کی تیز رفتاریوں کے بھی اس کا طے کر لینا کوئی آسان کام نہیں نہ معلوم خدا کی خدائی میں ابھی کتنے گوشے اور کتنے طول و عرض ایسے ہوں گے جہاں دیکھیں کوئی جاتا ہوگا اور نہ ہم وہاں کے بسنے والوں سے واقف ہوں گے۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ[2]

---

[1] کتنے رسول خوشی اور ڈر سنانے والے تا نہ رہے لوگوں کو اللہ پر جگہ الزام کی رسولوں کے بعد اور اللہ زبردست ہے حکمت والا ۱۲ [2] اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکر مگر وہی آپ

ہندو مہا سبھا کی جنم بھومی | مجھے یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ آج کے جلسہ میں جہاں
بکثرت مسلمان شریک ہیں وہاں ہمارے ہندو
بھائی بھی اس مقدس و پاکیزہ جلسہ میں موجود ہیں۔ اگرچہ ان کی تعداد کم ہے خدا
کا شکر ہے آپ کے صوبے میں اگر ایک طرف ڈاکٹر مونجے کے ہم خیال لوگوں
کی کثرت ہے تو دوسری طرف ایسے غیر متعصب حضرات بھی موجود ہیں کہ جو
مسلمانوں کے جلسوں میں شریک ہو کر اپنی فراخ دلی کا ثبوت بہم پہنچاتے ہیں
آپ کے صوبہ اور بالخصوص ناگپور جو ہندو مہا سبھا کی جنم بھومی ہے ایسے غیر متعصب
ہندو حضرات کا وجود یقیناً قابلِ رشک ہے۔

ہندوؤں کی شرکت | آجکل عام طور سے سیرت کے جلسوں میں ہمارے
ہندو دوست شرکت فرماتے ہیں بلکہ بعض مقاما
پر تو سیرت کے جلسے بھی ہندوؤں کی زیرِ صدارت ہوتے ہیں اور ہندو حضرات
خود بھی اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور بعض مقامات کے ہندو تو سیرت
پر مسلمانوں سے اس خاص مسئلہ میں بھی زیادہ معلومات رکھتے ہیں چونکہ زمانہ
رواداری اور باہمی آشتی کا ہے اس لئے دونوں قوموں کا اجتماع کچھ زیادہ
تعجب خیز نہیں البتہ آپ کا صوبہ چونکہ ایک خاص نوعیت رکھتا ہے اور

فرقہ واریت میں ایک بہت بڑی شہرت کا مالک ہے اس لئے مجھ کو یہاں
کے ہندوؤں کی شرکت پر تعجب بھی ہوا اور مسرت بھی!

محمد بن عبداللہ اور محمد رسول اللہ، میرے معزز دوستو! اس میں شک نہیں

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اکثر روشن خیال اور وسیع القلب ہندو اپنے خیالات کا اظہار کیا کرتے ہیں اور اس میں بھی شک نہیں کہ بعض غیر مسلم حضرات اس موضوع پر مسلمانوں سے بھی اچھی تقریر کر لیتے ہیں۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں محمد بن عبد اللہ کے متعلق کہتے ہیں جن کی صداقت وامانت، حلم و بردباری، تحمل وجفاکشی، غریب پروری وفقیر نوازی اور ایثار واخلاص کا اعتراف مکہ اور طائف کا ہر ایک بسنے والا انسان کیا کرتا تھا خواہ وہ ابوجہل ہو یا ابولہب، ولید بن مغیرہ ہو یا عقبہ بن ابی معیط ہر شخص کو اس کا اعتراف تھا کہ ان بیشمار خوبیوں کا مالک کوئی بچہ آج تک بنی ہاشم میں تو کیا حجاز کے کسی گھرانے میں بھی پیدا نہیں ہوا۔ محمدؐ بن عبد اللہ کا نہ کوئی مخالف تھا اور نہ محمد بن عبد اللہ کی ذات گرامی سے کسی کو اختلاف تھا۔ اختلاف یا مخالفت ومعاندت کا سلسلہ جہاں سے شروع ہوتا ہے وہ تو وہ دعویٰ ہے جس کے بعد محمدؐ بن عبد اللہ کا لقب محمدؐ رسول اللہ ہو جاتا ہے اور جس کو قرآن نے ان الفاظ کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔[1] یَآ اَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعًا الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ ۵

یعنی اے محمدؐ آپ اس امر کا اعلان کر دیجئے اور بنی نوع انسان کو خطاب کر کے کہہ دیجئے کہ اے انسانو! میں تم تمام بنی نوع انسان کے لئے اس اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں جو تمام آسمانوں اور زمینوں کا بادشاہ ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی جلاتا اور

---

[1] لوگو میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف جس کی حکومت ہے آسمان اور زمین میں کسی کی بندگی نہیں سوائے اس کے جلاتا ہے اور مارتا ہے ۱۲

مارتا ہے ۔

نقطۂ فاصلہ کہ یہی وہ نقطہ ہے جو محمدؐ رسول اللہ کو محمدؐ بن عبداللہ سے جدا کر دیتا ہے ۔ اور یہی وہ نقطہ ہے جہاں سے یگانے بیگانے اور دوست دشمن بنجاتے ہیں یہی وہ دعویٰ ہے جس کے بعد ہر بہی خواہ اپنی دشمنی اور بدخواہی کا کھلم کھلا اعلان کر دیتا اور یہی وہ دعوے ہے جس سے سرکار کی نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے یہی وہ دعویٰ ہے جس سے مومن اور منافق کی ابتدا ہوتی ہے ۔ اور یہی وہ نقطۂ ممیزہ ہے جو خبیث کو طیب سے علیحدہ کر دیتا ہے لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۔ اسی کی شان ہے جو لوگ سرکار کے لئے اپنی آنکھیں فرش راہ کیا کرتے تھے یہی اس دعویٰ کے بعد آپ کے راستہ میں کانٹے بچھانے لگے اور جو آپ کی صفت وثنا میں رطب اللسان تھے اُن کی زبانیں سب وشتم سے آلودہ ہو گئیں جو حضورؐ کی ذات گرامی پر فخر کیا کرتے تھے وہ اعلان نبوت و رسالت کے بعد آپ کے وجود کو باعث ننگ وعار سمجھنے لگے جو لوگ آپ کو عاقل و فرزانہ کہا کرتے تھے وہی بدبخت آپ کو مسحور و مجنون سمجھنے لگے اور صرف یہی نہیں کہ اس قسم کے بُرے القاب خلوت و جلوت میں استعمال کئے جاتے تھے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تمام اطراف وجوانب میں پروپیگنڈا کیا جاتا تھا جو لوگ موسم حج میں باہر سے آیا کرتے تھے اُن کو راستے ہی میں روک کر سمجھایا جاتا تھا کہ دیکھو محمدؐ بن عبداللہ کو جنون ہو گیا ہے اُس کے پاس نہ جانا اور اگر کوئی نووارد اس پر اصرار کرتا کہ ہم اُس مجنوں کو ضرور دیکھیں گے اور اُس کے پاس جائیں گے تو اس نووارد کو یہ کہکر ڈرایا جاتا تھا کہ اُس کا جنون متعدی ہے اگر تم جاؤ گے تو تم بھی پاگل اور مجنون ہو

لہ تا جدا کرے اللہ ناپاک کو پاک سے ۱۲

جائے گئے۔

ضماد کا واقعہ قبیلہ شنوءہ کے ایک صاحب جن کا نام ضماد تھا اور جو اپنے قبیلہ میں ایک صاحب اثر اور بارسوخ شخص تھے وہ بھی حج کی غرض سے مکہ معظمہ گئے اور ان کو بھی یاں پروپیگنڈسٹ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے سے ڈرایا۔ لیکن ضماد نے ان ڈرانے والوں سے کہا کہ میں تو صدہا دیوانوں کو تندرست کر چکا ہوں میں تو خود عامل ہوں اور صبح سے شام تک مجنوں اور دیوانوں کا علاج کیا کرتا ہوں مجھ کو ان کے پاس جانے سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے کہ ہرچند ان کو سمجھایا گیا لیکن ضماد نے ایک نہ مانی اور وہ مکہ معظمہ پہنچتے ہی سرکار کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے نہایت بے تکلفی سے فرمایا اے محمد مجھ سے لوگوں نے تمہارے متعلق بیان کیا ہے کہ تم کو جنون کے دورے ہوتے ہیں اور تم دیوانگی میں مبتلا ہو گئے ہو۔ چونکہ میں اس مرض کا علاج کیا کرتا ہوں اور میرے پاس اس قسم کا عمل ہے جس سے یہ بیماری زائل ہو جاتی ہے اس لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ کا علاج کروں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ضماد کی یہ بات سن کر فرمایا میں جو کچھ کہتا ہوں وہ سن لو اس کے بعد تمہیں اختیار ہے کہ تم میرا علاج کرنا جب ضماد نے سننے پر آمادگی ظاہر کی تو آپ نے وہ خطبہ پڑھا جو عام طور سے کسی کام کے ابتدا میں پڑھا جاتا ہے یعنی الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشھد ان سیدنا

وہ مولینا محمداً عبدہٗ و رسولہ ضماد نے اس خطبہ کو نہایت توجہ کے ساتھ سُنا اور اس کو مکرر پڑھنے کی درخواست کی سالے محمدؐ! جو کچھ آپ نے بیان کیا ایک دفعہ ان کلمات کو اور سنا دیجئے چنانچہ سرکار نے ان الفاظ کو مکرر پڑھ کر سُنایا ضماد نے دوبارہ سن کر کہا واللّٰہ انک لست بمجنون۔ خدا کی قسم آپ دیوانے نہیں ہیں یا جو بات آپ نے مجھے بتائی ہے یہ تو بڑے بڑے سیانوں اور فرزانوں کو نصیب نہیں چہ جائیکہ دیوانے؟

ضماد نے اس کے بعد اسلام قبول کر لیا۔ نبی کریمؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ضماد! کیا تم اپنے آپ کو ہی دوزخ سے آزاد کرانا چاہتے ہو یا دوسروں کو بھی اسلام میں داخل کرنے کی سعی کرو گے۔ ضماد نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اپنے قبیلے میں ایک با اثر شخص ہوں۔ میں انشاء اللہ دوسروں کو بھی ترغیب دوں گا چنانچہ ضماد جب واپس ہوئے تو ان کی مساعی سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا

محمدؐ رسول اللہ صدر محترم! میں گذارش کرنا چاہتا تھا۔ کہ محمدؐ بن عبداللہ کو تمام دنیا اچھا کہتی ہے۔ محمدؐ بن عبداللہ سے نہ کسی کو دشمنی ہے نہ کسی کو عداوت۔ سوال تو محمدؐ رسول اللہ کا ہے۔ میں اُن تمام غیر مسلم حضرات سے جو سیرت کے جلسوں میں تقریریں کرتے ہیں یہ درخواست کروں گا کہ وہ محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کریں تاکہ ہمیں یہ معلوم ہو سکے کہ وہ محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق بحیثیت پیغمبر اور بحیثیت رسول کیا رائے رکھتے ہیں۔

رسول کسے کہتے ہیں؟ حضرات! میں نے گذشتہ تقریر سیرت کے موقع پر بھی جو غالباً ۱۹ء میں ہوئی تھی اس امر پر اظہار

خیال کیا تھا اور میری ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ میں دنیا کی غیر مسلم اقوام کو رسول اور پیغمبر کا صحیح مفہوم سمجھانے میں کامیاب ہو جاؤں۔ اگر غیر مسلم حضرات ہمارے نقطۂ نگاہ کو سمجھ لیں تو میرا خیال ہے کہ بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائیں گی بلکہ بہت سے مناقشات و منازعات کا سدباب ہو جائے گا اور آئندہ کسی غیر مسلم کو یہ جرأت نہ ہوگی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پر کوئی مخالفانہ تنقید کرے یا آپ کی مقدس ذات کو کسی شرارت آمیز بحث کی جولانگاہ بنائے۔ میں آج کی صحبت میں اسی مسئلہ پر پھر وضاحت کے ساتھ اظہار خیال کرنا چاہتا ہوں تاکہ میں اس امر کو صاف طور سے بتا سکوں کہ ہمارے نزدیک رسول یا پیغمبر کی حیثیت کیا ہے؟ تاکہ نہ صرف غیر مسلم حضرات کو انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحیح پوزیشن معلوم ہو جائے بلکہ ہمارے گمراہ نوجوانوں کی بھی قیل و قال کا دروازہ بند ہو جائے۔

مسلم نوجوانوں سے شکایت

صاحبو! میں نے گذشتہ سال اس موضوع پر تقریر کی تو میری حیرت کی یہ دیکھ کر کوئی انتہا نہ رہی کہ خود ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی یہ معلوم نہیں کہ رسول کسے کہتے ہیں۔ مجھ سے بعض نوجوانوں نے یہ کہا کہ ہم تو آجتک یہی سمجھتے تھے کہ جس طرح مختلف قوموں میں ریفارمر یا فلاسفر ہوا کرتے ہیں ایسے ہی ہمارے حضور بھی ایک مصلح تھے جو قوم کی شکستہ حالت دیکھ کر اس کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی اولوالعزمی اور ارادہ کی پختگی کے باعث کامیاب ہو گئے۔ آپ نے اچھے اچھے اصول وضع کیے اور قوم کی بہت سی خرابیوں کو دور کر دیا۔

میں نے اُن سے عرض کیا یہی عقیدہ تمام مفاسد کا منشاء
مفاسد کا منشاء } اور جملہ خرابیوں کی جڑ ہے چونکہ ہمارے یہ تعلیم یافتہ
نوجوان جو ہم کو غیر تعلیم یافتہ سمجھتے ہیں یہ خیال کئے ہوئے ہیں کہ سرکار کی حیثیت
محض ایک ریفارمر یا مصلح قوم یا ایک لیڈر کی ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی
زبان اور قلم سے بسا اوقات اسلامی احکام پر تنقید ہوتی ہے اور کبھی کبھی
بعض منچلے بھی یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ احکام عرب کے لئے تو موزوں تھے لیکن
ہم کے لئے نہیں خود آپ کے اس ناگپور میں ایک خاصے اچھے تعلیم یافتہ
نے فرمایا کہ جناب اس تیرہ سو برس کے فرسودہ قرآن پر عمل کرنے کے لئے
آپ کب تک ہم کو مجبور کرتے رہیں گے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ جو قانون
حجاز کے بدوؤں کے لئے وضع کیا گیا تھا۔ وہی قانون اس روشنی کے زمانے
میں بھی واجب العمل قرار دیا جائے آخر یہ مولوی کب تک قدامت پرستی میں
مبتلا رہیں گے۔ ایک صاحب دہلی میں فرماتے تھے کہ اگر آپ لوگ یعنی
مولوی صاحبان قرآن میں ترمیم کرنے سے ڈرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ
ایسا کرنے سے خدا آپ کو مارے گا تو آپ ہم لوگوں کو اختیار دیجئے کہ ہم
اس قرآن میں مناسب ترمیم کر کے اس پر عمل کریں آپ اس میں ترمیم
کریں گے نہیں اور ہم کو اجازت نہیں دیں گے تو رفتہ رفتہ اس قرآن کا
بھی وہی حشر ہوگا جو دوسرے لوگوں کی کتابوں کا ہوا۔ آخر یہ بھی تو ایک انسان
کی دماغی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ مان لیجئے کہ محمد رسول اللہ بہت بڑے عقلمند
تھے اور بڑے معاملہ فہم اور ذہین اور طباع تھے۔ لیکن یہ کیا ضروری ہے

کہ وہ جو کچھ کہہ گئے ہوں وہ پتھر کی لکیر ہے کہ کسی طرح مٹائی نہیں جا سکتی اور
باوجود زمانہ بدل جانے کے اس میں تبدیلی ناجائز اور حرام ہے۔

حضرات! یہی وہ خیالات ہیں جو مختلف انداز میں ہمارے نوجوان
ظاہر کیا کرتے ہیں۔ مگر مسلموں کا تو گلہ ہی کیا ہے یہاں مسلمانوں کے نوجوانوں
ہی کا اسلام خطرہ میں ہے۔

خود ساختہ انسان

میں جناب سے دریافت کرنا چاہتا ہوں آپ کو
معلوم ہے کہ آخر ان خرابیوں کا اصلی منشا اور
ان مفاسد کی حقیقی جڑ کیا ہے؟ وہی ایک غلط خیال اور وہی ایک لغو
نظریہ جو بدقسمتی سے دنیا نے نبوت کے متعلق قائم کر لیا ہے اور یورپ جس کا
پروپیگنڈا کیا کرتا ہے اسی نظریہ پر ہمارے نوجوان بھی ایمان لے آئے ہیں
اور ان بیچاروں کو دین و دنیا کی کچھ خبر نہیں ہے۔ اسلام کو یہ نہیں جانتے قرآن
کو انھوں نے کبھی نہیں پڑھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات طیبات
سے یہ نا آشنا ہیں اہل علم کی صحبت سے یہ محروم ہیں۔ ان غریبوں کا مبلغ علم
جو کچھ ہے وہ کالج اور سکولوں کی تعلیم ہے جس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں
ہے کہ عمر کا بہترین حصہ اور باپ دادا کا بہترین ذخیرہ اس تعلیم کی نذر کر دیں
اور پھر کسی مشین کے وفادار پرزے بن کر اپنی زندگی کے دن پورے کر لیں
اور مرتے وقت خیال کریں کہ ہم دنیا میں بہترین زندگی بسر کر کے مر رہے
ہیں۔ انھوں نے جو کچھ سیکھا یا پڑھا وہ شاطران یورپ سے سیکھا اور ایسا
سیکھا کہ اپنا پڑھا پڑھایا بھی سب بھول گئے۔ یورپ نے جو کچھ کہا وہ یہ

بھی کہنے لگے، یورپ کی نظر میں نبوت کی حیثیت صرف اس قدر ہے کہ نبی ایک خودساختہ انسان ہوا کرتا ہے جو خاص ملکات کے ماتحت ترقی کرجاتا ہے اور اپنی عقلمندی کے باعث قوم پر کنٹرول حاصل کرلیتا ہے جو زیادہ عقلمند اور ہوشیار رہوتا ہے وہی بڑا نبی ہوتا ہے۔ اس سے زیادہ یورپ نہ کسی نبی کو سمجھتا ہے اور نہ کسی نبی کے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ چونکہ بدقسمتی سے رسول کو لوگوں نے ایک خودساختہ انسان سمجھ لیا ہے اور اس کے متعلق یہ نظریہ قائم کرلیا ہے کہ وہ بھی معمولی لیڈروں کی طرح ترقی کرتے کرتے بڑا آدمی بن جاتا ہے اس لئے اس پر ہر قسم کی تنقید، اس کی زندگی پر ہر قسم کا اعتراض اس کے اصولوں اور اس کے احکام پر ہر قسم کی نکتہ چینی جائز ہو سکتی ہے۔

نبوت کے متعلق غلط نظریہ کا اسی لغو اور غلط تخیل کی بنا پر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ہمیشہ رکیک اور بے ہودہ اعتراض کئے گئے مثلاً نوح علیہ السلام کی قوم نے کہا۔ انا لنراک فی ضلال مبین[1] اور ایک موقع پر کہا۔ مانراک الا بشرا مثلنا ومانراک اتبعک الا الذین ھم اراذلنا بادی الرائ وما نری لکم علینا من فضل بل نظنکم کذبین۔ دیکھئے حضرت نوحؑ کا یہ کہنا کہ ہم تم میں کوئی خصوصیت

[1] ہم دیکھتے ہیں تجھ کو صریح بہکا ہے [2] ہم دیکھتے ہیں تجھ کو مگر آدمی جیسے ہم اور دیکھتے ہیں کوئی تابع ہوا تیرا مگر جو ہم میں نیچ قوم ہیں اوپر کی عقل سے اور ہم نہیں دیکھتے تم میں اپنے اوپر کچھ بڑائی بلکہ ہم کو خیال ہے کہ تم جھوٹے ہو۔

ایسی نہیں پاتے کہ جس کے باعث تم ہم سے افضل شمار کئے جاؤ بلکہ ہم تم کو جھوٹا اور کاذب خیال کرتے ہیں یہ اسی غلط تخیل کا نتیجہ ہے کہ پیغمبر ایک خود ساختہ انسان ہے اس کو فضیلت برتری اور ترجیح کی کوئی وجہ نہیں۔ ایک موقعہ پر اسی بدبخت قوم نے حضرت نوح علیہ السلام کی شان میں یہ الفاظ کہے۔ ماھذا الا بشر مثلکم یاکل مما تاکلون ویشرب مما تشربون ولئن اطعتم بشراً مثلکم انکم اذاً لخسرون۔[1] یہ تو ہمیں جیسا ایک آدمی ہے ہماری طرح کھاتا پیتا ہے۔ اگر ہم نے اپنے جیسے ایک آدمی کی اطاعت قبول کر لی تو ہم سے زیادہ کون خسارہ میں ہو سکتا ہے ایک اور موقعہ پر حضرت نوحؑ پر جو تنقید کی گئی اس کا خلاصہ ملاحظہ ہو۔ انومن لک واتبعک الارذلون۔[2] کیا ہم بھی تجھ پر ایمان لے آئیں۔ حالانکہ تیرے پیرو تو بہت ہی ارذل طبقے کے لوگ ہیں۔ ایک موقعہ پر تو ان کی قوم کے بعض ذمہ دار لوگوں نے صاف طور پر کہدیا۔ ماھذا الا بشر مثلکم یرید ان یتفضل علیکم[3] یہ بھی ہم جیسا آدمی ہے اس کے دل میں بڑا بننے کی خواہش ہے۔ یہ بستی والوں پر فضیلت چاہتا ہے اور تمام بستی کا لیڈر بننا چاہتا ہے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے اپنے پیغمبر کو جس نظر سے دیکھا وہ بھی ملاحظہ کریجیے۔ انا لنرٰک فی سفاھۃ وانا لنظنک لمن الکٰذبین[4] ہمارا

---

[1] اور کچھ نہیں ایک آدمی ہے جو کھاتا ہے جس قسم سے تم کھاتے ہو اور پیتا ہے جس قسم سے تم پیتے ہو اور کبھی تم چلنے لگے پر ایک آدمی کے اپنے برابر کے تو بیشک تم خراب ہوئے [2] کیا ہم تجھکو مانیں اور تیرے ساتھ ہو رہے ہیں کمینے [3] یہ کیا ہے ایک آدمی ہے جیسے تم۔ چاہتا ہے کہ بڑائی کرے تم پر [4] ہم تو دیکھتے ہیں تجھ کو عقل نہیں اور ہماری اٹکل میں تو جھوٹا ہے ۱۲۔

خیال تو یہ ہے کہ تو کوئی بیوقوف ہے۔ اور ہم تجھ کو جھوٹا خیال کرتے ہیں حضرت ہود نے
اس کے جواب میں جو کچھ کہا وہ صرف اس قدر تھا کہ انی رسول من رب العالمین[1]
اے قوم میں کوئی خود ساختہ انسان نہیں ہوں جس کی عقل اور سفاہت پر بحث کی جائے
بلکہ میں تو رب العالمین کا رسول ہوں۔ قوم نے اس پیغمبر کے متعلق جو آخری فیصلہ کیا وہ بھی
سن لیجئے حضرت ہود کی تمام تقریرات اور ان کی پند و نصائح کا صلہ ان الفاظ میں
دیا گیا۔ سواء علینا اوعظت ام لم تکن من الواعظین[2]۔ تو چاہے ہم کو
وعظ سنائے یا نہ سنائے ہمارے لئے دونوں باتیں برابر ہیں۔ کیونکہ جب ہم کو
تیرے وعظ پر عمل ہی نہیں کرنا پھر وعظ کہو تب برابر نہ کہو تب برابر۔

حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے نبوت کا جو مفہوم سمجھا وہ اس سے بھی
زیادہ دلچسپ ہے۔ قالوا یا صالح قد کنت فینا مرجوا قبل هذا اتنهنا
ان نعبد ما یعبد آباؤنا وانا لفی شک مما تدعونا الیه مریب[3] قوم حضرت
صالح کو خطاب کر کے کہتی ہے کہ اے صالح تجھ کو ہم بہت ہونہار سمجھتے تھے اور تجھ سے بہت
سی امیدیں وابستہ تھیں لیکن اب تجھے کیا ہو گیا۔ تو ہم کو ان معبودوں کی پرستش
سے روکنے لگا جن کو ہمارے باپ دادا پوجا کرتے تھے ہم کو تو تیری باتوں پر اطمینان
نہیں ہوتا۔

---

[1] میں پیغام لانے والا ہوں جہان کے صاحب کا [2] ہم کو برابر ہے تو نصیحت کرے یا نہ ہوئے نصیحت
والا [3] بولے اے صالح تجھ پر ہم کو امید تھی اس سے پہلے کیا تو ہم کو منع کرتا ہے کہ پوجیں جن کو پوجتے
رہے ہمارے باپ دادے اور ہم کو تو شبہ ہے اس راہ میں جس طرف تو بلاتا ہے ایسا کہ دل نہیں
ٹھہرتا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کی جن الفاظ میں عزت افزائی کی گئی وہ سب سے زیادہ خوفناک ہیں یا شعیب ما نفقہ کثیراً مما تقول و انا لنراک فینا ضعیفا ولولا رھطک لرجمنک وما انت علینا بعزیز لے شعیب تیری باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں ہم تو تجھ کو کمزور سمجھتے ہیں اگر تیری برادری کا خیال نہ ہوتا تو ہم تجھ کو پتھروں سے کچل ڈالتے۔ تو کوئی ہمارے اوپر سردار یا حکمران نہیں ہے۔

میرے معزز دوستو! میں نے تم کو چند نبیوں کے متعلق ان کی قوم کے خیالات سنائے ورنہ تم کو ہر پیغمبر کی زندگی میں یہ چیز نظر آئے گی۔ الفاظ گئے ہی مختلف کیوں نہ ہوں مگر سب کا مطلب ایک ہی ہے یعنی ہم کیوں ایک شخص کو اپنا مطاع اور متبوع قرار دیں اور وہ جو کہے اسے تسلیم کرتے چلے جائیں آخر کیا ہم انسان نہیں ہیں؟ ہمارے پاس عقل نہیں ہے۔ یہ بھی کوئی عقلمندی ہے کہ ایک انسان کی عقل کے آگے تمام انسانوں کی عقول کو سر بسجود کر دیا جائے یہی وہ اعتراض ہے جو الفاظ کی کمی و بیشی کے ساتھ ہر زمانہ میں کیا گیا ہے۔ ہاں افسوس اس کا ہے کہ پہلے صرف کافر یہ اعتراض کیا کرتے تھے اور اب آجکل مسلمان بھی اس قسم کی باتیں کرتے ہیں جو انٹرنس یا ایف اے میں فیل ہو جاتے ہیں یا اور آزیج ہونے کی وجہ سے ان کو ملازمت نہیں ملتی تو وہ اس قسم کی باتیں کیا کرتے ہیں۔ کیوں صاحب! یہ داڑھی بڑھانے کا حکم کیوں دیا ہے۔ کیوں فلاں حکم

لہ اے شعیب ہم نہیں سمجھتے بہت باتیں جو تو کہتا ہے اور ہم دیکھتے ہیں تو ہم میں کمزور ہے اور اگر نہ ہوتے تیرے بھائی بند تو تجھ کو ہم پتھراؤ کر دیتے اور تو ہم پر سردار نہیں ۱۲

رمضان میں بھوکے مرنے سے کیا فائدہ ہے۔ کیوں صاحب سود جیسی نفع کی چیز کو حرام کیوں کر دیا؟ کیوں صاحب مرد تو چار عورتوں سے نکاح کر لیں اور عورت کو یہ حق کیوں نہیں کہ وہ بھی چار مردوں سے نکاح کرے۔

کیوں کو بند کرو

برادران ملت! میں آپ سے نہایت صفائی کے ساتھ بہ بانگ دہل کہنا چاہتا ہوں کہ اس کیوں کو بند کرو۔ تم سے صرف ایک فیصلہ کر دو اور وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول تھے یا نہیں؟ آپ کی رسالت میں گفتگو کرنی ہے تو کرو۔ یہ کہو کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے۔ اگر تم یہ کہو تو ہم اس کا جواب دینے کو آمادہ ہیں لیکن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا رسول اگر تسلیم کرتے ہو تو پھر اس کیوں کے دروازے کو بند کرو۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم تمہاری کیوں سے ڈرتے ہیں یا تمہاری کیوں کا جواب نہیں دے سکتے بلکہ یہ بحث بالکل بیکار ہے اگر تم رسول کا صحیح مفہوم سمجھتے ہو اور اسی مفہوم کے موافق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول مانتے ہو تو پھر اس کے احکام میں چون و چرا اور کیوں اور کیا بالکل بے سود ہے۔ رسول تسلیم کر لینے کے بعد تو پھر اس کا ہر حکم واجب التسلیم اور لائق تعمیل ہے۔

لارڈ ولنگڈن کی وائسرائلٹی

مثلاً فرض کیجئے آجکل ہندوستان کے وائسرائے لارڈ ولنگڈن ہیں آپ ان سے یہ تو دریافت کر سکتے ہیں کہ جناب آپ کو وائسرائے کس نے بنایا ہے اور آپ کے وائسرائے ہونے کا کیا ثبوت ہے لیکن اگر آپ یہ تسلیم کر لیں یا آپ کو یہ ثابت

ہو جائے کہ لارڈ ولنگڈن واقعی وائسرائے ہیں تو پھر ان کے احکام سے انکار کرنے یا ان کے احکام پر بلاوجہ جرح و تنقید کرنے کے کیا معنی؟ اسی طرح سمجھ لیجئے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول ہونے میں شک ہے تو بیشک آپ اس شک کو دور کر سکتے ہیں لیکن اگر آپ ان کو رسول سمجھتے ہیں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اُن کے اوامر و نواہی پر کج بحثیاں یا معاذ اللہ ان پر جرح کی جائے یا ان کے فرامین کے ساتھ تمسخر کیا جائے ہماری بھی عجیب حالت ہے ایک طرف ہم مسلمان بھی ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے قائل بھی ہیں اور دوسری طرف ان کے احکام سے روگردانی اور سرتابی بھی ہے۔

کیا آپ کیوں کا جواب دے سکتے ہیں؟

اگر یہی بات ہے تو کیا آپ ہر کیوں کا جواب دینے کو تیار ہیں؟ دیکھئے میرے ہاتھ میں یہ گلاب کا پھول ہے کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ اس کو سرخ رنگ کیوں دیا گیا ہے اور چنبیلی کو سفید رنگ کیوں دیا گیا ہے؟ جو خوشبو گلاب کے پھول میں ہے وہ چنبیلی کے پھول میں کیوں نہ رکھی گئی اور جو چنبیلی کے پھول میں ہے وہ خوشبو گلاب کے پھول میں کیوں نہ ہوئی۔ آم میں جو مزہ ہے وہ آڑو میں کیوں نہیں اور آڑو میں جو لذت ہے وہ آم میں کیوں نہیں پانی اپنی سطح کو برابر رکھتا ہے۔ پانی کی یہ طبیعت کیوں ہے۔ آگ جلاتی ہے کیوں جلاتی ہے جو کام آگ کرتی ہے وہ پانی کیوں نہیں کرتا اس قسم کے سوالات کا سلسلہ تو کہیں ختم ہونے والا نہیں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ آپ کون کون سی کیوں کا جواب دیتے ہیں۔

میری اس گزارش کا یہ مطلب نہیں کہ مسائل اسلامیہ انسانی عقول سے خارج ہیں یا ان پر عقل کی روشنی میں بحث کرنا ناجائز ہے یا آپ کے فوائد اور ان کی خوبیاں عقل سے بالاتر ہیں۔ لیکن میرا مطلب یہ ضرور ہے کہ ہر انسان کی عقل اس کا تحمل نہیں کر سکتی کہ وہ ہر چیز کو سمجھ لے میرے بھائی مولوی حفظ الرحمٰن صاحب نے ابھی کیا اچھی مثال دی تھی کہ آنکھ کا کام دیکھنا ہے۔ لیکن یہی آنکھ باوجود طاقت بینائی کے رات کو بیکار ہو جاتی ہے۔ اور اسی آنکھ کو روشنی کی احتیاج ہوتی ہے اگر خارجی روشنی نہ ہو تو آنکھ کچھ نہیں دیکھ سکتی، اسی طرح عقل انسانی بھی بعض مقامات پر پہنچ کر نبوت و رسالت کی روشنی کی محتاج ہوتی ہے۔ اگر نبوت کی روشنی نہ ہو تو ان مقامات کا سمجھنا یقیناً عقل انسانی کی طاقت سے باہر ہے۔

اصل روشنی کہاں ہے؟

صاحبو! میں تو یہ عرض کیا کرتا ہوں کہ روشنی روشنی کہتے ہو۔ روشنی ہے کہاں؟ کیا روشنی کارلائل۔ اور برنارڈ شا کے پاس ہے؟ کیا روشنی نٹشے اور ڈارون کے پاس ہے۔ ارے! اصل روشنی تو انبیاء علیہم السلام کے دامنوں میں ہے باقی تو تاریکی ہے۔ تم یورپ کے دماغ میں روشنی ڈھونڈتے ہو۔ یورپ کے پاس تو نہ بصیرت ہے نہ بصارت۔ تم یورپ کی عارضی ترقی کو دیکھ کر گمراہ ہو گئے ہو۔ تم تو تاریخ دانی کے بڑے مدعی ہو کیا تم کو خبر نہیں دنیا میں آج تک کتنی تہذیبیں آئیں اور فنا ہو گئیں۔ بابل کی تہذیب، مصر کی تہذیب، روما کی تہذیب ایران اور ہندوستان کی تہذیب جب قومیں برسرِ اقتدار آتی ہیں تو یقیناً اپنے ساتھ بہت سی عجیب و غریب قوتیں لایا کرتی ہیں۔ اگر یورپ کے ساتھ آج چند مادی قوتیں ہوئی ہیں تو کیا ان شعبدہ بازیوں سے یورپ کو

روحانی رہنما بھی کہا جا سکتا ہے۔

ترقی کس نے کی؟

میں تو یہ نہیں سمجھتا کہ جس ترقی کا ڈھول بج رہا ہے وہ ترقی کیا ہے اور وہ ترقی کس کی ہے۔ تم کہتے ہو ہم نے ریل بنائی ہوائی جہاز بنایا۔ میں عرض کرتا ہوں بہت اچھا۔ یہ تو لکڑی اور لوہے کی ترقی ہوئی یا آگ اور پانی نے ترقی کی، جناب نے کیا ترقی کی؟ آپ فرماتے ہیں بجلی کی روشنی ایجاد کی۔ اچھا صاحب یہ مٹی کے چراغ کی ترقی ہوئی کہ پہلے مٹی کا دیولا تھا اب شیشے کی کپی بن گئی۔ جناب نے کیا ترقی کی؟ میں تو آپ کی ترقی معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ اس قسم کی ترقیاں تو ہمیشہ ہوتی رہی ہیں اور آئندہ بھی ہوتی رہیں گی۔ اس وقت تک جو کچھ معلوم ہوا ہے۔ اس کی کس کو خبر تھی اور ابھی کون کہہ سکتا ہے کہ قدرت کے لا انتہا ہی خزانوں میں اور کیا کیا قوتیں پوشیدہ ہیں اور ان کا علم اور ان کی دریافت کس کی قسمت میں لکھی ہے۔ اگر اس عارضی ترقی کو جو بھاپ اور بجلی کے ساتھ وابستہ ہے تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس کا روحانی تعلیم پر کیا اثر پڑ سکتا ہے جو انبیاء علیہم السلام کی مرہون منت ہے۔ یہ تمام ترقیاں تو یورپ کے اقتدار کے ساتھ ساتھ ایسی دفن ہوں گی کہ دنیا کو تلاش کرنے سے بھی میسر نہ آئیں گی۔

مغلوں کا اقتدار

ابھی کل کی بات ہے کہ اس ملک میں مغلوں کا اقتدار تھا۔ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ جن لوگوں نے شاہ جہاں اور اورنگ زیب کے درباروں کی سیر کی ہو گی کیا ان کے تصور میں یہ بات آ سکتی ہو گی کہ ایک دن ان بادشاہوں کی اولاد بھیک مانگتی ہو گی بازاروں

میں پھرتی ہوگی۔ لیکن آج میرے ساتھ آپ دہلی چلئے تو میں آپ کو دکھاؤں کہ جن کے باپ دادا ہاتھی کے ہودجوں اور ہواداروں میں بیٹھ کر نکلا کرتے تھے آج ان کی اولاد کے پاس بھیک مانگنے کا ثابت پیالہ بھی نہیں ہے ؎

چشمِ عبرت بیں کشا و حال شاہان رانگر تا چناں از گردشِ گردوں گرداں شد خراب

پردہ داری میکند بر قصر قیصر عنکبوت بوم نوبت میزند بر گنبد افراسیاب

صاحبو! یہ مادی اقتدار اور یہ مادی ترقیاں تو بنتی بگڑتی رہتی ہیں ان کا عروج و زوال تو ہنڈولے کی طرح زیر و زبر ہوتا ہی رہتا ہے۔ اسی انقلاب کی طرف قرآن کی وہ آیت اشارہ کرتی ہے جو تیسرے پارے میں مذکور ہے قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے کہ آپ ہم کو اس طرح مخاطب کیا کیجئے۔ اے اللہ مالک ملک کے تو جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ تو جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے۔

انقلاب کی علت

آپ کو تو اس قسم کے انقلابات پر بھی تعجب ہوتا ہے مگر میں عرض کرتا ہوں یہ انقلاب تو تمہاری نظر میں ہے ورنہ وہاں تو محض صفت مالکیت کا مظاہرہ ہے اگر ایک چیز ایک ہی کے پاس چھوڑ دیں تو شاید دنیا کو ان کی صفت مالکیت میں شبہ ہو جائے اس لئے اس سے چھینی اُس کو دی۔ اُس سے چھینی اس کو دی۔ یہی کرتے رہتے ہیں تاکہ لوگ سمجھ لیں ؎

فی الحقیقت مالکِ ہر شئے خداست　　　چند روزِ ایں امانت نزد ماست

جناب کی کچھ سمجھ میں آیا میں نے کیا عرض کیا؟ آپ تو خاک بھی نہ سمجھے ہونگے اور سمجھ میں بھی کیونکر آئے۔ سمجھ ہو تو اس میں کچھ آئے۔ جہاں مادیات کے سمجھنے کی بھی اہلیت نہ ہو وہاں روحانیت کے مسائل سمجھنے کی قابلیت کہاں ہو سکتی ہے۔ اچھا ایک آسان بات کہتا ہوں اس کو سمجھو اور اگر وہ بھی سمجھ میں نہ آئے تو پھر اپنی سمجھ پر بیٹھ کر رو دو۔ شبہ تو یہ ہوتا ہے کہ آخر یہ انقلاب کیوں ہوا کرتے ہیں آج ایک حکومت کا عروج ہے۔ کل اس کا زوال ہے۔ پھر جس کا آج عروج ہے کل اس کا زوال ہے۔ اس کا زوال اُس کا عروج جب سے دنیا بنی ہے یہی ہوتا چلا آیا ہے۔ اس کی ایک لطیف وجہ تو وہ تھی جو میں نے ابھی عرض کی اب ایک اور بات سنئے۔ حضرت حق داؤد علیہ السلام اور جالوت کی جنگ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور حضرت داؤد کے کامیاب ہو جانے کے بعد فرماتے ہیں۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ؕ[1] اللہ تعالیٰ یہ سسٹم جاری نہ کرتا اور بعض قوموں کے اقتدار کو بعض قوموں کے ہاتھ سے فنا نہ کراتا تو زمین میں بے انتہا فساد برپا ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ کسی قوم کو دواماً اقتدار کا مالک نہیں بنا دیتا۔ بلکہ ایک قوت سے دوسری قوت کو کمزور اور پامال کراتا رہتا ہے فرمائیے اب تو جناب کی سمجھ میں عروج و زوال کا فلسفہ آ گیا۔

عقل کی بحث ۔ ہاں صاحب وہ عقل کی بات رہ گئی۔ یہ بات تو آپ بھی تسلیم

[1] اور اگر دفع نہ کروا دے اللہ لوگوں کو ایک سے تو خراب ہو جائے ملک لیکن اللہ فضل رکھتا ہے جہان کے لوگوں پر۔

کرتے ہیں کہ عقول انسانی میں تفاوت ہے یہ ممکن ہے کہ آپ ایک بات اچھی سمجھتے ہیں لیکن میری عقل میں اس بات کی خوبی نہیں آتی میں آپ سے بحث کرتا ہوں لیکن آپ مجھ کو مطمئن نہیں کر سکتے اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ مولوی صاحب یہ بات آپ کی سمجھ میں نہیں آئے گی۔ آپ کی عقل سے بالاتر ہے ہم اپنے ایک مقروض کے خلاف دعویٰ کرنا چاہتے ہیں۔ ایک وکیل صاحب سے مشورہ کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں ہاں مولوی صاحب دعویٰ ہو جائے گا تیس روپے دیجئے ہم دعویٰ کر دیں گے بھائی تیس لیجئے کیسے؟ ستر روپے تو ہمارا مقروض کھائے بیٹھا ہے۔ ہم چاہتے ہیں اس سے روپیہ وصول ہو جائے۔ آپ ہم سے اور روپے مانگتے ہیں۔ وکیل صاحب حساب سمجھاتے ہیں۔ کورٹ فیس کے اتنے روپے۔ وکیل کی فیس کے اتنے۔ طلبانے کے اتنے۔ ہم پھر بحث کرتے ہیں۔ بھائی یہ روپے کیسے بتا رہے ہو۔ ہم اپنا روپیہ وصول کرنا چاہتے ہیں آپ اور الٹا ہم سے روپیہ طلب کرتے ہیں۔ ہم زیادہ الجھتے ہیں تو آپ خفا ہو کر ہم سے کہتے ہیں جناب یہ قانونی بات ہے آپ نہیں سمجھ سکتے۔

ہم نہیں سمجھ سکتے اگر کوئی بات واقعی ایسی ہے جو ہم نہیں سمجھ سکتے تو کوئی بات ایسی بھی ہے جس کو آپ نہیں سمجھ سکتے۔ اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے ہم تو انسانوں کی بات کو نہیں سمجھ سکتے اور آپ خدا کی ہر بات کو عقل سے تولنا چاہتے ہیں۔ اور اگر آپ کی عقل کہیں عاجز ہو جاتی ہے تو آپ اس بات کے تسلیم کرنے یا عمل کرنے ہی سے انکار کر دیتے ہیں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ عقل واقعی بہت اچھی چیز ہے۔ ہر بات پر عقل سے غور کرنے کی ضرورت ہے

لیکن عقل انسانی وہیں تک تو کام کر سکتی ہے جہاں تک اس کی رسائی ہے فرض کیجئے ایک چھوٹا سا کانٹا جواہرات تولنے کا لیجئے، آپ اس میں ہر قسم کے یاقوت اور ہیرے اور موتی کو وزن کیجئے وہ ہر چیز کا وزن آپ کو ٹھیک ٹھیک بتائے گا۔ لیکن اگر آپ اس میں کوہ ہمالیہ کی ایک چٹان کو تولنے بیٹھ جائیں تو کیا آپ کامیاب ہو جائیں گے۔

عقل کی ترازو میں تسلیم کرتا ہوں کہ عقل ایک ترازو ہے لیکن اس ترازو میں وہی چیز تولی جا سکتی ہے جو اس ترازو کی حیثیت کے قابل ہے۔ آج بھی آپ صدہا ایسی چیزوں کو تسلیم کرتے ہیں جن کا کل تک آپ کو یقین نہ تھا لیکن آج آپ ان کا یقین کرنے پر مجبور ہیں۔ اور بہت سی باتیں تو ایسی ہیں کہ آپ نے ان کو دیکھا ہی نہیں صرف اخبار میں پڑھا ہے لیکن آپ کو ان باتوں پر ایسا ہی یقین ہے جیسا کہ آپ اپنی آنکھ سے انہیں دیکھ چکے ہیں اخبارات جن میں سینکڑوں خبریں غلط بھی شائع ہوتی ہیں۔ بلکہ بعض اخبارات تو غلط پروپیگنڈے کی غرض سے ہی جاری کئے جاتے ہیں اُن کی تو اتنی ساکھ آپ کی نظر میں قائم ہے کہ اخبار کا لکھا پتھر کی لکیر ہے۔ لیکن انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فرمان پر آپ کو اس قدر شکوک و شبہات ہیں کہ جن کا ازالہ نا ممکن ہو گیا ہے۔

طریقہ استدلال اس سلسلہ میں اگرچہ بحث بہت طویل ہو سکتی ہے اور یہ بحث ہمیشہ سے ہوتی چلی آئی ہے۔ ایک زمانے میں یونانی فلسفہ کا قصہ تھا۔ آج یورپین فلسفہ کا قصہ ہے۔ یونانی فلسفہ کی

بنیاد تو چند بے ثبات تخیلات اور چند وہمی و اختراعی اصولوں پر رکھی گئی تھی لیکن آجکل کے فلسفہ کی بنیاد چند تجربات اور فرضی مشاہدات پر رکھی گئی ہے۔ اسی وجہ سے فلسفۂ جدید اس فلسفۂ قدیم سے کسی قدر مضبوط معلوم ہوتا ہے۔ ان تمام جھگڑوں کا اصل فیصلہ تو وہ تھا جو حضرت مولانا نے فرمایا تھا اور سچ تو یہ تھا کیا خوب فرمایا تھا۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود — پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود
گر باستدلال کار دیں بودے — فخر رازی رازدار دیں بودے
چند خوانی حکمتِ یونانیاں — حکمت ایمانیاں را ہم بخواں
آزمودم عقل دور اندیش را — بعد ازیں دیوانہ سازم خویش را

لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ دیوانہ بننے کو تیار نہیں ہیں۔ خدا کی قسم اگر دیوانے بن جاتے تو آدمی بن جاتے۔ اس راہ میں فرزانہ وہی ہے جو دیوانہ ہے تم عقل عقل کرتے پھرتے ہو اور حقیقت یہ ہے جس دن عقل کی کہیں رسائی ہو گئی اس دن پاگل خانے میں بیٹھے ہوئے ہو گے ؎

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز — کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد
ایں مدعیان در طلبش بے خبرانند — آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

حضرت بہلول مجنوں اس راہ کے دیوانوں کو آپ کیا پوچھتے ہیں حضرت بہلول تو مشہور ہی دیوانے ہو گئے تھے لیکن انکی دیوانگی کا یہ حال تھا کہ صدہا فرزانے ان سے سبق سیکھتے تھے حضرت بہلول عام طور سے قبرستان میں بیٹھے رہا کرتے تھے۔ اگر کوئی ان سے دریافت کرتا کہ آپ نے زندوں کو چھوڑ کر مُردوں کی صحبت کیوں اختیار کی ہے

تو فرمایا کرتے تھے زندوں سے مُردے اچھے ہیں۔ جب تک ان کے پاس بیٹھا رہتا ہوں کسی کی غیبت نہیں کرتے اور جب ان کے پاس سے چلا جاتا ہوں تو میری بُرائی نہیں کرتے۔ زندوں کے پاس جب بیٹھے کسی نہ کسی کی برائی کرتے رہتے ہیں جب ان کے پاس سے چلے جاؤ تو پیٹھ پیچھے اُسی کی بُرائی شروع کر دیتے ہیں جو ان کے پاس بیٹھا تھا۔

قحط کا واقعہ ایک دفعہ قحط کے آثار ظاہر ہوئے تو حضرت سری سقطیؒ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا بہلول تمہیں معلوم ہے کہ بارش نہ ہونے کی وجہ سے قحط پڑ رہا ہے۔ مخلوق پریشان ہے۔ بہلول نے فرمایا پھر مجھ سے کیا کہتے ہو۔ انھوں نے کہا دعا کیجئے تاکہ اللہ تعالیٰ قحط کو دور کرے حضرت بہلول نے فرمایا اگر خدا کی قسم ایک دانہ گیہوں کی قیمت ایک روپیہ بھی ہو جائے تب بھی اس معاملہ میں دخل نہ دونگا۔ قحط کی فکر اس کو ہونی چاہیئے جو رزق کا ذمہ دار ہے۔ رزق رسانی میری ڈیوٹی نہیں مجھے تو عبادت کا ذمہ دار بنایا ہے میں اپنے فرض کو ادا کرتا ہوں کیا سری تم کو معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَ الْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ۔[1] ہم نے جنات اور انسان کو عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ جس کام کے لئے مجھ کو پیدا کیا گیا ہے میں اس کام کو چھوڑ کر ایسے کام میں مشغول ہو جاؤں جس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں تو آپ ہی فرمائیے یہ کہاں تک درست ہوگا۔ رزق رسانی اور مخلوق کیلئے رزق کا اہتمام تو حضرت حق نے

[1] اور میں نے بنائے جن اور آدمی سو اپنی بندگی کو ۱۲

خود اپنے ذمہ لیا ہے کیا تم کو نہیں معلوم کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے[1] وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا زمین پر کوئی چلنے والا ایسا نہیں ہے جس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ نہ ہو اور سورہ ذاریات میں فرماتے ہیں وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ فَوَرَبِّ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ إِنَّهُ لَحَقٌّ مِّثْلَ مَا أَنَّكُمْ تَنطِقُونَ[2] تمہارا رزق اور جن باتوں کا وعدہ کیا گیا ہے وہ سب کچھ آسمانوں میں ہے اور ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل ایسی ہی سچی ہے جیسے تم کسی بات کو سچ سمجھ کر کہو۔ اے سری! جب رزق کے وہ ذمہ دار ہیں اور میں ان کے ذمہ میں مداخلت کروں تو وہ اگر یہ فرمائیں کہ تجھ کو اپنا کام انجام دینا تھا تو نے ہمارے کام میں کیوں مداخلت کی تو میرے پاس کیا جواب ہوگا۔ وہ رزق دیں یا نہ دیں۔ ارزانی فرمائیں یا قحط نازل کریں میں تو اس معاملہ میں ایک لفظ بھی کہنا نہیں چاہتا۔

دیوانگی پسند ہے یا ہوشیاری؟ صاحبو! آپ نے دیکھا آپ بھی ایسا دیوانہ بننا چاہتے ہیں۔ اگر دیوانے بن جاؤ تو تمام امور طے ہو جائیں لیکن میں جانتا ہوں کہ تم تو عقلمند رہنا چاہتے ہو۔ اچھا اگر عقلمند رہنا چاہتے ہو تو آدھ پہر تھوڑا سا وقت نکال کر قرآن شریف کا مطالعہ کرو۔ نطشے اور کینٹ کا فلسفہ تو بہت پڑھا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فلسفہ بھی تو کسی وقت پڑھو پھر مجھکو بتاؤ وہ کونسی بات ہے جو تمہاری عقل سے خارج ہے اور وہ کونسا مسئلہ ہے جو تم عقل سے سمجھنا چاہتے ہو۔ لیکن تمہاری سمجھ میں نہیں آتا کس قدر

---

[1] اور کوئی نہیں پاؤں چلنے والا زمین پر مگر اللہ پر ہے اس کی روزی [2] اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو تم سے وعدہ کیا سو قسم ہے رب کی آسمان اور زمین کے یہ بات تحقیق ہے جیسا کہ تم بولتے ہو۔

ناانصافی ہے کہ یورپ کا فلسفہ سیکھنے کے لئے تو تمام عمر خرچ کر دو اور بے شمار روپیہ خرچ کر دو لیکن روحانی فلسفہ حاصل کرنے کے لئے چند منٹ بھی صرف نہ کرو اور بدون مطالعہ کئے ہوئے اسلام کے متعلق یہ رائے قائم کر لو کہ "یہ مذہب بہت تنگ ہے اور ارتقا کا دشمن ہے۔ مولوی لوگ بڑا تنگ خیال ہے۔ اگر مذہب ترقی کا دشمن ہے تو ہم ایسے مذہب کو دور سے سلام کرتا ہے۔ یہ فرسودہ مذہب بیسویں صدی میں ناقابل عمل ہے ہم ایسا مذہب نہیں مانگتا"

فرسودہ مذہب صاحبو! میں عرض کرتا ہوں کہ آپ نے نہ تو مذہب کو خود کبھی اسٹڈی کیا، اور نہ کبھی کسی مذہب جاننے والی کی خدمت میں حاضری کا جناب کو شرف حاصل ہوا آپ نے سُنی سُنائی باتوں پر افسوس ہے کہ رائے قائم کر لی۔ اس مذہب کا ہی تو کمال ہے کہ جس طرح پہلے قابل عمل تھا اسی طرح آج بیسویں صدی میں بھی یہ مذہب اتنا ہی قابل عمل ہے بلکہ اس بیسویں صدی میں اس مذہب کی اور زیادہ ضرورت ہے، جو مذہب قیامت تک کیلئے آیا ہو تو وہ بیسویں صدی میں کس طرح ناکام ہو سکتا ہے۔

میرے دوستو! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ میں جس قدر علم کی روشنی بڑھتی جائے گی اُتنی مذہب کی خوبیاں آپ کے سامنے آتی جائیں گی بشرطیکہ آپ مذہب اور اس کی تعلیم کو حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ آپ جس کو فرسودہ کہہ رہے ہیں وہ فرسودہ یا پارینہ نہیں ہے بلکہ وہ تو ایک روشن اور چمکدار ملت ہے جس میں رات اور دن کا بھی فرق نہیں ہے۔ چہ جائیکہ نئے اور پُرانے کا لیکھا جوکھا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں ایسی

ملتِ بیضا لے کر آیا ہوں جس کی رات اور دن دونوں روشنی اور چمک میں برابر ہیں
مجھے تو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ جناب کی نظر میں جسمانی
روحانی اور جسمانی علاج کم امراض کا جس قدر اہتمام ہے اس قدر روحانی
امراض کا اہتمام نہیں ہے۔ آپ کی ایک انگلی میں تکلیف ہو جاتی ہے تو آپ بہتر سے بہتر
ڈاکٹر کی تلاش کرتے ہیں۔ اگر یہاں کوئی ڈاکٹر نہیں ملتا تو آپ کلکتہ اور بمبئی جاتے
ہیں۔ لیکن روح کے علاج کا آپ کے نزدیک کوئی اہتمام نہیں ہے آپ نے آج
تک روحانی اصلاح کے لئے بھی کوئی سفر کیا؟ کسی اہل علم کی خدمت میں تشریف
لے گئے۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ روحانی اطباء سے دنیا خالی ہو گئی ہے؟ نہیں اب بھی
اللہ کے بندے موجود ہیں۔ لیکن آپ کے پاس اتنا وقت کہاں کہ آپ اس
ضروری غرض کے لئے کوئی سفر کریں اگر آپ کسی طبیب کی خدمت میں حاضر ہو کر
اس کی دوا استعمال ہی نہیں کرتے تو پھر آپ کو یہ حق کس طرح حاصل ہو گیا ہے
کہ آپ اس طبیب کو یا اس کے طریقہ علاج کو برا بھلا کہیں یا اس پر کوئی
بے جا تنقید کریں۔ نہ طب پڑھتے ہو نہ طبیب کی خدمت میں حاضر ہوتے ہو اور
باوجود اس غفلت اور بے پروائی کے طب نبوی پر اعتراض کرتے ہو اور اس
کو لغو اور خلاف عقل قرار دیتے ہو اب تمہیں بتاؤ تمہاری یہ بیہودہ حرکت
کہاں تک قابل برداشت ہو سکتی ہے اسی کو مولانا رومی نے فرمایا ہے ؎

چند خوانی حکمتِ یونانیاں　　　حکمتِ قرآنیاں را ہم بخواں

مولانا ایک اور جگہ اہل علم اور اہل دل کی حکمت کا شوق دلاتے ہوئے
فرماتے ہیں ؎

گر تو سنگ خارہ و مرمر شوی　　چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

جاہل دوا فروش کبھی مذہب کا بہت شوق پیدا ہوا تو کسی جاہل میلاد خواں کو چوکی پر لا بٹھایا۔ اس نے جھوٹی روایتیں اور موضوع قصے بیان کر دیئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے غلط واقعات تم کو سنا دیئے تم یہ سمجھے مذہب اسی کا نام ہے تم نے اس پر تنقید شروع کر دی۔ نہ اس جاہل کو یہ معلوم کہ اس مجلس میں کیا ذکر ہونا چاہیئے نہ تم کو یہ خبر کہ اس قسم کی مجالس کا ماحصل کیا ہے۔ تم نے کبھی ان جاہل میلاد خوانوں سے یہ دریافت نہ کیا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے ذکر کو بار بار دہرانے سے کیا مقصد ہے کیا اس مسئلے میں کسی کو اختلاف ہے۔ کیا مسلم یا غیر مسلموں کی جماعت کوئی دنیا میں ایسی بھی ہے جو حضور کی ولادت کا انکار کرتی ہے یا یہ کہتی ہے کہ حضور پیدا ہی نہیں ہوئے ایک ایسی بات جس کے دوست دشمن سب قائل ہیں اس کے ذکر سے کیا فائدہ ہے البتہ اگر کوئی منکر ہوتا تو آپ کو ثبوت پیش کرنے کی حاجت تھی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر واقعات کے ساتھ اگر علی سبیل التذکرہ آپ کی ولادت کا ذکر بھی آجائے تو مضائقہ نہیں لیکن صرف اس مسئلہ خاص کو مہمات دین سے سمجھ لینا اور اپنی مجالس کو صرف ایک ہی واقعہ کے ساتھ خاص کر لینا اور وہ بھی موضوع روایات اور غلط واقعات کے ساتھ بیان کرنا ان ہی لوگوں کا وظیفہ ہو سکتا ہے جن کا مبلغ علم اور جن کی معلومات کا ذخیرہ چند اردو کے رسالے ہوں اور میں نے تو گذشتہ سال یہ بھی عرض کیا تھا کہ کسی شخص کی ولادت اور ولادت کی تفصیلات

جس میں اُس کی والدہ کا بھی ذکر ہو اور ولادت کی نوعیت بھی بیان کی جائے ایسی شرم اور پردہ کی بات ہے جس کا کوئی مہذب سوسائٹی متحمل نہیں کر سکتی میرا تو یہ خیال ہے کہ اگر اس جاہل میلاد خواں کی ولادت اور اس کی ماں کا نام لیکر ولادت کی نوعیت کا بیان عام مجمع میں کیا جائے تو یہ کمبخت بھی برداشت نہیں کرے گا کس قدر تعجب ہے کہ جس چیز کو یہ بدنصیب اپنے لئے گوارا نہیں کرتے اور اپنی توہین سمجھتے ہیں اس کو سردار اولین و آخرین کے لئے کس طرح پسند کرتے ہیں میں آپ ہی سے دریافت کرتا ہوں ان جاہل میلاد خوانوں نے جو طریقہ ذکر ولادت کا اختیار کیا ہے یہ سردار اولین و آخرین کی تعریف ہے یا توہین یہ جاہل میلاد خواں کیا ہیں ایک بے ادب اور گستاخوں کی ٹولی ہے جو خدا کے پیغمبر کی عزت و آبرو کھوٹی پونجی کے بدلے فروخت کر کے اپنا پیٹ پالتے پھرتے ہیں لیکن جب تک دنیا میں جاہلوں کی تعداد زیادہ ہے جاہل ہی سننے والے اور جاہل ہی بیان کرنے والے ہیں۔ اس وقت تک ان مجالس کا انسداد کس طرح ہو سکتا ہے۔ یہ جاہل اس توہین کو تعریف سمجھتے ہیں۔ اور اس پہ ہزارہا روپیہ خرچ کرنے کو ثواب خیال کرتے ہیں اور جو شخص ان کو منع کرے اور ان کی ان مجالس کے خلاف آواز بلند کرے اس کو معاذاللہ دشمن اسلام اور دشمن رسول سمجھتے ہیں۔ والی اللہ المشتکی۔

ایک ضروری بات

ہاں صاحب! بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی میں ان تعلیم یافتہ حضرات کی خدمت میں کچھ گذارش کر رہا تھا میں نے اُن سے عرض کیا تھا صحیح راہ تو یہی ہے کہ دلوانے میں جہاد

لیکن میں جانتا ہوں کہ تم اس کے لئے تیار نہیں ہو بلکہ تم کہتے ہو گے واہ صاحب! یہ اچھے مولوی آئے کہ سب کو دیوانہ ہی بناتے ہیں۔ میں عرض کرتا ہوں بہت اچھا! خفا نہ ہو جیئے۔ آپ سیانے بنے رہیئے۔ لیکن مجھے ایک بات کا جواب دیجئے آپ کے نزدیک کسی دعویٰ کے ثابت کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ کیا آپ فلسفہ کے ہر مسئلہ اور سائنس کی ہر بات کو مشاہدہ کرا کے سمجھاتے ہیں؟ کیا ہر تصیوری کو آپ منطقی دلائل سے بیان کر کے سمجھائیں گے؟ خواہ میں آپ کی منطقی دلیل سمجھوں یا نہ سمجھوں، آپ میرے سامنے دلائل کے انبار لگا دیں گے یا کسی اور طریقہ سے بھی آپ مطمئن کر سکتے ہیں۔

ٹماٹر کے وٹیمنز مثلاً فرض کیجئے آجکل ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان ٹماٹر کا بہت استعمال کرتے ہیں کچے پکے جیسے بھی مل جائیں ٹماٹر کو کھائے بغیر نہیں چھوڑتے ہر پڑھے لکھے نوجوان کی جیب میں ٹماٹر اسی طرح پڑے رہتے ہیں جس طرح مشہور ہے کہ پہلے زمانے کے مولویوں کی جیب میں استنجے کے ڈھیلے پڑے رہتے تھے، اب اگر کوئی شخص دریافت کرے کہ جناب ٹماٹر جس کو ہم لال بیگن کہتے ہیں آپ اس قدر کیوں استعمال کرتے ہیں تو آپ جواب دیتے ہیں کہ اس میں وٹیمنز بہت زیادہ ہیں۔ یعنی وہ اجزا جو بہت جلد تحلیل ہو کر روح کی غذا بن جاتے ہیں۔ پھر اگر ہم دریافت کریں اس کا کیا ثبوت ہے کہ اس میں وٹیمنز بہت زیادہ ہیں تو کیا آپ ہمارے سامنے کیمیاوی ترکیب سے وہ اجزاء ثابت کریں گے۔ یا کسی ڈاکٹر کا نام لیکر کہیں گے کہ فلاں ڈاکٹر جو اس فن کا ماہر ہے اس کی تحقیقات یہ ہے کہ اس میں وٹیمنز بہت زیادہ ہیں یہ طریقہ

استدلال کوئی انوکھا نہیں ہے بلکہ تمام دنیا میں رائج ہے تاریخی روایات کے کسی مسئلے میں اختلاف ہو تو ہومر کی شاعری سے استدلال کیا جاسکتا ہے اور ہومر کا بیان صحیح اور قابل اعتبار سمجھا جاتا ہے۔ فلسفہ کی بحث ہو تو سقراط اور افلاطون کے کلام سے استدلال کیا جاتا ہے۔ روحانیت کا کوئی مسئلہ ہو تو کانٹ اور ہیوم کی تحقیقات سے اپنے مقابل کو خاموش کیا جاتا ہے۔ غرض جو شخص جس فن کا ماہر ہوتا ہے اُس کی تحقیق کو ہم بطور استدلال پیش کرتے ہیں۔ جب کبھی ہم کو بندروں کی اولاد بننے کا شوق ہوتا ہے تو ہم ڈارون کی تھیوری سے استدلال کرتے ہیں۔

میرے عزیزو! اگر دنیا میں یہ طریقہ استدلال رائج ہے اور ماہرین فن کی رائے کا اعتبار ہے اور بلا کسی قسم کے اعتراض اور چون و چرا کے یورپین محققین کی تحقیق قابل تسلیم ہے تو انبیاء علیہ السلام جو اپنے فن اور فلسفہ کے ماہر ہوتے ہیں کیوں نہ اُن کی رائے اور اُن کی تحقیق کو آخری چیز سمجھ کر ایمان لایا جائے۔ میں آپ کو عقل و بصیرت کا واسطہ دیکر ایک بات دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ تاریخی معلومات میں اگر گبن کی رائے آخری رائے ہے تو مذہبیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے آخری رائے کیوں نہ ہو۔ اگر مذہب کی مخالفت میں ہیوم کا آخری قول ہو تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول مذہب کی حمایت میں آخری قول کیوں نہ ہو۔ اگر ڈارون کی تھیوری مسئلہ ارتقا میں قابل تسلیم ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تھیوری کیوں نہ قابل تسلیم ہو۔ اگر گوئٹے اور کانٹ کے کلام سے استدلال کیا جاسکتا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کلام سے کیوں نہیں استدلال کیا جاسکتا۔ کیا آپ کے نزدیک ڈے کارڈ اور ہٹلر کی تحقیق انبیاء علیہم السلام کی

تحقیق سے بھی زیادہ وقیع ہے تلک اذا قسمۃ ضیزیٰ ہے۔ اگر جناب کی یہ
رائے ہے تو مجھے افسوس ہے کہ یہ رائے نہایت قابل حقارت و نفرت ہے ؎

انبیاء علیہم السلام اور فلاسفہ

اگر آپ نے میری گذشتہ تقریر سیرت پڑھی ہو گی تو آپ کو یاد ہو گا کہ میں نے بار بار
اس امر پر توجہ دلائی ہے کہ حکماء اور فلاسفہ صرف ظن اور تخمین کی اتباع کرتے ہیں
ان کے پاس اٹکل ہے۔ تجربہ ہے اندازہ ہے، خرص ہے۔ اس سے زیادہ ان کے
پاس کچھ نہیں ہے۔ ظنون فاسدہ اور اوہام کاسدہ اور دلائل باردہ
کا ایک ڈھیر ہے جس سے یہ دنیا کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں لیکن انبیاء علیہم السلام
کے پاس حق ہے مشاہدہ ہے۔ آنکھوں کی دیکھی بات ہے۔ ان کے پاس
رائے نہیں ہوتی جس پر بحث کی جائے۔ بلکہ ان کے پاس تو مشاہدہ اور یقین
ہوتا ہے جس کی تغلیط و تکذیب نہیں کی جا سکتی۔ فلاسفہ کے کلام پر بحث کی
جا سکتی ہے ان کے خیالات کا رد کیا جا سکتا ہے بسا اوقات وہ خود بھی اپنی رائے
تبدیل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں جن لوگوں نے فلاسفہ کی کتابیں پڑھی ہیں وہ جانتے
ہیں کہ ابتداء میں اگر انہوں نے کسی مسئلہ کے متعلق کوئی رائے قائم کی تھی اور بعد
میں ان کو اپنی غلطی محسوس ہوئی تو انہوں نے اپنی سابقہ رائے سے رجوع کر لیا
اکثر ملحدین نے مرتے وقت اپنے خیالات کی تبدیلی کا اعلان کیا۔ جہاں ظن اور
قیاس ہو گا وہاں عام طور سے یہ تبدیلیاں آپ کو نظر آئیں گی۔ لیکن انبیاء علیہ
الصلوٰۃ والسلام کے متعلق آپ ایک واقعہ بھی نہیں بیان کر سکتے جہاں انہوں
نے اپنے نظریہ میں تبدیلی کا اعلان کیا ہو۔ توحید الٰہی وجود خداوندی، قیامت

مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، یہ وہ موٹے موٹے اصول ہیں جن کی حمایت ہر زمانہ کے پیغمبر نے کی ہے اور اس مضبوطی اور یقین کے ساتھ کی ہے کہ ان کو کبھی اپنی زندگی میں اس بات کا وہم ہی نہیں ہوا کہ جو کچھ ہم کہتے ہیں، اس کے خلاف بھی ہو سکتا ہے۔

یقین اور شک میرے دوستو! کیا تم یقین اور شک کا فرق نہیں سمجھتے ایک فریق کے پاس شک ہے اور ایک کے پاس یقین ہے۔ میں آپ سے دریافت کرتا ہوں کہ ان دونوں میں کس کی بات قابلِ اعتبار ہے۔ ایک شخص وہ ہے جو اندازے اور تخمین سے کہتا ہے، آج ۵ ربیع الاوّل ہے۔ لیکن ایک وہ شخص ہے جس نے اتوار کی شام کو اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا تو کیا آپ کے نزدیک دونوں کی حیثیت برابر ہے۔ ایک وہ ہے جو زمین پر بیٹھ کر آسمان کے متعلق رائے قائم کرتا ہے اور کہتا ہے کہ آسمان کوئی چیز نہیں ہے صرف حدِ نگاہ کا نام آسمان ہے ایک وہ ہے جو آسمان تک گیا ہے اس نے آسمانوں کی سیر کی ہے وہ کہتا ہے میں آسمانوں کو دیکھ کر آیا ہوں تو کیا آپ کے نزدیک یہ دونوں برابر ہیں ایک شخص کے پاس دلائل تو ہیں مگر ایسے دلائل ہیں جن کا مبنیٰ ظنیات ہیں اور ایک شخص کے پاس دلائل کا طومار نہ سہی لیکن بات اور واقعہ اس کا چشم دید ہے اگر دونوں میں اختلاف ہو تو آپ کے نزدیک کس کی بات صحیح ہو گی۔ اسی فرق کی طرف حضرت حق نے اشارہ فرمایا ہے ما لھم بہ من علم الا اتباع الظن[1] ان لوگوں

[1] کچھ نہیں انکو اس کی خبر مگر اٹکل پر چلنا ہ

کے پاس صرف اٹکل کی پیروی ہے ان کو صحیح علم حاصل نہیں ہے ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں ان عندکم من سلطٰن بھٰذا[1] تمہارے پاس کوئی دلیل اور سند نہیں ہے۔ بلکہ من گھڑت باتیں کرتے ہو۔ پندرھویں[1] پارے میں ارشاد ہے مالھم بہ من علم ولا لاباۗئھم کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا[2] علم نہ ان کے پاس ہے نہ اُن کے باپ دادا کے پاس تھا باوجود اس جہالت کے منہ سے ایسی باتیں کہتے ہیں جو بہت خوفناک ہیں۔ یہ سوائے جھوٹی باتوں کے اور کچھ نہیں کہتے ایک اور مقام پر فرماتے ہیں وما[3] لھم بذٰلک من علم ان ھم الا یظنون ان کے پاس کوئی صحیح علم نہیں محض اٹکل کے تیر چلاتے ہیں اور گمان کی پیروی کرتے ہیں سورہ نجم میں ارشاد ہوتا ہے[4] ما لھم بہ من علم ان یتبعون الا الظن وان الظن لا یغنی من الحق شیئا۔ ان لوگوں کے پاس کوئی پکی اور پختہ بات نہیں ہے محض گمان اور اٹکل کی پیروی ہے۔ اور کہیں گمان اور ظن بھی حق و یقین کا ہمسر ہوسکتا ہے اور فرماتے ہیں۔ ان[5] یتبعون الا الظن وما تھوی الانفس۔ یہ سوائے اٹکل اور اپنے غلط نظریوں کے کسی دوسری چیز کی پیروی نہیں کرتے۔

روشنی اور تاریکی

روشنی اور تاریکی۔ میرے عزیزو! ایک طرف نور ہے اور ایک طرف

---

[1] نہیں تم پاس کچھ سند اسکی [2] کچھ خبر نہیں ان کو اس بات کی نہ اُن کے باپ دادوں کو کیا بڑی بات ہو کر نکلتی ہے ان کے منہ سے سب جھوٹ ہے جو کہتے ہیں [3] اور ان کو کچھ خبر نہیں اسکی نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں [4] اور انکو اسکی خبر نہیں نری اٹکل پر چلتے ہیں اور اٹکل کام نہیں آتی ٹھیک بات میں کچھ۔

[5] کچھ نری اٹکل پر چلتے ہیں اور جو جیوں کے چاؤ ہیں۔

تاریکی - ایک طرف موت ہے اور ایک طرف زندگی - ایک طرف اندھے ہیں اور دوسری طرف آنکھوں والے - ایک طرف بہرے ہیں اور دوسری طرف کان والے - ایک طرف گمراہی کی حرارت اور گرمی ہے اور ایک طرف ہدایت کا نور اور اس کی ٹھنڈک ہے ایک طرف جہلاء کا زبان دراز گروہ ہے - اور ایک طرف علماء اور متین حضرات کی جماعت ہے ایک طرف چند تجربات اور چند تصورات ہیں اور ایک طرف مشاہدات و یقین اور اذعان و علم کا اطمینان تو کیا یہ دونوں جماعتیں آپ کے نزدیک برابر ہیں اسی فرق کی جانب حضرت حق نے متعدد مقامات پر تصریح فرمائی ہے - چنانچہ ارشاد ہوتا ہے -

هَل يستوی الاعمی والبصير[1] افلا تتفكرون	کیا اندھا اور آنکھوں والا برابر ہے ؟ تم لوگ غور و فکر سے کام کیوں نہیں لیتے -

سورۂ فاطر میں فرماتے ہیں -

وما یستوی الاعمی والبصیر[2] ولا الظلمت ولا النور ولا الظل ولا الحرور وما یستوی الاحیاء ولا الاموات -	اندھے اور آنکھوں والے برابر ہیں اور نہ نور و تاریکی برابر ہے اور نہ حرارت و برودت اور دھوپ اور سایہ مساوی ہے اور نہ مُردے اور زندے برابر ہیں -

سورۂ زمر میں ارشاد ہوتا ہے -

هل يستوی الذين يعلمون والذين[3] لا يعلمون -	کیا ذی علم اور جاہل دونوں برابر ہیں -

---

[1] کب برابر ہو سکے اندھا اور دیکھتا [2] اور برابر نہیں اندھا اور دیکھتا اور نہ اندھیرا اور اجالا اور نہ سایہ اور برابر نہیں جیتے اور نہ مرے - [3] کوئی برابر ہوتے ہیں سمجھ والے اور بے سمجھ -

اسی فرق کو ظاہر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مَثَلُ الفَرِيقَيْنِ كَالأَعْمَى وَالأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا أَفَلَا تَذَكَّرُونَ[1]

دونوں جماعتوں یعنی انبیا اور فلاسفر کی مثال ایسی ہے کہ ایک طرف اندھے اور بہرے ہیں اور دوسری طرف کان اور آنکھوں والے ہیں کیا یہ دونوں جماعتیں برابر ہو سکتی ہیں پھر تم کو کیا ہو گیا کہ صحیح بات پر غور نہیں کرتے۔

میرے محترم دوستو! یہ ان لوگوں کا نقشہ ہے جن کی تحقیق کو تم نصِ قرآنی سمجھے بیٹھے ہو۔ خواہ وہ آپ کے ہومر ہوں یا سقراط افلاطون ہوں، یا ہنٹلر۔ ڈے کارٹ۔ کانٹ ہیوم اور گائٹے ہوں یہ آپ کے نزدیک کتنے معتبر اور لائق اعتماد ہوں۔ لیکن ان کے پاس سوائے چند ظنیات اور تجربات کے کیا رکھا ہے اب ذرا انبیاء علیہم السلام کے اذعان و یقین کو بھی ملاحظہ کیجئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ثبات و استقلال

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تو مشہور ہی ہے، اُن کا وہ اعلان جو انہوں نے قوم کے سامنے نہایت دلیری کے ساتھ کیا تھا اُس کے ایک ایک لفظ سے اذعان و یقین ٹپک رہا ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ۔ میں تو تمام جھگڑوں سے علیحدہ ہو کر اس کا ہو گیا جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے۔ میں تم کو صاف طور پر یہ سُنا دینا چاہتا ہوں کہ میں مشرک نہیں ہوں"۔ اس اعلان کا جو نتیجہ ہوا وہ ظاہر ہے۔ قوم کی جانب سے

---

[1] مثال دونوں فرقوں کی جیسے ایک اندھا اور بہرا اور ایک دیکھتا اور سنتا کیا برابر ہے دونوں کا حال پھر کیا تم دھیان نہیں کرتے۔

جو سلوک ہوا وہ تو سب کو معلوم ہے۔ باپ نے جو برتاؤ کیا وہ بھی میں عرض کروں گا۔ پہلے یہ سن لو کہ بابل کی حکومت نے کیا کیا۔

سب سے کٹھن منزل سب سے مشکل اور کٹھن معاملہ تو حکومت کا ہے کہ جہاں بڑے بڑے سورماؤں کے پاؤں رپٹ جاتے ہیں۔ حق گوئی اتنی مشکل نہیں جتنی حق بات کہکر اس پر قائم رہنا مشکل ہے یہ تو وہ مرتبہ ہے جس کو مہمات امور اور عزائم امور سے شمار کیا گیا ہے حضرت لقمان نے اپنے بیٹے کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا تھا وَاصْبِرْ عَلٰی مَا اَصَابَکَ اِنَّ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ صاحبزادے اس تبلیغی راہ میں جو مشکلات پیش آئیں اُن کو برداشت کرنا ان تمام مصائب پر صبر کرنا یہی عزائم امور میں سے ہے یعنی پختہ کار لوگوں کا یہی طریقہ ہے۔ سورۂ شوریٰ میں فرماتے ہیں ولمن صبر و غفر ان ذالک لمن عزم الامور[1] جو شخص مظالم پر صبر کرے اور ظالم کو معاف کر دے تو یہ کام بڑی ہمت اور حوصلے کے کاموں سے ہے۔ اسی مرتبہ علیا کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ کے ساتھ توجہ دلائی گئی ہے فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل ولا تستعجل لھم[2] جس طرح آپ سے پہلے باہمت اور پختہ کار رسولوں نے صبر سے کام لیا ہے اسی طرح آپ بھی صبر سے کام لیجئے اور کفار کے لئے عذاب میں جلدی نہ کیجئے۔

---

[1] اور البتہ جس نے سہا اور معاف کیا بیشک یہ کام ہمت کے ہیں۔

[2] سو تو ٹھہرا رہ جیسے ٹھہرے رہے ہمت والے رسول اور شتابی نہ کر اُن کے واسطے۔

ع "صد شکر کہ ہستیم میانِ دو کریم"

خدا کی شان امت محمدیہ بھی کیا خوش نصیب امت ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ بھی مہربان ہے اور اللہ تعالیٰ کا پیغمبر بھی مہربان، اگر کسی وقت حضرت حق جل و علیٰ کی نظر انتقام متوجہ ہوتی ہے تو رحمۃ للعالمین سفارش کے لئے آمادہ ہوجاتے ہیں اور اگر کسی وقت رحمۃ للعالمین ناراض ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اس امت کی حمایت فرماتے ہیں۔ اہل طائف کے ناقابل برداشت مظالم سے جب آپ تنگ آکر لوٹتے تو راہ میں ہوا اور پہاڑوں کے محافظ فرشتے حاضر ہوئے اور اپنی اپنی خدمات پیش کیں۔ غزوۂ احد میں جب دندان مبارک شہید ہوئے اور حضرت حق کی نظر انتقام متوجہ ہوئی تو سرکار نے یہ کہکر سفارش کی اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون یا اللہ میری قوم کو ہدایت کیجئے یہ مجھکو جانتے نہیں۔ بجائے اس کے کہ آپ اُن پر عذاب نازل کریں اُن کو یہ توفیق دیجئے کہ یہ رسول کو سمجھ لیں۔ اسی طرح طائف میں آنے والے فرشتوں کو یہ جواب دیا کہ میں اپنی قوم کو ہلاک کرنا نہیں چاہتا اگر اسلام نہیں لائے تو شاید ان کی اولاد اسلام قبول کرلے۔

شہدائے بیر معونہ

لیکن جو پیغمبر احد اور طائف کے گناہگاروں کو معاف کردیتا ہے وہی معصوم پیغمبر بیر معونہ کے کفار اور ظالموں کی سفاکی سے متاثر ہوجاتا ہے۔ بیر معونہ پر جو کچھ ہوا وہ دردانگیز واقعات ہیں۔ چند منافق اور دھوکے باز حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور یہ توقع دلاتے ہیں کہ اگر آپ چند مبلغ اور حافظ قرآن ہم کو

دیدیں تو ہم ہزاروں آدمیوں کو مسلمان بنالیں۔ خدا کا مبلغِ اعظم ان دھوکہ باز منافقوں کی باتوں میں آکر اپنے اصحاب کی بہترین جماعت کو اُن کے ہمراہ کر دیتا ہے یہ مبلغین کو اپنے ساتھ لے جاتے ہیں اور بیر معونہ پر پہنچ کر ان تمام حفاظ اور قراء کو قتل کر دیا جاتا ہے اور دھوکے سے تمام مسلمان شہید کر دیئے جاتے ہیں جب حضور کو یہ خبر پہنچتی ہے تو سخت غمگین ہو کر نماز میں قنوت نازلہ پڑھنی شروع کر دیتے ہیں۔ کفار کے قبائل پر بد دعا شروع کی جاتی ہے۔ رحمۃ للعالمین کے اس غضب اور غصہ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے رب العالمین فرماتے ہیں

لیس لک من الامر شئ او یتوب علیہم او یعذبہم فانہم ظلمون[1]۔

آپ کو کوئی حق نہیں کہ آپ ان لوگوں کی ہلاکت، تباہی کے لئے دعا کریں۔ یہ ہمارا کام ہے ہم چاہیں اُن کو توبہ کی توفیق دے کر مسلمان بنا دیں اور چاہیں اُن پر عذاب بھیج کر ان کو ظلم کا بدلہ دیں۔ بہر حال حضرت حق کی اس سفارش پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قنوت نازلہ اور بد دعا کا سلسلہ بند کرنا پڑا۔

حضرت حمزہ کا واقعہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت پر بھی ایک ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ سرکار سخت رنجیدہ تھے۔ اُسی رنج و افسوس کی حالت میں آپ نے آمادگی ظاہر کی اور فرمایا کہ کفار پر ستر بار بد دعا کروں گا اس موقع پر بھی حضرت حق نے سفارش کرتے ہوئے فرمایا۔ و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر للصبرین[2]

---

[1] تیرا اختیار کچھ نہیں یا ان کو توبہ دیوے یا اُن پر عذاب کرے کہ وے ناحق پر ہیں ۱۲

[2] اور اگر بدلہ دو اس قدر جتنی تم کو تکلیف پہنچی اور اگر صبر کرو تو البتہ یہ بہتر ہے صبر والوں کو ۱۲

اگر آپ بدلہ ہی لینا چاہتے ہیں تو اتنا ہی بدلہ لیجئے جتنا آپ کے ساتھ ظلم ہوا ہے اور اگر آپ صبر کر لیں تو اللہ تعالیٰ صابروں اور ضبط کرنے والوں کو بہترین بدلہ دینے والا ہے چنانچہ اس آیت کے بعد آپ نے اپنے ارادہ کو ترک کر دیا اور حضرت حمزہ کی شہادت پر صبر کیا۔ یہ بحث تو بیچ میں آگئی تھی اور آئی بھی کہاں سے تھی۔ اس آیت سے شروع ہوئی تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین فرمائی تھی اور فرمایا تھا عجلت سے کام نہ لیجئے بلکہ تبلیغ کی راہ میں صبر و تحمل سے کام لیجئے

کفار مکہ اور رحمۃ للعالمین

اسی قسم کا ایک اور واقعہ ذہن میں آگیا ذرا میں اپنے پوائنٹ سے دور ہو جاؤں گا لیکن اب جو چیز خود بخود ذہن میں آ جائے اس کے چھوڑنے کو جی نہیں چاہتا۔ ایک قاضی صاحب کا واقعہ ہے جب وہ کھانا کھانے بیٹھے تو اُن کی بیوی نے مرغی کی ہنڈیا سامنے رکھدی قاضی صاحب نے دریافت کیا یہ مرغی کہاں سے آئی بیوی نے جواب دیا کسی محلے والے کی آگئی تھی۔ قاضی صاحب نے کہا یہ تو حرام ہے۔ بیوی نے کہا میں نے تین آوازیں تو دیدی تھیں کہ کسی کی مرغی ہے تو لیجاؤ۔ قاضی صاحب نے فرمایا تین آوازوں سے کیا ہوتا ہے یہ مرغی بہر حال حرام ہے، بیوی نے کہا اب تو معذوری ہے۔ تھوڑی دیر میں قاضی صاحب نے سوچ کر فرمایا۔ اچھا گھی اور مسالہ کس کا ہے بیوی نے کہا وہ تو اپنے گھر کا ہے۔ قاضی صاحب نے فرمایا اچھا تو شوربا دیدو، بیوی پیالے میں شوربا نکال رہی تھی کہ ہنڈیا میں سے ایک بوٹی بھی آپڑی۔ بیوی نے چاہا

بوٹی اٹھا کر ہنڈیا میں ڈال دیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا جو خود آئے اسے آنے دو بیوی نے کہا یوں تو مرغی بھی خود ہی آئی تھی میں تھوڑی بلانے گئی تھی۔ قاضی صاحب نے کہا اگر یہ بات ہے تو پھر ہنڈیا کو پیالہ ہی میں لوٹ دو۔

بھائی اگر کوئی چیز خود بخود ذہن میں آجائے تو اسے سن لیجئے شاید اللہ تعالیٰ اسی سے نفع پہنچائے کیونکہ ذہن میں ڈالنے والے بھی تو وہی ہیں۔

کفار مکہ کا مطالبہ کفار نے حرم میں جمع ہو کر خدا تعالیٰ سے ان الفاظ میں دعا کی اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم[1]

یا اللہ اگر یہ قرآن جو محمد بن عبد اللہ لائے ہیں تیرا نازل کیا ہوا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب نازل کردے کفار نے یہ دعا ان الفاظ میں کی کہ جن سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی پریشان ہوئے اور وہ حضرات جو قرآن کو حق سمجھتے تھے ان کو عذاب نازل ہونے کا یقین ہو گیا کیونکہ عذاب کو کفار نے قرآن کی صداقت کے ساتھ مشروط کیا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر قرآن حق نہیں ہے تو عذاب نازل نہ ہو اور اگر قرآن سچی کتاب ہے تو عذاب نازل ہو جائے۔ ان ظالموں نے قرآن کی صداقت و عدم صداقت کو نزول عذاب کے ساتھ دائر کر دیا تھا۔

کفار کی دعا کا جواب ایک طرف کفار کا یہ خطرناک مطالبہ ہے کہ اگر عذاب نازل نہیں ہوتا تو قرآن کی صداقت

---

[1] کہ یا اللہ اگر یہی دین حق ہے تیرے پاس سے تو ہم پر برسا آسمان سے پتھر اور ہم پر دکھ کی مار۔

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت پر حرف آتا ہے اور اگر عذاب نازل ہوتا ہے تو اگرچہ قرآن کی حقانیت ثابت ہو جاتی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عام رحمت و شفقت کی شہرت کو نقصان پہنچتا ہے۔ حضرت حق جل مجدہ نے رحمۃ للعالمین کی عام شہرت کا تحفظ فرمایا اور کفار کے مطالبہ کا جواب ان الفاظ میں دیا۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ[1] اللہ تعالیٰ ایسی حالت میں کہ آپ مکہ معظمہ میں موجود ہیں اُن پر عذاب کس طرح نازل کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ اس امر سے بخوبی واقف تھا کہ جو لوگ عذاب طلب کر رہے ہیں اُن پر عذاب نازل بھی ہو جائے تب بھی یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اسی لئے بار بار قرآن میں اس طرف اشارہ کیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی۔ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَا اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا[2]۔ اور اگر ہم ان کی خواہش کے موافق ان پر فرشتے نازل کر دیں اور مرے ہوئے لوگ زندہ ہو کر ان سے باتیں کرنے لگیں اور جن جن باتوں کا مطالبہ کرتے ہیں ان کے سامنے جمع کر دی جائیں تب بھی یہ ایمان نہ لائیں گے۔ اسی طرح سورۂ حجر میں فرمایا۔ وَلَوْ فَتَحْنَا[3] عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ۔ اگر آسمانوں کے دروازے اُن کے لئے کھول دیئے

---

[1] اور اللہ ہرگز عذاب نہ کرتا انکو جب تک تو تھا ان میں [2] اور اگر ہم اتار دیں اُن پر فرشتے اور ان سے بولیں مُردے اور جلا دیں ہم ہر چیز کو ان کے سامنے ہرگز ماننے والے نہیں [3] اور اگر ہم کھول دیں ان پر دروازے آسمان سے اور سارے دن اُس میں چڑھتے رہیں تو بھی کہیں ہماری نگاہ ہی بند ھ گئی ہے نہیں ہم لوگوں پر جادو ہوا ہے۔

جائیں اور یہ آسمانوں پر چڑھ جائیں تب بھی اسلام قبول نہیں کریں گے بلکہ یہ کہیں گے ہم پر جادو کر دیا ہے اور ہماری دید بندی کر دی گئی ہے۔

گمراہی کا محاصرہ صاحبو! یہ گمراہی اور ضلالت بھی ایسی بری بلا ہے کہ جب کسی بد قسمت انسان کو گھیر لیتی ہے اور اس کا محاصرہ کر لیتی ہے تو پھر اس سے نجات آسان کام نہیں ہے انسان بعض دفعہ حق کو اس طرح دیکھتا ہے جس طرح کوئی آفتاب کو دیکھتا ہے لیکن باوجود حق کو سمجھنے اور دیکھنے کے پھر بھی وہ اعراض کرتا ہے اور انکار پر اڑا رہتا ہے کفار مکہ تو خیر جاہل تھے۔ ان پڑھ ضدی تھے ان میں عصبیت اور حمیت جاہلیت بہت زیادہ تھی لیکن آج آپ کی پڑھی لکھی دنیا اسلام کے ساتھ کیا سلوک کر رہی ہے۔ کیا عیسائی دنیا اسلام کے خلاف جو کچھ کر رہی ہے وہ جان بوجھ کر نہیں کر رہی ہے کیا کارلائل نے جس کے آپ بڑے معتقد ہیں قرآن کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ واقعی صحیح سمجھ کر کہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور ان کی لائی ہوئی کتاب کی توہین یہ دو ایسی متضاد باتیں ہیں جو کارلائل جیسے سمجھ دار آدمی ہی کے قلم سے نکل سکتی ہیں اور تو دنیا کا کوئی پڑھا لکھا انسان ایسی حماقت نہیں کر سکتا ہندوستان کے ہندو اسلام کے خلاف جو زہر اگلتے رہتے ہیں کیا وہ واقعی جہالت سے ایسا کرتے ہیں؟ کیا وہ اسلام کو نہیں جانتے کیا ان کا یہ پروپیگنڈا حقیقتاً صداقت و راست بازی پر مبنی ہے کیا وہ مسلمانوں کے عقائد اور ان کے اعمال سے واقفیت نہیں رکھتے کیا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس سے ناآشنا ہیں۔

پست اقوام کے لیڈر کا ایک واقعہ

گذشتہ رمضان کا ذکر ہے ایک صاحب بڑے سوٹڈ بوٹڈ میرے مکان پر تشریف لائے میں نے دریافت کیا جناب کون ہیں فرمانے لگے جناب میں پست اقوام کا نمائندہ ہوں۔ میں نے عرض کیا میرے پاس کیوں تشریف لائے ہیں میں تو آپ کی برادری کا نہیں ہوں اور میں جس برادری سے تعلق رکھتا ہوں اس میں نہ کوئی پست ہے نہ کوئی ذلیل ہے۔ کہنے لگے جناب ہم دہلی میں اپنی ایک کانفرنس کرنا چاہتے ہیں۔ ہندو تو ہماری مدد نہیں کرتے آپ ہماری امداد کیجیے، میں نے کہا بھائی صاحب آجکل کی دنیا کاروباری دنیا ہے۔ مجھے کیا فائدہ ہوگا۔ یہ سنکر اس نمائندہ نے کہا ہم اپنی کانفرنس میں تمام مذاہب کے لوگوں کو دعوت دیں گے تاکہ وہ اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں ہماری سمجھ میں جو مذہب آجائے گا اُسے ہم قبول کرلیں گے اور شاید ہم اسلام ہی قبول کرلیں۔ میں نے اُن کی یہ باتیں سنکر اُن سے عرض کیا جناب کی ذات کیا ہے۔ فرمایا میں چماروں کا نمائندہ ہوں اور بی، اے پاس ہوں۔ ہم چمار کانفرنس کر رہے ہیں۔ اور ہم مذہب پر وچار کرنا چاہتے ہیں۔ آپ ہماری مدد کیجئے اور ہم کو مسلمانوں سے چندہ کرا دیجئے میں نے ان کی تمام گفتگو سننے کے بعد اُن سے کہا جناب آپ مسلمانوں کو ہزار برس سے دیکھ رہے ہیں۔ آپ کی عورتیں ہمارے گھروں میں آتی ہیں گھر کے تمام کام کرتی ہیں محنت مزدوری کرتی ہیں۔ لیکن آپ ابھی تک اسلام سے واقف نہیں ہیں، آپ بچے ہیں جو آپ کو اسلام سمجھایا جائے

ہماری عبادات سے آپ واقف، ہمارے عقائد سے آپ واقف۔ پچاس دفعہ صبح سے شام تک کہتے ہو مسلمانوں کا مذہب سچا ہے۔ اور پھر ابھی تک تم اسلام سے ناآشنا ہو، تمہارا مقصد اسلام لانا نہیں ہے۔ بلکہ تم ہندوؤں کو دھمکی دیکر حقوق حاصل کرنا چاہتے ہو۔ ہمیں اس کی ضرورت نہیں۔ تم جاؤ اور ہندو جانیں ہمارے پاس نہ اتنا روپیہ ہے نہ اتنا وقت ہے کہ ہم تمہارے حقوق کے لئے ہندوؤں سے لڑیں تم ہمارے کندھے پر بندوق رکھ کر چھوڑنا چاہتے ہو۔ ہندوؤں سے کہو گے ہم مسلمان ہوتے ہیں ورنہ ہم کو حقوق دلواؤ۔ ان سے حقوق حاصل کرنا تمہارا اصلی مقصد ہے۔ اس سے زیادہ نہ تمہاری غرض ہے اور نہ تمہاری خواہش ہے۔ رہا تمہارا مسلمان ہونا تو تم کو ہزار بار خواہش ہو اور تم یہ سمجھو کہ دنیا میں اگر کوئی مذہب واقعی مذہب ہے تو وہ اسلام ہے تب مسلمان ہو جاؤ ورنہ چولہے میں جاؤ ہمارے پاس کھرا سونا ہے ہمکو خوشامد کی ضرورت نہیں ہے اگر کوئی مرنے کے بعد نجات چاہتا ہے تو اس کے لئے اسلام کے دامن پھیلے ہوئے ہیں۔ ورنہ اسے چاہیئے کہ وہ اپنی راہ لے اگر تم سمجھتے ہو کہ مسلمان ہوتے کے بعد تم کو وہ حقوق حاصل ہو جاتے جو تم کو تمہاری قوم ہزار برس بھی نہیں دے گی تو آؤ اسلامی برادری کا دروازہ کھلا ہوا ہے ورنہ مابخیر وشما بسلامت ہمیں تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم کو اپنی بھلائی اور خیریت وانسانیت کی ضرورت ہے تو آجاؤ ورنہ جاؤ۔

چماروں کا نمایندہ میں عرض کر رہا تھا کہ وہ صاحب جو بہت سوٹڈ بوٹڈ تھے اور اپنے کو چماروں کا نمایندہ بتاتے

تھے میری خشک باتوں سے بہت مایوس ہوئے۔ لیکن میں نے ان سے صاف طور پر کہہ دیا کہ تم جانتے ہو اسلام ایک سچا مذہب ہے اور اس کے اصول انسانی ارتقا کے لئے مفید ہیں لیکن باوجود جاننے کے تم اسلام قبول نہیں کرتے۔ تمہارے سامنے مذہب کا سوال نہیں ہے۔ بلکہ تمہارے سامنے قومیت کا تحفظ ہے۔ ہندو کو ہمیشہ یہ فکر ہے کہ کہیں ہندو قوم مسلمانوں میں جذب نہ ہو جائے عیسائیوں کو بھی یہی خطرہ ہے کہ کہیں مسلمان عیسائیوں کو نہ کھا جائیں جب اس روشنی کے زمانہ میں لوگوں کی تنگ ظرفی اور حمیت وجاہلیت کی یہ حالت ہے۔ جو قوم پرستی کے پیچھے ایسے دیوانے ہیں کہ اسلام جیسے مقدس مذہب کو حق جانتے ہوئے بھی نہیں قبول کرتے۔ تو بھلا کفار مکہ کی عصبیت کا کیا ٹھکانا ہوگا۔ وہ نمائندے صاحب یہ کہکر تشریف لے گئے کہ اچھا صاحب پھر کسی وقت حاضر ہوں گا۔ بہرحال میری گذارش کا مطلب یہ ہے کہ وہ کونسا غیر مسلم ہے جو ہم سے واقف نہیں ہے۔ یا ہماری تہذیب سے ناآشنا ہے۔ ہاں اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا

ہاں ہم اپنے سے خود واقف نہیں ہیں

کہ ہم سے تو تمام دنیا واقف ہے لیکن ہم خود نہیں جانتے کہ ہم کون ہیں۔ اگر غیروں کی طرح ہم خود اپنے سے واقف ہوتے تو شاید آج ہماری یہ حالت نہ ہوتی تم انبیاء علیہم السلام کے نام لیوا ہوکر ہر ملحد و بد دین کے پیچھے ہو لیتے ہو۔ تم کو خبر نہیں کہ تمہارا جس جماعت کے ساتھ تعلق ہے وہ جماعت کسی کے پیچھے چلنے نہیں آئی تھی بلکہ دوسروں کو اپنی اتباع واقتدار کا سبق دینے آئی تھی آپ تمام پیغمبروں

کی زندگی پڑھ جائیے ہر نبی یہی کہتا ہے انی لکم رسول امین فاتقوا اللہ و اطیعون۔ میں خدا کا رسول ہوں۔ اس کی وحی کا امین ہوں تمہارے پاس اس لئے آیا ہوں کہ تم اللہ سے ڈرو اور میری پیروی کرو۔ آج تمہاری حالت یہ ہے کہ تم مقتدا بن کر مقتدی اور متبوع بن کر تابع بن گئے۔

خدائی تہذیب کے نمونے آج اگر دنیا میں یہ سوال پیدا ہو کہ خدا اپنے بندوں کو جس تہذیب اور جس پروگرام پر عمل کرتے ہوئے دیکھنا چاہتا ہے وہ کونسی تہذیب ہے اور وہ کونسا انسان ہے جو خدا کے پروگرام پر عمل کرتا ہے تو تم ہی بتاؤ کہ سوامی دیانند یا پنڈت مالویہ کو دکھایا جائے گا یا کنٹربری کے بشپ اور لائڈ جارج کو دکھایا جائے یا ڈاکٹر مونجے کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔ ظاہر ہے کہ صرف ان لوگوں کو بتایا جائے گا جو انبیاء علیہ السلام کے پیرو اور ان کے نام لیوا ہیں۔ پھر اگر انبیاء علیہ السلام کے نام لیواؤں کی یہ حالت ہو جائے کہ وہ پیغمبروں کو چھوڑ کر دنیا کے ہر ملحد اور بیدین کو اپنا سردار و پیشوا بنا بیٹھے ہوں اور دوسروں کی دیکھا دیکھی اپنی تہذیب چھوڑ کر دوسروں کی تہذیب اختیار کر چکے ہوں تو پھر کسے دکھایا جائے۔

کیوں صاحب یہ تو بتائیے کہ آپ ہندوستان میں تقریباً بارہ سو برس سے رہتے ہیں۔ کیا آپ کو دیکھ کر ہندوؤں نے ڈاڑھی رکھنی شروع کر دی؟ کیا ہندو عورتوں نے مسلمان عورتوں کی دیکھا دیکھی پاجامہ پہننا شروع کر دیا۔ ہندو تو اتنے قدامت پرست ہیں کہ انہوں نے آج تک اپنے تمدن کو اپنے ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔ گاندھی جی اتنے بڑے لیڈر ہیں اور انگریزی دور کے

لیڈر رہیں لیکن ان کی وضع قطع بالکل پرانے ہندوؤں سے ملتی جلتی ہے اس زمانے میں بھی ہندوؤں کی یہ حالت ہے کہ ہندی زبان کی حمایت و ترویج میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں تقریباً دو سو سال سے یہاں انگریز بھی تشریف رکھتے ہیں، کیا انگریزوں نے جناب کی ٹوپی اور انگرکھا استعمال کیا، دہلی کی سلیم شاہی جوتی آپ نے کسی انگریز کو پہنے ہوئے دیکھا؟ انگریزوں کی عورتیں بھی آپ کے ہاں آتی جاتی ہیں۔ آپ نے کسی میم صاحبہ کو چوڑی دار پاجامہ یا انگیہ کرتی پہنے ہوئے دیکھا یا کسی یورپین عورت کو برقع استعمال کرتے ہوئے دیکھا اکثر عیسائی عورتیں مسلمانوں کی بچیوں کو پڑھانے آتی ہیں۔ وہ ایک عورت ہوتی ہے جو انگلستان یا امریکہ سے یہاں آتی ہے۔ تمہارے گھر کی بہت سی ہندوستانی عورتیں ایک عورت پر اپنا اثر نہیں ڈال سکتیں اور اس کے یورپین لباس کو تبدیل نہیں کرا سکتیں انگریز تمہاری تہذیب کو اختیار نہ کریں۔ ہندو تمہارے تمدن کو نظر بھر کر نہ دیکھیں۔ اور تمہاری یہ حالت ہے کہ دنیا بھر کی تہذیب اختیار کر لو۔ گویا تمہاری نہ کوئی تہذیب ہے اور نہ تمہارا کوئی تمدن ہے ہندوؤں کے میلے تماشے دیکھے۔ تم بھی میلے منانے لگے۔ ان کو ہولی میں شراب پی کر ناچتے کودتے دیکھا۔ تم بھی پنکھا چڑھانے لگے۔ ان کو بسنت پنچمی مناتے دیکھا تم بھی بسنتیں منانے لگے۔ انگریزوں کی دیکھا دیکھی ڈاڑھی منڈانے لگے کرزن کو دیکھا تو مونچھیں منڈا بیٹھے، دو پلڑی ٹوپی اور عمامے کو چھوڑ کر ہیٹ کو زیب سر کیا، یورپین عورتوں نے بال کٹائے تو تم نے بھی اپنی بیوی اور والدہ محترمہ کے بال کتروا دیئے۔ یوروپین عورتوں کو ہال میں ناچتا دیکھا تو

تم بھی اپنی بیوی بہن کو بچانے لے گئے۔ اُن کو بے پردہ دیکھکر تم نے بھی
اپنے حرم کا پردہ چاک کر دیا اور یہاں ناگپور میں تو سنا ہے کہ بعض
گھرانوں میں نا اتفاقی کے اسباب یہی ہیں کہ خاوند بے نقاب کرنا چاہتے
ہیں اور بیویاں انکار کرتی ہیں۔ گویا میاں بیوی کی ان بن صرف اتنی سی بات
پر ہے کہ پردہ اُڑا دیا جائے یا قایم رکھا جائے۔

عورتوں کو عریانی کا شوق یورپین عورتوں کا شوق عریانی تو اس قدر حد سے تجاوز کر گیا ہے کہ قانون
ہی سے مجبور ہیں ورنہ بالکل ہی برہنہ ہو کر بازاروں میں پھریں۔ اب بھی یہ
حالت ہے کہ موزے پہنتی ہیں تو اُن کا رنگ جسم کے رنگ سے اس قدر ہمرنگ
ہوتا ہے کہ برہنہ ہی معلوم ہوتی ہیں دور سے دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ننگی
ہیں۔ لیکن قریب جا کر دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ موزے پہنے ہوئے ہیں۔
یورپین عورتیں تو روز زینت نئی چیز پیدا کرتی ہیں۔ اور آپ کی یہ حالت ہے
کہ جو وہ کرتی ہیں آپ چاہتے ہیں کہ وہی آپ کی والدہ محترمہ اور زوجہ
مکرمہ بھی کریں۔ اگر یہی لیل و نہار ہے تو دیکھنا چاہیئے کہ آپ کا انجام کیا
ہوتا ہے۔

کاسیات عاریات قربان جائیے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کیا خوب فرمایا تھا کاسیاتٌ عاریاتٌ
ممیلاتٌ مائلاتٌ بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو بظاہر تو کپڑا پہنے ہوئے ہوتی
ہیں۔ لیکن حقیقت میں وہ ننگی ہوتی ہیں دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے

اور دوسروں کی طرف مائل ہونے میں بڑی مشتاق ہوتی ہیں۔ سزا کے طور پر فرمایا ایسی عورتیں جنت ہی سے محروم نہیں۔ بلکہ جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہیں۔ ایک عورت کا ایک ہی وقت میں ملبوس ہونا اور برہنہ ہونا یہ ایسی دو متضاد باتیں ہیں کہ جن کا جمع ہونا بظاہر صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ جب تک باریک کپڑوں کا رواج نہ ہوا تھا تو خیال ہوتا تھا کہ شاید رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا یہ مطلب ہوگا کہ عورتیں کپڑا تو پہنے ہوئے ہوں گی لیکن تقویٰ اور پرہیزگاری کے لباس سے ننگی ہوں گی۔ پھر ڈوریا بابل لیٹ[1] نکلی تو خیال ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس باریک لباس کی طرف اشارہ فرمایا ہوگا کہ کپڑا پہن کر بھی گویا ننگی ہیں۔ جب کپڑا بدن کو نہ ڈھانکے تو اس کا عدم وجود برابر ہے۔ لیکن آج کل کی عورتوں نے لباس کا جو طریق اختیار کیا ہے اُس نے تو تیرہ سو سال پہلے کے الفاظ کی ایسی صحیح تشریح کی ہے کہ اب کسی تاویل کی حاجت ہی نہیں۔ باوجود لباس کے پھر برہنہ ہیں؛ اگر موزے اُتار دیں تب بھی وہی حالت ہے کیونکہ اُن کے موزے ہی جسم کے ہمرنگ ہیں جن کا پہننا اور نہ پہننا دونوں برابر ہیں' اس حدیث کے اور ایک معنی بھی ہیں جو حدیث ہی سے ثابت ہیں یعنی بہت سی دنیا میں کپڑا پہننے والیاں قیامت میں برہنہ ہوں گی۔ اس وعید میں وہ عورتیں بھی داخل ہیں جو کپڑا اتنا چست پہنتی ہیں جس سے ان کی پنڈلی کی ساخت صاف طور پر معلوم ہوتی ہے۔

[1] ایک باریک قسم کے کپڑے کا نام۔

پردے کی شرعی حیثیت

برادران ملت! اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ شریعت اسلامی میں عورت کے لئے پردے کا حکم موجود ہے اور اگر پردے کا حکم موجود نہ ہوتا تو میں سمجھتا کہ یہ شریعت کا ایک نقص اور عیب ہوتا۔ انبیاء علیہم السلام کی تہذیب میں ہمیشہ سے پردہ داخل ہے۔ یہ بے پردگی ان ہی قوموں کا دستور العمل ہے جو نبوت کی روشنی سے محروم ہیں۔ گذشتہ نبیوں کی تہذیب میں بھی پردے کا پتہ ملتا ہے لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت میں تو اتنی تصریحات ہیں کہ کوئی پڑھا لکھا انسان اُن سے انکار نہیں کر سکتا۔ بحث صرف اس میں ہے کہ پردے کی حدود کیا ہیں اور چونکہ پردے کی حدود متعین کرنے میں ہر زمانہ کی حالت اور ماحول کو دخل رہا ہے بلکہ اوقات کی بھی رعایت کی گئی ہے یہی وجہ ہے کہ پردے کے سلسلہ میں جوان اور بوڑھی عورتیں بھی زیر بحث آئی ہیں جتنی پابندی جوان عورتوں کیلئے کی گئی ہے۔ اتنی عجائز اور بوڑھی عورتوں کے لئے نہیں کی گئی۔ اسی طرح رات اور دن کے احکام میں بھی فرق ہے اور زمانہ کی آب وہوا اور لوگوں کے فسق وفجور کو بھی اس معاملہ میں دخل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پردہ کی ایک خاص حد مقرر کرنے میں مشکلات درپیش ہیں۔ قرآن شریف میں جس قدر احکام اس سلسلہ میں موجود ہیں وہ اگرچہ نہایت واضح ہیں۔ لیکن اُن کی تشریح و توضیح اور تفسیر بیان کرنے میں چونکہ زمان ومکان اور عورت کی حالت کو ملحوظ رکھا گیا ہے اس لئے بعض اقوال بظاہر ایک دوسرے سے مختلف ہوگئے ہیں اور آجکل کے غیر محتاط حضرات اُن سے ناجائز فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کیا کرتے ہیں

بعض لوگوں نے یہ خیال کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات اور آپ کی صاحبزادیوں کو پردے کے سلسلے میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ صرف اُن کے لئے مخصوص ہے۔ حالانکہ یہ خیال صحیح نہیں ہے اور نہ آیت میں اس قسم کا کوئی اشارہ ہے جس سے بلا وجہ پردے کے احکام کو صرف ازواج مطہرات کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔ ازواج مطہرات کو خطاب کرنا محض اس غرض سے ہے تاکہ دوسری عورتیں اور زیادہ محتاط رہیں اور یہ سمجھ کر محتاط رہیں کہ جب نبی کی عورتوں کو پردہ کرنے اور گھر میں بیٹھنے کی اس قدر تاکید ہے تو ہم کو تو اور بھی زیادہ پردے میں احتیاط کرنی چاہیئے، یہ مطلب نہیں کہ بس یہ حکم نبی کے گھرانے کے لئے ہے اور ہم بالکل آزاد ہیں اور اگر فرض کیجئے کہ پردہ کا تعلق صرف نبی کے گھرانے سے ہوتا تو سورۂ نور میں عام طور پر مسلم خواتین کو کیوں خطاب کیا جاتا

میرے معزز دوستو! میں نے آپ سے وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ کی تفسیر کی غرض کیا پردہ کی بحث میں عورت کی عمر اور زمان و مکان کی رعایت اور ضرورت و عدم ضرورت کا لحاظ یہ ایسے امور ہیں جن کی ہمیشہ رعایت کی گئی ہے اور یہی وجہ ہے کہ پردے کی کوئی ایسی حد جو ہر زمانے اور ہر حالت میں ہر ایک عورت کے لئے یکساں ہو۔ مقرر نہیں کی جا سکتی مثلاً فرض کیجئے کسی عورت کو حج کی غرض سے مکہ معظمہ میں جانا اور کسی عورت کا گھوڑ دوڑ دیکھنے کی غرض سے کلکتہ جانا۔ یہ دونوں سفر برابر نہیں ہیں۔ اسی طرح ایک عورت نماز کے لئے مسجد میں جائے اور دوسری تفریح کے لئے کسی پارک میں جائے۔ ان دونوں کا حکم برابر نہیں ہے۔ ایک بڑھیا عورت کا باہر نکلنا کسی طرح بھی

جوان عورت کے مساوی نہیں ہے۔ پردے کی بحث میں جہاں ان تمام باتوں کی رعایت ہے وہاں محرم اور غیر محرم کا بھی سوال ہے پھر محرم میں ذی رحم محرم اور خاوند میں فرق ہے اس لئے جس زینت کا ظاہر کرنا عورت کے لئے جائز قرار دیا گیا ہے وہ وہی زینت ہے جس میں خاوند اور ذی رحم محرم شریک ہیں ان ہی لوگوں کے ساتھ قرآن نے عورتوں اور بچوں وغیرہ کو بھی شامل کر دیا ہے عورت کا بناؤ سنگار جس کو زینت سے تعبیر کیا گیا ہے اس زینت کو کسی غیر محرم کے لئے ظاہر کرنا خود قرآن ہی کے الفاظ سے حرام ہے۔ زینت کا لفظ اتنا عام ہے کہ اس میں جس طرح زیور اور عمدہ لباس داخل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح ہاتھ پاؤں کی مہندی اور مسّی اور سرمہ وغیرہ بھی داخل ہو سکتے ہیں۔ اور جب زینت میں یہ چیزیں داخل ہیں تو پھر عورت کے چہرے اور ہتھیلیوں کو کس طرح مباح کہا جا سکتا ہے۔ مگر یہ کہ زینت کی دو قسمیں کی جائیں ایک صنعی اور ایک خلقی خلقی سے ہاتھ پاؤں اور چہرہ مراد لیا جائے اور صنعی سے سرمہ اور مسّی وغیرہ مراد لئے جائیں۔

اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا } جب زینت سے مراد بناؤ سنگار لیا جائے یعنی صنعی زینت تو ظاہر ہے کہ اظہر کے معنی یہ ہوں گے کہ زینت کا وہ حصہ پوشیدہ رکھنا ضروری نہیں ہے جس کے ظاہر کرنے کی مجبوری ہو اور جس کو ظاہر کئے بغیر عورت کوئی کام کاج نہ کر سکے۔ مثلاً پاؤں کی جوتی یا برقعہ اور چادر۔ لیکن بعض روایات اور آثار کی بنا پر مفسرین نے اظہر کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ عورت اپنے چہرہ اور پہنچوں تک اپنے ہاتھوں کو کھول

سکتی ہے۔ بعض حضرات نے چہرے اور ہاتھ کی ہتھیلیوں کے ساتھ عورت
کے پاؤں یعنی قدم کو بھی ستر سے مستثنیٰ کیا ہے اور یہ تفسیر اسی بنا پر ہو سکتی ہے
جب زینت سے مراد خلقی زینت مراد لی جائے جن لوگوں نے عورت کے
چہرے اور ہاتھ کی ہتھیلیوں اور قدم کو اظہر میں داخل کرتے ہوئے ستر سے
مستثنیٰ کیا ہے انہوں نے بھی یہ نہیں کہا کہ عورت جسم کے اُن حصوں کو ہر جگہ
دکھاتی پھرے یا ان کا حکم محرم اور غیر محرم دونوں کے لئے یکساں ہے اور عورت
کے ان اعضاء پر غیر محرموں کو نظر کرنا جائز ہے ہر چند کہ ضرورت کے لئے عورتوں
کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ زینت کے اُن حصوں کو ظاہر کر سکتی ہیں۔ لیکن یہ کیا
ضروری ہے کہ اسی کے ساتھ ساتھ مردوں کو بھی یہ حکم دیا جائے کہ تم عورت
کے چہرے اور اس کے ہاتھوں کو خوب گھورا کرو۔ ایک چیز کو ستر سے مستثنیٰ کر دینے
کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ ہمیں اس کا دیکھنا بھی جائز ہے۔ عورتوں کو بوقت ضرورت
چہرہ کھولنا جائز ہے لیکن ہم کو اس کے چہرہ کا دیکھنا ناجائز ہے۔ مثلاً مرد کا
چہرہ تو ستر میں داخل نہیں، مرد تو اپنا چہرہ ہر وقت کھول سکتا ہے۔ لیکن
عورت کو اجنبی مرد کا چہرہ دیکھنا ناجائز ہے۔ اتنی بات تو آپ بھی سمجھ سکتے ہیں
کہ جب آپ کا چہرہ باوجود ستر نہ ہونے کے غیر محرم عورت نہیں دیکھ سکتی تو اُس
کے چہرہ کو آپ کس طرح دیکھ سکتے ہیں جو محض مجبوری کی وجہ سے کھولا جاتا ہے
قرآن نے اسی زینت کی بحث سے پہلے نگاہ کو پست رکھنے کا حکم دیدیا ہے
تاکہ الا ما ظہر سے مرد یہ استدلال نہ کر لیں۔ کہ جس کا ظاہر کرنا جائز ہے اس
کا دیکھنا بھی جائز ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ قل للمومنین یغضوا

من ابصارھم ویحفظوا فروجھم وقل للمؤمنٰت یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن ۔ مردوں کو یہ حکم دیدو کہ وہ اپنی آنکھ نیچی رکھیں اور اپنی نگاہوں کو پست رکھیں تاکہ اس دروازے کے بند ہو جانے اور اور اس پھاٹک پر قفل پڑ جانے سے جرائم کا سد باب ہو سکے ۔ اسی طرح عورتوں کو یہ حکم دیدو کہ اپنی آنکھوں کو نیچا رکھیں تا کہ کسی بڑے گناہ میں مبتلا نہ ہو سکیں ۔

اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ما ظہر کی تفسیر چہرے اور ہاتھ کی ہتھیلیوں کے ساتھ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حال کی تفسیر محل سے کی گئی ہے ، کیونکہ یہ اعضاء محل زینت ہیں خود زینت نہیں ہیں جیسا کہ چہرہ کی زینت مستی اور سرمہ ہے ہاتھوں کی زینت مہندی ہے اور پاؤں کی زینت چھلّے وغیرہ ہیں ۔ لیکن زینت اور اسباب زینت کو چھوڑ کر تفسیر میں اُن اعضاء کو مستثنیٰ کیا گیا جو زینت کے محل ہیں ۔ ہاں اگر زینت کو عام لے لیا جائے اور مراد یہ ہو کہ پیدائشی زینت اور خارجی زینت کسی کو ظاہر نہ کریں ۔ مگر ضرورت کے لئے چہرہ یا چہرہ کا کچھ حصہ اور ہاتھ کی ہتھیلیاں اور قدم ظاہر کر سکتی ہیں تو اس تقدیر پر حال کی تفسیر محل سے نہ ہو گی بلکہ مطلب صاف ہو جائے گا اور پیدائشی زینت کا لفظ عورت کے جسم کو اور خارجی زینت کا لفظ بناؤ سنگار کو شامل ہو گا ۔ کما اشار الیہ الاستاذ الفاضل مولینا شبیر احمد العثمانی فی تفسیرہٖ ۔ یہ ممکن

لہ کہہ ایمان والوں کو نیچی رکھیں ٹک اپنی آنکھیں اور تھامتے رہیں اپنے ستر اور کہدے ایمان والیوں کو نیچی رکھیں ٹک اپنی آنکھیں اور تھامتی رہیں اپنے ستر ۔

ہے کہ اسی مفہوم کو ادا کرنے کے لئے حضرت مولینا شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے زینت کے ترجمہ میں بجائے سنگار کے بناؤ کا لفظ استعمال کیا۔ لیکن محاورے کی تبدیلی کے باعث۔ اب سنگار سے یہ مفہوم ادا ہوتا ہے اور نہ بناؤ سے اگرچہ بناؤ اقرب الی المفہوم ہے بعض حضرات نے زینت کے ساتھ مقامات یا مواقع کے لفظ کا اضافہ کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ اردو میں کوئی ایک لفظ ایسا ملنا دشوار ہے جو زینت کے عام مفہوم کو ادا کر سکے۔ البتہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی ذکاوت طبع اور حضرت مدظلہٗ کا فہم رسا ایک لفظ کو تلاش کر لینے میں بڑی حد تک کامیاب ہو گیا۔ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی مدظلہٗ کا خیال ہے کہ اگر زینت کے ترجمہ میں لفظ زیبائش استعمال کیا جائے تو دونوں قسم کی زینتوں صنعتی اور خلقی کو شامل ہو سکتا ہے۔ غالباً ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولینا مدظلہ استثنا کو متصل رکھتے ہوئے وجہ اور کف تفسیر کرنا چاہتے ہیں اور مجاز مرسل اور مجاز حذف سے بھی بچنا چاہتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جن حضرات نے زینت سے صنعی مراد لیا ہے جیسے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے تو انہوں نے اوپر کی چادر اور برقع اور پاؤں کی جوتی کو ظاہر کرنے کی اجازت دی ہے اور جن حضرات نے زینت سے پیدائشی زینت مراد لی ہے انہوں نے جسم کے بعض ضروری حصوں کو ظاہر کرنے کی اجازت دی ہے۔

پردہ مفاسد کیلئے سد باب کی

میرے دوستو! پردہ کے سلسلے میں دو باتیں ضرور یاد رکھئے پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ پردہ کی حدود خواہ کچھ بھی مقرر کریں۔ لیکن مسلمانوں کا پردہ ایسا ہونا

چاہئے جو مسلمان عورتوں کو ممتاز کر دے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاهلیة الاولیٰ یعنی نبی کی عورتیں گھر میں رہیں اور زمانہ جاہلیت کی طرح بے پردہ نہ پھرتی پھریں۔

پردہ عورت کا ایک حق ہے

زمانہ جاہلیت میں آپ کو معلوم ہے کہ عورت کے لئے بنی نوع انسان میں کوئی خاص درجہ نہ تھا۔

بلکہ عورت کے تمام حقوق مردوں نے غصب کر لئے تھے۔ عورت مردوں کی ایک ایسی ملک تھی کہ اُسے جس طرح چاہیں استعمال کریں نہ نکاح کا کوئی خاص قانون تھا اور طلاق و خلع کا تو کوئی ذکر ہی نہیں تھا راہ چلتی عورت پر اگر ایک سرخ کپڑا اڈال دیا تو اس کپڑے کا ڈال دینا ہی اس کا بیوی بن جانے کے لئے کافی تھا۔ عورتوں کا فروخت کرنا تو ایک معمولی بات تھا۔ منکوحہ عورتیں بھی فروخت کی جاتی تھیں اور شاید آپ نے تو سنا ہوگا کہ یورپ میں کل تک عورتیں بھی فروخت ہوتی تھیں اور بعض صاحب تو ایک شراب کے پیالے میں اپنی بیوی کو فروخت کر دیا کرتے تھے عورتوں کا رہن رکھ دینا بھی عام طور سے رائج تھا۔ غرض عورت کی کوئی قدر و قیمت نہ تھی۔ اور جب عورت ایک مملوکہ چیز تھی تو پھر اس کی ملک یا پراپرٹی کا تو سوال ہی نہ کیجئے یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اسلام کی تعلیم

لہ اور قرار پکڑو اپنے گھروں اور دکھاتی نہ پھرو جیسا دکھانا دستور تھا پہلے وقت نادانی کے

دیکر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا۔

عورت کی عزت

اور آپ نے دنیا کو یہ بتایا کہ عورت ایک عزت کی چیز ہے اور میری شریعت میں عورت کو نصف ایمان کا مرتبہ دیا گیا ہے چنانچہ آپ نے فرمایا کہ ایمان کے بعد اگر کوئی نعمت ہے تو وہ نیک بیوی ہے۔ عورت کو مستقل ایک خزانہ کی حیثیت دی گئی ہے اور یہ بتا دیا گیا کہ عورت خدا کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے اس کو تسکین نفس کا لقب دیا گیا۔ اور عورت کا نام مودت و محبت رکھا گیا ہے اس کی کمزوری اور نازک مزاجی کا اظہار کرتے ہوئے رحمت اور نرم برتاؤ کے لئے اپیل کی گئی۔ اس کی غلطیوں سے درگذر کرنے کی سفارش کی گئی اس کے حقوق کی تشریح و توضیح کی گئی۔ ورثہ میں اس کا حق تسلیم کیا گیا۔ مکہ معظمہ میں حج اکبر کے موقع پر خاص طور سے عورتوں کے متعلق تنبیہ فرمائی اور یہ بتایا کہ میں نے نکاح کا طریقہ بتایا ہے جس سے عورت تمہارے لئے حلال ہو جاتی ہے۔ میں ہی تم کو اس کے حقوق کی طرف توجہ دلاتا ہوں اور یہ بتاتا ہوں کہ ان کو اذیت نہ پہنچاؤ اور اُن سے حسن اخلاق کا برتاؤ کرنا اور یہ بھی فرمایا کہ بہترین اخلاق اُس شخص کا ہے جو اپنے گھر والوں سے اچھا برتاؤ کرتا ہے۔

گھر کا کاروبار سرکار اپنے ہاتھ سے انجام دیتے تھے تاکہ امت یہ سمجھ لے کہ گھر کا تمام بوجھ عورت پر نہ ڈال دیا جائے بلکہ مرد کو بھی اس کا ہاتھ بٹانا چاہیئے۔ عورت طبعاً حیادار ہے۔ وہ مردوں سے بچنا چاہتی ہے ان کی حیا کا یہ تقاضا ہے کہ وہ پردے میں رہیں، عورتیں بازاری زندگی سے سخت

پریشان تھیں۔ ان کو بازاروں میں نکل کر مردوں سے باتیں کرنے میں شرم و حیا مانع ہوتی تھی۔ سرکار دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے صاف طور پر اعلان کر دیا کہ عورت پردے کی چیز ہے۔ جب گھر سے نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے قرآن میں فرمایا کہ زمانۂ جاہلیت کی طرح باہر مت نکلا کرو جس طرح اسلام نے عورت کے تمام حقوق عزت و شرافت تسلیم کئے اسی طرح اس کا یہ حق بھی تسلیم کیا کہ وہ پردہ کرے اپنے گھر کی چار دیواری میں رہے بلا ضرورت غیر مردوں سے گفتگو نہ کرے۔ آج جو لوگ پردے کے خلاف کوشش کر رہے ہیں وہ عورت کا ایک حق غصب کرنا چاہتے ہیں ہندوستان میں بعض مسلمان ایسے بھی ہیں جو عورت کو ورثہ نہیں دیتے جس طرح مانعین ورثہ غاصب اور ظالم ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی غاصب و ظالم ہیں جو عورت سے پردہ کا حق چھین کر غصب کرنا چاہتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی کافروں نے ان کا یہ حق غصب کر رکھا تھا۔ اللہ کے پیغمبر نے عورت کو یہ حق دلوایا ہے میں نہیں سمجھ سکتا کہ تم میں سے کون شخص ایسی جرأت کریگا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے حق کو غصب کرے۔ میرا مطلب آپ سمجھ گئے ہونگے۔ میری گذارش کا خلاصہ یہ ہے کہ اسلام سے قبل عورت کو بے پردہ بازاروں میں پھرایا جاتا تھا۔ آپ پردہ کی حد خواہ کچھ ہی مقرر کریں لیکن آپ کا پردہ ایسا ہونا چاہیئے کہ کفر کی بے پردگی کے مقابلہ میں آپ کا پردہ ما بہ الامتیاز ہو اور ایک عورت مسلمہ کو غیر مسلمہ سے جدا کرنے والا ہو۔

دوسری بات ۔ اس سلسلہ میں دوسری بات جو مجھے عرض کرنی ہے وہ بھی

سمجھ لیجئے۔ ایک انسان کا دوسرے انسان کو دیکھنا یہ کوئی معقول بات نہیں ہے جس طرح ایک مرد مرد کو اور ایک عورت عورت کو دیکھ سکتی ہے اسی طرح عقلاً اس میں بھی کوئی خرابی نہیں معلوم ہوتی کہ ایک مرد عورت کو اور ایک عورت مرد کو دیکھے کیونکہ انسان کو انسان کا دیکھنا کوئی بری بات نہیں ہے۔ لیکن اسلام جس کا مبنیٰ عقل صحیح پر رکھا گیا ہے دوسری شق کو یعنی ایک اجنبی مرد کا اجنبی عورت کو دیکھنا یا اجنبی عورت کا اجنبی مرد کو دیکھنا) ناجائز قرار دیتا ہے۔ ممکن ہے کہ آپ حضرات کے دل میں یہ شبہ پیدا ہو کہ آخر اس دیکھنے میں کیا خرابی ہے۔

اسلامی قانون کی حکمت

میرے دوستو! میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ پردہ مفاسد کا سد باب ہے اجنبی مرد و عورت کی دیدہ بازی چونکہ ایک بہت بڑی برائی کی طرف مقتضی ہوتی ہے۔ اس لئے اسلام نے اس بڑی خرابی اور برائی سے محفوظ رکھنے کے لئے یہ حکم دیا ہے کہ مرد اپنی نگاہ کو نیچا رکھیں اس لئے آیت کا دوسرا جملہ ہے **ویحفظوا فروجہم** ایک سطحی عقل کا انسان کہہ سکتا ہے کہ دوسرے جملہ کو پہلے جملے سے کیا مناسبت ہے کہاں غض بصر اور کہاں حفاظت فروج آنکھ کو شرمگاہ سے کیا تعلق ہے جو ایک آیت میں دونوں کو جمع کیا ہے۔ لیکن میری گزارش سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا ہو گا کہ چونکہ دیدہ بازی ایک سبب اور صریح ذریعہ ہے زنا کا۔ اس لئے دونوں باتوں کا ایک ہی آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ یعنی اپنی نگاہ کو نیچی رکھو اور اپنے کو زنا سے بچاؤ۔ گویا آنکھیں زنا

کا دروازہ اور بدکاری کا پھاٹک ہیں۔

زنا کا قانون

میرے معزز دوستو! اس سے پیشتر کہ میں آپ کے پردے کے سلسلہ میں کچھ اور عرض کروں یہ چاہتا ہوں کہ آپ زنا کے قانون کو سمجھ لیں۔ زنا یعنی ایک اجنبی مرد کا اجنبی عورت کو یہ جانتے ہوئے بلا نکاح کے استعمال کرنا کہ یہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہے اس کا نام شریعت میں زنا ہے۔ اس فعل بد کی شریعت اسلامیہ میں دو سزائیں رکھی گئی ہیں ایک سزا تو سنگسار کرنا ہے بشرطیکہ یہ عورت و مرد مسلمان ہوں اور نکاح صحیح کے ساتھ لطف مباشرت حاصل کر چکے ہوں گویا ایک جائز طریقے سے لطف مباشرت حاصل کر لینے کے بعد پھر اس فعل بد کا ارتکاب شریعت کی نگاہ میں موجب قتل ہے۔ دوسری سزا زانی اور زانیہ کے لئے سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی کی سزا ہے جس مرد اور عورت نے جائز طریقہ کے ساتھ کبھی لطف مباشرت حاصل نہ کیا ہو اور ان سے اس جرم کا ارتکاب ہو جائے تو ان کو سو کوڑے لگائے جائیں اور اگر حاکم اسلام مناسب سمجھے تو ایک سال کے لئے ان کو خارج البلد بھی کر دے۔ میں اس وقت عرض کرنا نہیں چاہتا کہ آخر زنا کی سزا اسلام نے اس قدر سخت کیوں مقرر کی ہے۔ اگرچہ میرا خیال ہے کہ دنیا میں آج تک کوئی مہذب قانون ایسا نہ ملیگا جس نے زنا کی سزا سخت سے سخت نہ مقرر کی ہو کوئی سوسائٹی کتنی ہی آزاد خیال کیوں نہ ہو۔ لیکن زنا جیسی فحش چیز دنیا میں ہر مہذب انسان کے لئے ناقابل برداشت ہے۔ کوئی شخص اپنی ماں بہن یا بیٹی یا بیوی کو اس فحش

حالت میں دیکھنا گوارا نہیں کر سکتا۔

پھر جس عورت سے کسی شخص کا ناجائز تعلق ہوگا وہ عورت یقیناً کسی نہ کسی کی بیوی بیٹی یا بہن اور ماں ہوگی جب تم اپنی عورتوں کے لئے اس فعل شنیع کو پسند نہیں کرتے تو دوسروں کی عورتوں سے اس قسم کا تعلق کس طرح پیدا کر سکتے ہو میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ زنا نہ صرف انسانی مساوات کے خلاف ہے بلکہ نسل انسانی کی ترقی کے لئے قاطع ہے چونکہ یہ فعل نسل انسانی کو تباہ کرنے کے مترادف ہے اسی لئے شریعت نے اس جرم کی سزا قتل مقرر کی ہے اور اس فعل کو اتنا خطرناک بتایا ہے کہ اس کے قریب جانے کو بھی یہ کہہ کر منع کیا ہے ولا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ[۱] زنا کے قریب بھی مت جاؤ یہ بہت بڑی بے حیائی اور رسوائی کا کام ہے

قانونی شہادت اگرچہ میں اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ زنا کے لئے شہادت میں سخت قیود عائد کی گئی ہیں اور زنا کا دعویٰ ثابت کرنے کے لئے چار ایسے مرد گواہوں کی ضرورت ہے جنہوں نے معاملہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو اور اگر گواہ جھوٹے ثابت ہوں تو ان کے خلاف مقدمہ چلا کر ان کو جھوٹی گواہی کی سزا دی جا سکتی ہے اس میں شک نہیں کہ اس بارے میں قانون شہادت اس قدر سخت ہے کہ اگر مجرم خود اقرار نہ کرے تو جرم کا ثابت ہونا آسان نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی حکومت کے زمانہ میں اس قسم کے مقدمات بہت کم ملیں گے جس میں زانی کو سنگسار کیا گیا ہو۔ شریعت

---

[۱] اور پاس نہ جاؤ بدکاری کے وہ ہے بے حیائی۔

اسلامیہ نے چونکہ سزا نہایت ہولناک مقرر کی تھی اس لئے شہادت کو اس قدر چست کر دیا تاکہ کوئی بیگناہ قتل نہ کر دیا جائے بہت سے گناہگاروں کا سزا سے بچ جانا اس سے کہیں بہتر ہے کہ ایک بے گناہ سنگسار کر دیا جائے۔

لِعان کا قانون زنا کی شہادت میں جو قیود عائد کی گئی تھیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہونا تھا کہ زنا کے متعلق کوئی جھوٹا تو کیا پیش ہوتا سچا دعویٰ بھی کرنا مشکل ہو گیا۔ قانون شہادت کی ایک سختی کا اثر ایسے مقدمات پر پڑنا یقینی تھا۔ جہاں کوئی شخص اپنی بیوی کو اس امر مکروہ میں مبتلا پائے۔ چنانچہ اس قسم کا ایک مقدمہ دربار رسالت میں پیش ہوا۔ ایک صحابی نے عرض کیا حضور والا اگر ہم کسی غیر عورت کو زنا میں مبتلا دیکھیں اور شہادت مہیا نہ کرسکیں تو صبر کرسکتے ہیں لیکن اگر کوئی بدقسمت انسان اپنی گھر والی کو اس فعل شنیع میں مبتلا پائے تو کیسی مصیبت ہے اگر بیوی یا اس سے ناجائز تعلق رکھنے والے کو قتل کر دے تو آپ قصاص میں قتل کریں گے اگر چار گواہ مہیا کرلئے جائیں تو بھلا اتنی دیر زانی کہاں انتظار کرسکتا ہے اور اگر صبر کرے تو ایک غیور انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ غیر عورت کے معاملہ میں تو صبر کیا جاسکتا ہے لیکن اپنی بیوی کے زنا پر صبر کرنا ممکن ہے۔ یہ ایک ایسی مشکل تھی کہ جس کا حل بہت ضروری تھا۔ چنانچہ اس کے لئے ایک علیحدہ دفعہ یعنی آیت لعان نازل کی گئی اور ارشاد ہوا۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ [له]

له اور جو لوگ عیب لگا دیں اپنی جورؤں کو اور شاہد نہ ہوں انکے پاس سوا انکی جان کے تو ایسے کسی کی گواہی یہ کہ چار گواہی دیں اللہ کے نام کی مقرر یہ شخص سچا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ کی پھٹکار ہو ۔۔۔

یکن لھم شہداء الا انفسھم فشھادۃ احدھم اربع شہادات باللہ انہ لمن الصدقین والخامسۃ ان لعنۃ اللہ علیہ ان کان من الکذبین ویدرؤا عنھا العذاب ان تشھد اربع شہادات باللہ انہ لمن الکذبین والخامسۃ ان غضب اللہ علیھا ان کان من الصدقین۔ مطلب یہ ہے کہ اگر خاوند اپنی بیوی کے خلاف زنا کا دعویٰ کرے اور زنا کی شہادت نہ ہو تو ایسی حالت میں حاکم کے سامنے ہر ایک میاں بیوی کو پانچ پانچ قسمیں کھانی چاہئیں، خاوند یعنی مدعی چار مرتبہ ان الفاظ کے ساتھ قسم کھائے "میں اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ میں اپنے دعوے میں سچا ہوں اور پانچویں قسم ان الفاظ میں کھائے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت نازل ہو۔ خاوند کی قسم کے بعد بیوی اقرار کرے کہ میرا خاوند سچا ہے اور اس طرح بھی پانچ قسمیں اسی طرح کھائے چار مرتبہ کہے میں خدا کی قسم کھاتی ہوں کہ میرا خاوند جھوٹا ہے پانچویں مرتبہ کہے اگر میرا خاوند سچا ہو تو مجھ پر اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو اگر سوءِ اتفاق سے دونوں نے قسمیں کھالیں تو قاضی ان دونوں میں تفریق کر دے گا یہ ہے وہ لعان کا قانون جس کی تفصیل آج بھی قرآن و حدیث میں موجود ہے حضرت حق جل مجدہٗ نے زنا کی شہادت کو ترک نہیں کیا بلکہ اس کو اسی طرح جہت رکھا اور میاں بیوی کے مسئلہ کو حل کر دیا، دیکھا آپ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قانون کا کمال! ایک آپ کے قانون ہیں کہ سینکڑوں آدمی اس کو بناتے وقت غور کرتے

شخص یہ اگر وہ جھوٹا ہو اور عورت سے ملتی ہے ماریں کہ گواہی دے چار گواہی اللہ کے نام کی کہ مقرر وہ شخص جھوٹا ہے اور پانچویں یہ کہ اللہ کا غضب آئے اس عورت پر اگر وہ شخص سچا ہو۔

اور بڑے بڑے قانون داں دماغ صرف کرتے ہیں اور وہ قانون کمیٹی شائع ہوتے نہیں پاتا کہ اس میں ترمیمات شروع ہو جاتی ہیں آج ضابطہ فوجداری کی یہ حالت ہے کہ اس میں اتنی چیپیاں لگی ہوتی ہیں جیسے کسی غریب آدمی کے کپڑوں میں پیوند لگے ہوتے ہیں۔ تعزیرات ہند کو نصف صدی میں ترمیمات کی بھرمار نے اتنا مسخ کر دیا ہے کہ اگر لارڈ میکالے زندہ ہو کر آئے دیکھے تو تعزیرات ہند کو پہچان بھی نہ سکے اگر کوئی وکیل صاحب یا آنریری مجسٹریٹ صاحب تشریف رکھتے ہوں تو میں ان سے دریافت کرتا ہوں کہ کیوں صاحب میں غلط تو نہیں کہہ رہا دونوں قانون آپ کے سامنے ہیں۔ ایک انسانی قانون ہے جس کی کمزوری اور اس کا نقص کسی طرح ختم نہیں ہوتا اور ایک خدائی قانون ہے جس کے کمالات شمار ہونے میں نہیں آتے۔

زنا کے متعلق احتیاطی تدابیر

محترم دوستو! زنا کی سزا اور اس کی سنگینی کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اسلام میں یہ گناہ بہت بڑا گناہ ہے اور اسلام زنا کو نہایت ہی نفرت و حقارت کے ساتھ دیکھتا ہے۔ چونکہ اس گناہ کا اخلاق۔ حیا۔ انسانیت اور نسل انسانی پر بہت بڑا اثر پڑنے والا تھا اس لئے اسلام نے صرف یہی نہیں کیا کہ زنا کو حرام اور ناجائز کہہ کر چھوڑ دیا ہو۔ بلکہ اس کے لئے ہر قسم کی احتیاطی تدابیر بھی بتائی ہیں تاکہ زنا کا حتی الامکان وقوع نہ ہو۔ زنا کے متعلق صرف یہ کہنا ناکافی ہوگا کہ زنا فحش اور بیحیائی کا نام ہے۔ بلکہ زناکاری کی عمومیت فتنہ و فساد اور قتل و قتال کی بھی موجب ہے۔ آج کل فی صدی بچاس ساٹھ فوجداری کیس

اسی زنا اور لواطت کے ہر جون منتا ہیں۔ جب یہ اتنی بڑی چیز ہے تو اسلام نے ایک طرف اس کی حرمت کے احکام جاری کئے۔ پھر اس جرم کی سزا نہایت ہولناک مقرر کی پھر احتیاطی تدابیر کے سلسلے میں مفصل احکام جاری کیے۔ ان ہی احکام میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عورتوں کو پردے کا حق دیا۔ ان کو گھر میں بیٹھنے کی تاکید کی اور بلا کسی محرم کو اپنے ہمراہ لئے ہوئے سفر کو ممنوع قرار دیا۔ حتیٰ کہ سفر حج جیسا مقدس سفر بھی محرم کی شرط کے ساتھ مشروط کیا گیا۔ گویا کہ عورت کے ہمراہ کوئی ذی رحم محرم جانے والا نہ ہو تو عورت پر حج ہی فرض نہیں پھر غیر مرد کو دیکھنا حرام کیا گیا۔ اپنی نگاہ کو نیچا رکھنے کا حکم دیا گیا۔ غیر مردوں سے بلا ضرورت گفتگو کرنے کو منع کیا گیا اور اگر گفتگو کا موقع آجائے تو گفتگو کا طریقہ بتایا گیا کہ گفتگو کا لہجہ نرم نہ ہو تاکہ کسی غیر مرد کے قلب میں گفتگو کا خاص اثر نہ ہو جائے۔ عورت کی اس نماز سے جو وہ گھر کے صحن میں پڑھے اس نماز کو اچھا بتایا گیا جو گھر کے دالان میں پڑھی جائے اور دالان کی نماز سے وہ نماز اچھی بتائی گئی جو کوٹھری میں ادا کی جائے۔ مسجد نبوی کی نماز جس کا ثواب پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے عورت کے لئے اس نماز سے اس نماز کو بہتر بتایا گیا ہے جو وہ اپنے گھر میں ادا کرے۔ اسی طرح مردوں کو غیر عورتوں کے دیکھنے سے منع کیا گیا اور اپنی آنکھوں کو پست رکھنے کا حکم دیا گیا۔ مرد کو اپنی گھر والی کے پاس بیٹھنے اور اپنے بال بچوں سے دل بہلانے کی تاکید کی گئی۔

زنا کے اقسام ان تمام احتیاطی تدابیر کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہا گیا کہ زنا صرف کسی خاص فعل بد کا ہی نام نہیں ہے بلکہ آنکھوں

کا بھی زنا ہے، اور پاؤں اور ہاتھوں کا بھی زنا ہے، دل اور دماغ کا بھی زنا ہے
کسی غیر عورت کو قصداً دیکھنا یا کسی اجنبی عورت سے بلا وجہ باتیں کرنا، یا اس
کو بلا ضرورت ہاتھ لگانا یا اس کی طرف بُرے ارادے سے جانا یا اس کی صحبت
کو قلب میں جگہ دینا یا کسی غیر محرم عورت کی ملاقات کے لیے اسکیمیں سوچنا
اور ملنے کے طریقوں پر غور کرتے رہنا، ان سب کو زنا سے تعبیر کیا ہے۔

چار عورتوں کی اجازت } مردوں کو زنا سے محفوظ رکھنے کے لئے حسب ضرورت چار عورتوں سے نکاح کرنے کی

اجازت بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس کو میں ابھی عرض کروں گا۔ زانی
اور زانیہ کے متعلق عذابِ آخروی کا جہاں ذکر کیا گیا ہے وہ ایسا ہولناک
ہے جس کے سننے ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ
وسلم نے معراج کی شب میں زنا کاروں کو جس بُری حالت میں دیکھا ہے۔
اس کے ذکر کا یہ موقع نہیں ہے کبھی معراج کی تفصیل کا موقع ملا تو
انشاء اللہ عرض کروں گا۔ اسی طرح زنا سے بچنے اور غیر محرم عورتوں کی
صحبت سے دور رہنے کے جو فضائل ذکر کیے گئے ہیں ان کا بھی یہ موقع نہیں
ہے۔ ان کو بھی کسی دوسرے وقت کیلئے موقوف کیجئے انشاء اللہ تعالیٰ زندگی
رہی اور موت نے کچھ موقع دیا تو یار زندہ صحبت باقی۔

بحث کا خلاصہ } میں نے جو کچھ عرض کیا اس سے آپ اتنا تو سمجھ گئے ہوں گے کہ اسلام کے نزدیک زنا ایک بدترین
گناہ ہے جس سے شریعت اسلامیہ مسلمانوں کو بچانا چاہتی ہے۔ علاوہ سزا

کے عذاب آخرت سے ڈرا کر چاہتی ہے کہ مسلمان اس گناہ میں مبتلا نہ ہوں اور ثواب کا تذکرہ بھی اسی غرض سے کیا گیا ہے۔ ان تمام باتوں کے علاوہ احتیاطی تدابیر کے سلسلے میں پردے کا حق بھی عورتوں کو دیا جاتا ہے اب اگر آپ اس حق کو غصب کرنا چاہتے ہیں تو اس طرح کیجئے کہ زنا اور فحش کی ترویج نہ ہونے پائے۔ میں نے دو باتیں عرض کی ہیں کہ پردے کی آپ کوئی حد مقرر کیجئے لیکن اس امر کا خیال رکھئے کہ عورت مسلمہ غیر مسلمہ سے ممتاز رہے اگر کسی اجتماع میں یہ دونوں شریک ہوں تو مسلمہ اور غیر مسلمہ کا امتیاز باقی رہے۔ نیز مقاصد کا دروازہ نہ کھلنے پائے۔ اس تمام بحث کے بعد میں اپنے تعلیم یافتہ طبقہ سے ایک بات نہایت مودبانہ عرض کرتا ہوں کہ زنا کا قانون آپ نے سن لیا، کیوں صاحب اس قانون کی موجودگی میں کیا عورت کو بے نقاب کیا جا سکتا ہے۔ پردہ سے پیشتر تو زنا کی بحث کیجئے بجائے اس کے کہ آپ یہ کہیں کہ صاحب پردے کی قیود کو ڈھیلا کیجئے۔ پہلے یہ فرمایئے کہ مولوی صاحب قانون زنا ہلکا کرنے کی سعی فرمایئے زنا کی حرمت کے باوجود احتیاطی تدابیر کو ہلکا کرنا یا کم کرنا ایسا ہی بے معنی ہے جیسا سول نافرمانی کی موجودگی میں آرڈیننس کی واپسی کا مطالبہ۔

ایک سے زائد شادی پر اعتراض

برادرانِ ملت! غالباً میری اس تفصیلی گذارش اور زنا کے قانون کو سمجھنے کے بعد اس شبہ کا بھی جواب ہو گیا ہوگا۔ جو بعض جاہلوں کی طرف سے چار شادیوں سے متعلق کیا جاتا ہے۔ میں تو نہایت صفائی کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ دنیا

کی جس قوم کو اعتراض کرنا ہے وہ پہلے اپنی سوسائٹی میں زنا کا اسلامی
قانون رائج کرے اور اس کے بعد ہم پر اعتراض کرے۔ دنیا کی مہذب
قوموں نے زنا کو عام کر دیا ہے مرد اپنی ضرورت کو نہ معلوم کہاں کہاں پورا
کر لیتے ہیں اور پھر اسلام کی شادیوں پر اعتراض کرتے ہیں۔ جو کام شادی
سے ہوتا ہے وہ تم بلا شادی کے کر لیتے ہو۔ پھر تمہیں شادی کی کیا ضرورت
ہے۔ تم اگر ایک نکاح پر بھی اعتراض کرو تو تم حق بجانب ہو۔

چار نکاحوں کا مسئلہ

کیوں صاحب! کیا اسلام نے ہر مرد کے لئے
چار نکاح ضروری قرار دیئے ہیں وہ تو اسلام
نے صرف ایک راستہ کھلا رکھا ہے کہ مرد اگر ضرورت محسوس کرے تو اس
کے لئے یہ مباح ہے کہ وہ دوسری یا تیسری شادی کر لے، فرض کرو
آج کل مردم شماری کا قضیہ پیش ہے، میں تو اس ملک کی اکثریت سے کہا
کرتا ہوں کہ مسلمانوں کو ضد نہ دلاؤ۔ ورنہ ہمارے یہاں ایک قانون ایسا
ہے اگر ہم چاہیں تو دو سال میں تمہارے برابر ہو سکتے ہیں۔ ایک مرد سال
بھر میں چار بچے پیدا کر سکتا ہے۔ دیکھو تین مہینے میں عورت پر حمل
کے آثار پورے طریقے سے مرتب ہو جاتے ہیں۔ اگر ایک شخص کی چار
بیویاں ہوں اور وہ تین تین مہینے ہر بیوی کے پاس زندگی بسر کرے
تو پورے ایک سال میں چار بچوں کا باپ ہو سکتا ہے۔ جس وقت
چوتھی بیوی کے ہاں بچہ پیدا ہوگا اس وقت اس کی پہلی بیوی جاپے کے
تمام قضیوں سے پاک ہو چکی ہو گی۔ میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں

فرمائیے آپ کو اس مسئلہ پر عقلاً کیا اعتراض ہے اور کیا یہ حساب جو میں نے بتلایا ہے غلط ہے۔

میں پھر آپ سے عرض کرتا ہوں کہ قانون نکاح پر اعتراض کرنے سے پیشتر زنا کے قانون کا اچھی طرح مطالعہ کرو اور مجھے بتاؤ کہ جو قانون زنا کی کسی حالت میں بھی اجازت نہ دیتا ہو وہ ایک سے زائد نکاح کرنے کی اجازت دیتا ہے تو کونسا مضحکہ خیز کام کرتا ہے۔ گھر میں بیٹھ کر جو چاہو کہہ لو لیکن میدان میں آؤ تو ہوش و حواس کے ساتھ آؤ۔

عورت کے حقوق کیا ہیں؟ صاحبو! مجھ کو تعجب ہے کہ خدا جانے تم نے کہاں سے حقوق کا نام سن لیا ہے۔ حقوق کہنا جانتے ہو لیکن مجھے بتاؤ تو عورت کے حقوق کیا ہیں، تم کیا جانتے ہو بے ترعشق ٹیں ٹیں؟ عورت کو پیدا دینا نہیں جانتے۔ اس کی پرایپ ٹی تسلیم نہیں کرتے اس کو گھر میں بٹھا کر روٹی تم سے نہیں دی جاتی۔ پھر حقوق حقوق کہتے ہو، کیا صرف عورت کو دائیں طرف موٹر میں بٹھا لینا اور اس کو برہنہ کر کے بازاروں میں پھرانا اور رات کو ہال میں جا کر نچوانا اور اس کو غیر مردوں کے ساتھ سینما دیکھنے کی اجازت دینا اور ڈنر میں اپنے تمام دوستوں سے اس کا ہاتھ ملوانا اور اس کے بال کتر کے لونڈا بنا دینا یہ سب عورت کے حقوق ہیں تو بھائی آپ یہ سب حق دیجئے۔ اللہ آپ کو مبارک کرے، اسلام اس بے حیائی، بدتہذیبی اور بے غیرت فروشی کا ساتھ نہیں دے سکتا، اسلام تو حیا اور غیرت سکھاتا ہے۔ اسلام نے

توحیا کو ایمان کا جزو اعظم ٹھہرایا ہے۔ اگر آج کل کے با تہذیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم و حیا کو دیکھتے تو شاید حضور کی نبوت کا انکار کر دیتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرت

کفار مکہ کے اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ یہ کیسا پیغمبر ہے جو عورتوں کی طرح حیا کرتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد کی غیرت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے۔ میں سعد سے زیادہ غیرت دار ہوں، اور اللہ تعالیٰ مجھ سے زیادہ غیرت دار ہے۔ اسی لئے وہ اپنے بندوں پر فحش اور بے حیائی کو حرام کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی قضائے حاجت کو تشریف لے جایا کرتے تو ہمیشہ ایسی جھاڑیاں تلاش فرمایا کرتے تھے جس میں انسان کی نظر نفوذ نہ کر سکے۔ اور اگر جھاڑیاں نہ ملتی تھیں تو ریت کو سمیٹ کر ایک چھوٹا سا ٹیلہ بنا لیا کرتے تھے اور اس کی آڑ میں بیٹھ کر قضائے حاجت کرتے تھے۔ جب تک زمین سے قریب نہ ہو جاتے اپنا تہبند اونچا نہیں کرتے تھے۔

للہ اللہ کہاں انبیاء کی تہذیب اور کہاں یورپ کی بد تہذیبی اور عجیب لطف یہ کہ آجکل عورت جس قدر برہنہ ہو اتنی ہی مہذب، یعنی اگر عورت اپنے جسم کو برہنہ کر دے تو وہ اعلیٰ درجہ کی تہذیب یافتہ اور شائستہ سمجھی جاتی اور اگر مرد پاؤں کا موزہ بھی کسی وقت اتار دے تو وہ غیر مہذب خیال کیا جائے۔ گویا برہنگی مرد کے لئے بد تہذیبی اور

عورت کے لئے تہذیب سمجھی جاتی ہے مرد کو سوسائٹی میں موزہ اتارنا بھی ناجائز اور عورت کو ننگا ہو جانا بھی جائز، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ خیر اتنا تو معلوم ہوا کہ جسم کو کھولنا اور بدن کو ظاہر کرنا تمہارے نزدیک بھی تہذیب کے خلاف ہے، ہاں یہ بات ضرور ہے کہ مرد کے لئے تو یہ فعل بدتہذیبی ہے لیکن اگر عورت ایسا کرے تو اعلیٰ درجہ کی تہذیب ہے۔

ارے صاحب! آپ کی تہذیب کی تفصیل کہاں تک عرض کروں آپ کے ہاں تو بیٹی بناؤ کر کے اور گالوں پر پوڈر مل کر باپ سے دریافت کرتی ہے، باپ میں کیسی معلوم ہوتی ہوں اور باپ کہتا ہے تم بڑی حسین ہو، جیسے تمہارے گلے خوشنما ہیں اور جیسی تمہاری آنکھیں رسیلی ہیں۔ ایسی میری دوسری اولاد کی نہیں ہیں۔ بھلا ایک یہ تہذیب کہ کوئی نوجوان لڑکی اپنے حقیقی بھائی یا باپ کے ساتھ تنہا مکان میں رات کو نہ رہے، فاین الکفر واین الاسلام۔

اسلام خدائی تہذیب کا نام ہے

حضرات! اسلام ایک آئین کا نام ہے۔ اسلام ایک تہذیب کا نام ہے اسلام اس تمدن کو کہتے ہیں۔ جو خدا کے پیغمبر خدا کی طرف سے لے کر آتے ہیں، خدائی تہذیب، خدائی تمدن، خدائی آئین پر عمل کرنے کا نام اسلام ہے۔ یاد رکھئے وہ کتنا بدتہذیبی، بے غیرتی، بے حیائی کا تحمل نہیں کر سکتا۔ اس میں کچھ برا ماننے کی ضرورت نہیں ہے

قانون خواہ کتنا ہی آزاد ہو لیکن پھر قانون ہے۔ گورنمنٹ برطانیہ کے قانون کی کس قدر تعریف کرتے ہو اور کہتے ہو۔ اس قانون میں بہت آزادی ہے شخصی حکومتیں بہت بری تھیں۔ آج جمہوری حکومت نے ہر قسم کی آزادی دے رکھی ہے لیکن میں دریافت کرتا ہوں کہ باوجود اس روشن قانون اور ضمیر کی آزادی کے اگر میں آپ کے جلسہ میں گورنمنٹ پر نکتہ چینی شروع کروں تو کیا مجھ پر دفعہ ۱۲۴ (الف) کے ماتحت مقدمہ نہیں چلے گا۔ کیا میں کسی کو قتل کر سکتا ہوں، کیا میں کسی کا مال چھین سکتا ہوں۔ کیا میں کسی کو گالی دے سکتا ہوں۔ قانون پھر قانون ہے۔ کسی نہ کسی بات کو تو ناجائز کہے گا۔

سوسائٹی کا قانون آپ سوسائٹی کا قانون بنا لیجئے تو کیا اس میں ہر بات کی اجازت ہوگی۔ آپ کیسی قانون میں کتنی ہی ضمیر کی آزادی رکھیں لیکن کچھ نہ کچھ امور تو ایسے ہوں گے جن کو آپ ناجائز قرار دیں گے۔ کیا ضمیر کی آزادی کا یہ مطلب ہوگا کہ جس عورت پر جی چاہے قبضہ کر لو۔ جس شخص پر غصہ آئے اسے قتل کر دو۔ جس کی دکان پر سے جی چاہے کوئی چیز اٹھا کر کھا جاؤ۔ جس کے گھر میں جی چاہے بلا اجازت گھس جاؤ اور کوئی ٹوکے تو کہدو کہ جناب ہر شخص کو ضمیر کی آزادی حاصل ہے، اگر ضمیر کی آزادی کا یہ مطلب نہیں ہے اور یقیناً نہیں ہے بلکہ ہر قانون میں کچھ ایسی پابندیاں ہوتی ہیں۔ جہاں ضمیر کی آزادی کو پامال کرنا پڑتا ہے اور ضمیر کی آزادی کا نیا مطلب بیان

کرنے پر سوسائٹی مجبور ہوتی ہے۔ خواہ اخلاق و مروت سے یا معاشرت انسانی کے نام سے یا حقوق انسانیت اور شہری حقوق کے نام سے بہر حال کسی نہ کسی گوشہ میں قانون کا پابند ہونا پڑتا ہے جب دنیاوی قانون میں بھی ان امور کی رعایت کرنی پڑتی ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ اسلامی قانون کے نام سے آپ کو اس قدر وحشت کیوں ہوتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک قانون لارڈ میکالے نے بنایا ہے اور ایک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضع کیا ہے۔ ایک انگلستان کی پالیسی کے ماتحت بنایا گیا ہے دوسرا خدائی حکومت کے ماتحت بنایا گیا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتا تعزیرات ہند کی پابندیاں تو بابرکت اور سایۂ رحمت سمجھی جائیں اور ان کی عزت و احترام پر حلف وفاداری اٹھایا جائے۔ لیکن قرآن کی پابندیاں قابل اعتراض اور ناقابل عمل قرار دی جائیں اور بیسویں صدی کے لئے ان امور ناممکن العمل بتایا جاتے اور یہ کہا جاتے کہ اس قانون میں ترمیم کر دی جائے تو قابل عمل ہو سکتا ہے۔

قرآن میں تبدیلی

تم ہی جیسے بزدلوں کے حق میں تو قرآن نے کہا ہے [1] وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ قُلْ مَا يَكُوْنُ

[1] اور جب پڑھے ان کے پاس آیتیں ہماری صاف کہتے ہیں جن کو امید نہیں ہم سے ملاقات کی لے آ قرآن اس کے سوا یا اس کو بدل ڈال تو کہہ میرا کام نہیں کہ اس کو بدلوں اپنی طرف سے میں تابع ہوں اسی کا جو حکم آوے میری طرف۔

لِیۤ اَنۡ اُبَدِّلَهٗ مِنۡ تِلۡقَآئِ نَفۡسِیۡ ۚ اِنۡ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوۡحٰۤی اِلَیَّ ۚ جب
ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور قرآنی احکام کو واضح طور پر بیان کیا جاتا ہے
تو وہ لوگ کہتے ہیں جو ہماری ملاقات سے ناامید ہو چکے ہیں کہ اس قرآن کی بجائے
کوئی دوسری کتاب لا دو یا اس میں کچھ تبدیلی و ترمیم کر دو۔ اے محمد آپ کہہ دیجئے
قرآن میں ترمیم و تبدیلی میرے اختیار سے باہر ہے میں اپنی طرف سے اس میں
کوئی تبدیلی یا ترمیم نہیں کر سکتا ہوں تو خود اس قرآن پر عمل کرنے کا اتنا ہی
ذمہ دار ہوں جتنے تم ہو۔ آپ تو مولویوں سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ قرآن میں
ترمیم کر دیجئے لیکن آپ کو معلوم نہیں یہ اختیار تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ
تھا۔ بھلا مولوی بے چارے تو کیا کر سکتے ہیں۔

اسلام نے عورت کو عورت سمجھا

میرے دوستو! میں نے ابھی ان حقوق کی طرف اشارہ کیا ہے جو اسلام نے
عورت کو دیئے ہیں وقت کی قلت کے باعث میں تفصیل نہیں کر سکا لیکن پھر
بھی اجمالاً وہ سب کچھ ظاہر کر دیا جو اس بحث سے تعلق رکھتا تھا میں آپ کو
یقین دلاتا ہوں کہ اسلام نے عورت کو اتنی عزت دی ہے اور عورت کو اتنے
حقوق دیئے ہیں کہ اگر تمہارا یورپ دوبارہ بھی زندہ ہو کر آئے تو وہ حقوق
عورت کے تسلیم نہیں کر سکتا جو اسلام نے اس کو دیئے ہیں۔ ہاں اتنی بات ضرور ہے
کہ اسلام نے عورت کو عورت رکھا۔ اسلام نے اس کی نسائیت کا ہر امر میں
لحاظ رکھا، جو کچھ دیا یہ سمجھ کر دیا کہ عورت کو دیا جا رہا ہے۔ اس نے عورت کو
غیرت و حیا کا مجسمہ اور شرم و محبت کی ایک تصویر سمجھا۔ اسلام نے عورت

کو ایک صنف ضعیف تصور کرتے ہوئے مرد کے لئے شریک زندگی سمجھا
اسلام نے عورت کو جو کچھ دیا یہ سمجھ کر دیا کہ یہ فتنوں اور امتحانات کا پیکر
بنے ہیں تو یہ سمجھتا ہوں کہ عورت کو صرف مرد کی اطاعت کا ذمہ دار بنا کر
سب کچھ عورت ہی کو دے دیا۔ عورت سے اتنا ہی تو مطالبہ ہے کہ اگر جنت
میں جانا چاہتی ہو تو مرد کو راضی رکھو۔ اس کے علاوہ عورت کے ذمے اور کیا
ہے۔ باقی تو جو کچھ ہے سب مردوں پر ہی ہے۔ غرض اسلام نے عورت
کو جو کچھ دیا وہ عورت سمجھ کر دیا۔ تمہاری طرح اسلام نے عورت کو لونڈی نہیں
بنایا۔ اور نہ اس کو نمائش کی کوئی چیز بنایا کہ تو جیندی کے میلوں میں سجائی
جائے بلکہ وہ تو ایک شرم و حیا کی گڑیا ہے جو صرف اس شخص کی دلبستگی اور
اطمینان و سکون کے لئے پیدا کی گئی ہے جس کو خود اس نے اپنی خوشی سے اپنا
خاوند بنانا تسلیم کر لیا ہے۔ اسلام نے اس کو ناچنے والی پتلی نہیں بنایا۔ جو آپ کی
محافل میں ننگی کھڑی ہو کر آپ کو اپنا ناچ دکھائے اور آپ کے دوستوں کے گلے
میں ہاتھ ڈال کر ناچے۔ وہ ایک کے لئے ہے اور صرف ایک شخص کے
لئے اور وہ وہی ہے جس کی بیوی ہونا اس نے منظور کر لیا ہے وہ آپ
کے لئے ہے آپ کے دوستوں کے لئے نہیں ہے وہ عورت ہے سالن کی ہنڈیا
نہیں ہے جس کا نمک ہر شخص چکھنے بیٹھ جائے تم نے عورت کو جس طرح ایک
کھلونا بنا لیا ہے یہ طریقہ نہ فطری ہے اور نہ اسلام اس کو پسند کرتا ہے
اور نہ کوئی شریف تہذیب اس کا تحمل کر سکتی ہے۔ اور نہ یہ چیز
زیادہ دنوں چل سکتی ہے۔

عورت کا مرتبہ اور اس کا اعزاز مجھے افسوس ہے کہ آپ کا یورپ اسلام کو یہ کہہ کر بدنام کرتا ہے کہ اسلام کی نظر میں یا اسلامی قانون میں عورت کی کوئی عزت نہیں ہے میں عرض کرتا ہوں کہ عورت کی عزت اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اپنی محبوب ترین چیزوں میں شمار کیا ہے۔ سرکار دو عالم کی بارگاہ رسالت سے عورت کے لئے جس اعزاز کا اعلان کیا گیا ہے کیا اس عزت کے بعد بھی کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اسلام کی نظر میں عورت کی کوئی عزت نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ الفاظ آپ میں سے ہر شخص نے سنے ہونگے جو آپ نے تین چیزوں کی محبت کے متعلق فرمائے ہیں۔ چنانچہ آپ کا ارشاد ہے حُبّب الیّ من دنیاکم ثلث النساء والطیب وقرة عینی فی الصلوٰة اس تمہاری دنیا میں سے میرے قلب میں تین چیزوں کی محبت ڈال دی گئی ہے۔ ایک عورت دوسرے خوشبو، تیسرے نماز۔ میں اس وقت آپ کو یہ نہیں بتانا چاہتا کہ ان تینوں چیزوں میں کیا مناسبت ہے اور ان میں باہمی ارتباط کیا ہے اور مجہول کا صیغہ استعمال فرماتے ہیں اور یہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں محبت ڈال دی گئی ہے کس طرف اشارہ ہے یہ تمام علمی باتیں ہیں اور تم کو علمی ذوق ہے نہیں، پھر تمہارے سامنے علمی باتیں بیان کرنا اضاعت وقت کے مرادف ہے۔ تم کو تو جاہل میلاد خوانوں نے تباہ کر رکھا ہے، تم علم کی قدر کیا جانو!

نماز میں آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اچھا ایک بات تو بتاؤ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے یہ کیوں فرمایا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، نماز کا تعلق تو سارے ہی جسم سے ہے بالخصوص زبان اور قلب کا تعلق نماز سے بہت گہرا ہے، نماز میں کوئی دیکھنے کی چیز تو ہے نہیں پھر نماز کو آنکھوں کی ٹھنڈک کہنے کے کیا معنی۔

میرے عزیزو! ہماری تمہاری نماز تو واقعی ایسی ہے کہ اس میں دیکھنے کی کوئی چیز نہیں ہے لیکن ہماری تمہاری نماز ہی کیا ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے وہ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے ؎

کبھی قبلہ رخ جو کھڑا ہوا تو حرم سے آنے لگی صدا
ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملیگا نماز میں

آپ کے ملا عراقی فرماتے ہیں ؎

بزمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا بر آمد — کہ مرا خراب کردی تو بسجدۂ ریائی

بھائی! ہماری نماز کیا ہے۔ حقیقی نماز جس کا نام ہے اس کا تعلق تو درحقیقت آنکھوں ہی سے ہے۔ ایک عارف نے کیا خوب کہا ہے ؎

جائز نماز کب ہو جو مسجد میں تو نہ ہو — ہم سجدہ کب کریں کہ جو تو روبرو نہ ہو
کس کام کا وہ گل ہے کہ جس گل میں بو نہ ہو — کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو

صاحبو! ایک اور حدیث پہلے سن لو تب تمہاری سمجھ میں شاید وہ بات آ جائے جو میں کہنا چاہتا ہوں۔ ایک دن حضرت جبرئیل علیہ السلام انسانی شکل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور سے اتنے قریب ہو کر بیٹھ گئے کہ حضرت جبرئیل کے گھٹنے سرکار کے گھٹنوں سے

ملے ہوئے تھے۔ صحابہ کرام اس اجنبی شخص کی اس جرأت پر متعجب ہوئے
اور یہ غور کرنے لگے کہ یہ کون شخص ہے۔ صحابہ کو اس پر اور بھی تعجب ہوا کہ یہ شخص
مدنی تو ہے نہیں۔ مدینہ میں کبھی اس کو دیکھا نہیں اور نہ یہ شخص مسافر معلوم
ہوتا ہے۔ کیونکہ اس پر سفر کے آثار نہیں ہیں۔ بہر حال صحابہ منتظر رہے
کہ یہ شخص کیا کرتا ہے۔ حضرت جبرئیل نے جو انسانی شکل میں تھے سرکار
سے دریافت کیا اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم بتاؤ ایمان کیا ہے؟ سرکار نے
جواب دیا، ایمان کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اس کے رسولوں پر
اس کے فرشتوں پر، قیامت کے دن پر، تقدیر پر، مرنے کے بعد زندہ ہونے
پر انسان ایمان لائے حضرت جبرئیل نے کہا، آپ نے سچ فرمایا۔ صحابہ
کو اور بھی تعجب ہوا کہ یہ کوئی سائل ہے یا ممتحن ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
کے جواب پر وہ شبہ نہ کیا جاوے جو ہمارے طالب علم کیا کرتے ہیں ما
الایمان کے جواب میں ان تومن باللہ وملائکتہ کہنے سے
تعریف الشئی بنفسہ لازم آتا ہے۔ اس لئے کہ حضرت جبریل کے سوال ہی سے
معلوم ہوتا ہے کہ وہ نفس ایمان کی تعریف ہی نہیں دریافت کرتے تھے
بلکہ ایمان کے متعلقات دریافت کرنا چاہتے تھے ورنہ اس کا جواب تو صرف
اذعان و تصدیق ہوتا۔ اس لئے میں نے ایمان کی تفصیل بیان کی دوسرا
جواب یہ ہے کہ محدود سے ایمان شرعی مراد لیا جائے اور حد سے ایمان
لغوی مراد ہو۔

پھر حضرت جبریل نے کہا اسلام کیا ہے۔ آپ نے فرمایا پانچ وقت

کی نماز پڑھنا۔ رمضان کے روزے رکھنا۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور پیغمبر کی رسالت کا اقرار کرنا' حج کرنا' زکوٰۃ دینا۔ پھر انہوں نے کہا آپ نے سچ فرمایا۔ اس کے بعد حضرت جبرئیل نے دریافت کیا یارسول اللہ احسان کیا ہے۔ سرکارؐ نے اس کے جواب میں فرمایا ان تعبد اللّٰہ کانک تراہ یعنی احسان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طرح کی جائے گویا اُس کو دیکھ رہا ہے وان لم تکن تراہ فانہ یراک اور اگر تو اس کو نہ بھی دیکھے تب بھی وہ تجھ کو دیکھتا ہی ہے۔ یہ حدیث بہت لمبی ہے لیکن مجھے تو صرف ایک بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ حدیث میں وہ درجہ جس کا نام احسان ہے اور جو سب سے بالائی ہے اور جس مرتبہ کے لوگوں کا نام شریعت میں مقرب ہے اور جس کی طرف سورۂ واقعہ میں اشارہ فرمایا ہے وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ اُولٰٓئِکَ الْمُقَرَّبُوْنَ جو لوگ سر نیکی میں سبقت کرنے والے ہیں ان ہی کا نام مقربون ہے پھر فرمایا[۱] فَاَمَّا اِنْ کَانَ مِنَ الْمُقَرَّبِیْنَ فَرَوْحٌ وَّرَیْحَانٌ وَّجَنَّتُ نَعِیْمٍ۔ اگر کوئی بندہ مقربین میں سے ہے تو اس کے لئے جنات نعیم کے علاوہ اور بھی آرام و طمانیت کے بڑے بڑے سامان ہیں۔ اس درجہ کے لوگوں کی عبادت یہ ہے کہ گویا عبادت کی حالت میں ان کا معبود اُن کے سامنے ہے پھر اگر کسی کو نماز میں یہ درجہ حاصل ہوجائے تو بتاؤ کہ اس کی لذت کا اثر آنکھ ہی پر تو ہوگا

[۱] اور اگاڑی والے سو اگاڑی والے وہ لوگ ہیں پاس والے [۲] سو جو اگر وہ ہو پاس والوں میں تو راحت ہے اور روزی ہے اور باغ نعمت کا۔ ۱۲

اس لئے فرمایا کہ نماز میں میری آنکھوں کی ٹھنڈک پنہاں ہے۔ اس لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تھی تو آپ فوراً نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے تاکہ نماز کا وہ کیف جس سے آنکھیں خاص طور پر لطف اندوز ہوتی ہیں اس پریشانی کو دور کر دے جو خارجی اسباب کی بنا پر پیش آ گئی ہے اور چونکہ عبادت کا تعلق آنکھوں کے ساتھ ہے اس لیے ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں فلا تعلم نفس ما اخفی لھم من قرۃ اعین کسی شخص کو یہ نہیں معلوم کہ اس کی آنکھوں کو خوش کرنے اور ٹھنڈا کرنے کے لیے ہم نے کیا کیا سامان مہیا کر رکھا ہے۔ یعنی وہ محسنین جو عبادت اس طرح کرتے ہیں گویا ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ تو ہم ان کو اجر بھی ایسا دیں گے جس سے ان کی آنکھیں مالا مال ہو جائیں گی۔ بہر حال ان سوالات کے بعد حضرت جبریلؑ تشریف لے گئے اور آپ نے فرمایا کہ دیکھو یہ شخص کہاں گیا۔ لوگوں نے باہر نکل کر دیکھا تو کہیں نظر نہ آیا۔ سرکار نے فرمایا یہ جبریل تھے۔ تم کو تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ جہاں تک مجھے یاد ہے شاید حدیث میں پہلے اسلام کا سوال ہے پھر ایمان کا پھر احسان کا پھر قیامت کا۔ اب تو آپ کی سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ نماز کو آنکھوں کی ٹھنڈک کیوں کہا گیا۔

اچھا ایک بات اور یاد رکھو عبادت خواہ نماز ہو یا کوئی اور عبادت ہر قسم کی عبادت اطمینان و سکون چاہتی ہے، خوشبو دماغ کے لئے

سو کسی جی کو معلوم نہیں جو چھپا دھرا ہے اُس کے واسطے جو ٹھنڈک ہے آنکھوں کی۔

موجب فرحت وسکون ہے اور نیک عورت قلب کے لئے موجب تسکین بھی ہے اور عبادت خداوندی کے لئے معین ومددگار بھی ہے۔ اس لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے ساتھ ساتھ عورت اور خوشبو کا ذکر فرمایا گیا عورت کو محبوب ترین اشیاء میں شمار کرنے کے بعد بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں عورت کی کوئی عزت وقعت نہیں ہے۔

اصحاب کرام کی محبوب ترین اشیاء

میں نے شہاب الدین قلیوبی کی نوادرات میں دیکھا ہے

کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے قلب میں تین چیزوں کی محبت ڈال دی گئی ہے۔ مجہول کا صیغہ اس لئے استعمال کیا تاکہ یہ ظاہر کیا جائے کہ مجھے اس میں کوئی دخل نہیں ہے بلکہ جس کے قبضہ میں قلب ہے اُسی نے ان چیزوں کو محبوب بنا دیا ہے۔ بہرحال جب سرکار نے یہ فرمایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں النظر الیک والجلوس بین یدیک والانفاق مالی علیک آپ کی طرف دیکھنا۔ آپ کی خدمت میں ہر وقت حاضر رہنا اور اپنا مال آپ کی ضروریات پر خرچ کرنا۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں الامر بالمعروف ونہی عن المنکر وقول الحق و ان کان مراً لوگوں کو نیک بات کا حکم کرنا۔ بری باتوں سے روکنا اور سچی بات کہنا خواہ کڑوی ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سنکر فرمایا مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں اطعام الطعام وافشاء السلام و الصلوٰۃ باللیل والناس نیام۔ مساکین کو کھانا کھلانا۔ سلام علیک کی اشاعت کرنا یعنی بکثرت مسلمانوں کو سلام کرنا اور رات میں ایسے وقت نماز پڑھنا جب لوگ سو رہے ہوں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے فرمایا میرے دل میں بھی تین چیزوں کی محبت ڈالدی گئی ہے الضرب بالسیف واکرام الضیف والصوم بالصیف۔ کفار کے ساتھ جہاد کرنا۔ مہمان کی مہمان نوازی کرنا اور گرمی کے موسم میں روزے رکھنا۔

صحابہ کرام یہ باتیں کر رہے تھے کہ حضرت جبریلؑ تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا یا رسول اللہ مجھ کو بھی تین چیزیں محبوب ہیں اداء الامانۃ و تبلیغ الرسالۃ وحب المساکین۔ امانت کا ادا کرنا۔ احکام رسالت کی تبلیغ کرنا اور مساکین سے محبت کرنا۔

پھر حضرت جبریلؑ نے کہا اللہ تعالیٰ کو بھی تین چیزیں بہت محبوب ہیں۔ لسان ذاکر و قلب شاکر و بدن علی البلاء الصابر وہ زبان جو ہر وقت ذکر کرتی رہے۔ وہ قلب جو ہر حالت میں شاکر رہے اور وہ جسم جو ہر قسم کے مصائب پر صبر کرے۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ کو جب یہ روایت پہنچی تو آپ نے فرمایا۔ مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں تحصیل العلم فی طول اللیالی وترک

التعاظم والتعالی وقلب من امور الدنیا خالی۔ لمبی لمبی راتیں میں علم حاصل کرنا بڑائی اور فخر کی باتوں کو ترک کر دینا۔ اور ایسا قلب جو دنیا کے تمام بکھیڑوں سے خالی ہو۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں مجاورۃ الرسول فی روضتہ۔ وملازمۃ تربتہ وحجرتہ و تعظیم اھل بیتہ وعترتہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی مجاوری۔ آپ کی تربت شریف اور آپ کے حجرے کی حاضری آپ کے اہل بیت کی عزت وعظمت کرنا۔

حضرت امام شافعی نے فرمایا مجھے تین چیزیں محبوب ہیں عشرت الناس بالتلطف وترک مایودی الی التکلف والاقتداء بطریق التصوف۔ لوگوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرنا۔ تکلف کی باتوں کو ترک کر دینا۔ تصوف اور احسان کے طریقہ پر چلنا۔

امام احمد حنبل رضؓ نے فرمایا ہے۔ مجھے بھی تین چیزیں محبوب ہیں۔ متابعۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم فی اخبارہ والتبرک بعظیم انوارہ والسلوک بالادب فی سنتہ واثارہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال کی پیروی کرنا۔ آپ کے روحانی انوار سے برکات حاصل کرنا۔ آپ کی سنت اور آپ کے طریقہ پر چلنا۔

ایک شبہ کا جواب بعض پردے کے مخالفین نے ایک اور طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ عورت کے غلط حامی اور دوست نما

دشمن کہا کرتے ہیں کہ عورتوں کو گھروں میں مقید کرنا اور بلا محرم اُن کو سفر کرنے سے منع کرنا۔ یہ ان کی توہین ہے اور اس قسم کی پابندیوں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے نزدیک عورت کا کوئی اعتماد نہیں اور آپ کی نظر میں عورت ناقابل اعتبار ہے۔ میں عرض کرتا ہوں اس کا منبی بھی وہی یورپین تخئیل ہے کہ عورت و مرد میں ہر اعتبار سے مساوات ہونی چاہیئے۔ اور قدرت نے جو فرق رکھا ہے اس فرق کو مٹا دینا چاہیئے۔ اگر اس تخئیل کو آپ چھوڑ دیں تو تمام باتیں دور ہو سکتی ہیں اور ہر شبہ کا جواب دیا جا سکتا ہے۔ آپ کا یورپ ہر اعتبار سے مرد و عورت کو یکساں کرنا چاہتا ہے اور قانون قطرت یہ کہتا ہے کہ ولیس الذکر کالانثی عورت کسی طرح بھی ہر حیثیت سے مرد کے مساوی نہیں ہو سکتی اصل اختلاف تو یہ ہے کہ مرد و عورت میں فرق ہے۔ مرد عورت کی زندگی کا سہارا ہے۔ دنیا میں ہر قسم کے انسان ہیں شرارت پسند لوگوں سے عورت کو محفوظ رکھنے کا طریقہ یہی ہے کہ وہ یا تو گھروں میں رہے یا کسی ذمہ دار مرد کو اپنے ہمراہ لے کر گھر سے نکلے تا کہ کوئی شریر اس کو گزند نہ پہنچا سکے۔ میں تو پھر عرض کرتا ہوں کہ جہاں عفت و عصمت کا سوال ہو گا وہاں یہ سب باتیں ہوں گی۔ اور جہاں عورت کی عفت و عصمت کوئی اہم چیز نہ ہو گی وہاں نہ پردے کا سوال ہے نہ گھروں میں بیٹھنے کا سوال ہے۔ نہ محرم و غیر محرم کی کوئی قید ہے۔ رہا عورت کا اعتبار تو بھائی اگر عورت کا اعتبار نہ ہوتا تو اس کو گھر میں چھوڑ کر مرد کہیں باہر

ہی نہیں نکلتا بلکہ ۲۴ گھنٹے گھر ہی میں بیٹھا رہتا۔ اب ہم دہلی سے سات سو میل پرے تقریر کر رہے ہیں۔ اگر ہم کو خدانخواستہ اپنی بیوی پر اعتماد نہ ہوتا تو ہم اتنا طویل سفر کس طرح کر سکتے تھے اس کے علاوہ ہماری عورتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں سے زیادہ افضل نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن کے متعلق فرمایا ہے یٰنسآء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقیتن اے نبی کی عورتو! اگر تم پرہیزگاری اور تقویٰ اختیار کرو تو تمہارے برابر مرتبہ میں کوئی عورت نہیں ہو سکتی۔ ان ذی مرتبہ عورتوں کو بھی اللہ تعالیٰ یہی حکم دیتا ہے وقرن فی بیوتکن اے نبی کی عورتو تم گھر میں رہا کرو اور اپنے گھروں سے اس طرح نہ نکلا کرو جس طرح زمانہ جاہلیت میں نکلا کرتی تھیں۔

حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت عائشہؓ { اس وقرن فی بیوتکن پر مجھے جنگ جمل کا ایک واقعہ یاد آگیا، جنگ جمل اُس لڑائی کو کہتے ہیں جو بدقسمتی سے اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علیؓ کے مابین بعض غلط فہمیوں کی بنا پر ہوئی تھی، حضرت عمار بن یاسر اُن لوگوں میں سے ہیں جو ابتدائی دور میں مسلمان ہوئے تھے ان کی والدہ سمیہ کو تو کافروں نے مارتے مارتے جان ہی سے مار ڈالا تھا، ان پر بھی بڑے مظالم ہوئے لیکن یہ زندہ رہے بڑے پرانے لوگوں میں سے ہیں اور بڑے مخلص مسلمان ہیں۔ جن کو ہر وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملاقات

ـله اے نبی کی عورتو تم نہیں ہو جیسے ہر کوئی عورتیں اگر تم ڈر رکھو۔

تھا۔ اور ان کے متعلق سرکار کی ایک پیشین گوئی بھی تھی کہ عمار ؓ کو باغیوں کی جماعت قتل کرے گی۔

مسجد نبوی کا ایک واقعہ حضرت عمار بن یاسر کا خاندان چونکہ ابتدا ہی میں مسلمان ہوگیا تھا۔ اس لئے اُن کے خاندان پر کفار سخت مظالم کرتے تھے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب کبھی ان مظلومین پر گذر فرماتے تو ان کو تسلی دیتے اور دعا کرتے اللھم اغفر لآل یاسر یا اللہ آل یاسر کی مغفرت فرما حضرت ام سلمہ ؓ فرماتی ہیں جب حضور نے مسجد نبوی کی تعمیر شروع کی تو لوگوں کو حکم دیا کہ اینٹیں اٹھا اٹھا کر لاؤ اور آپ نے اپنی چادر زمین پر بچھا دی تاکہ اس میں اینٹیں رکھ کر خود سرکار اٹھائیں جب صحابہ نے یہ دیکھا تو مہاجرین و انصار دوڑے اور اپنی اپنی چادریں بچھا کر اینٹیں اٹھانے لگے۔ اینٹیں اٹھاتے جاتے تھے اور رجز کے طور پر یہ شعر پڑھتے جاتے تھے ؎

لئن تعدنا والنبی یعمل ذاک اذن لعمل مضلل

ایسی حالت میں کہ اللہ کا پیغمبر کام کرے اور ہم بیٹھے رہیں تو ہمارا بیٹھا رہنا اور خدا کے پیغمبر کا ہاتھ بٹانا ایک گمراہی کا فعل ہوگا۔ چنانچہ لوگ اینٹیں اٹھا کر لا رہے تھے۔ حضرت عثمان رض بھی اس کام میں شریک تھے۔ چونکہ حضرت عثمان ایک دولتمند آدمی تھے اس لئے اینٹ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بڑی احتیاط کے ساتھ اپنے کپڑوں سے بچا کر لاتے تھے۔ اور اینٹ کو تعمیر کی جگہ پر پہنچا کر کئی کئی مرتبہ اپنے ہاتھوں کو جھاڑتے تھے۔

حضرت علی نے حضرت عثمان کے اس تکلف پر دو شعر کہہ ڈالے سہ

لا یستوی من یعمر المساجدا ۔ یدأب فیہا راکعاً وساجدا
وقائماً طوراً وطوراً قاعداً ۔ ومن یری عن التراب حائدا

مطلب یہ ہے کہ بھلا وہ شخص جو مسجد کی تعمیر کرتا ہے اور مسجد میں عبادت کرتا رہتا ہے کبھی قیام میں اور کبھی رکوع میں کبھی سجود میں ایسے شخص کی برابر وہ شخص ہو سکتا ہے جو ذرا سی خاک اور مٹی کے کپڑوں پر پڑ جانے سے گھبراتا ہے۔ حضرت عمار بن یاسر نے ان شعروں کو سن کر پڑھنا شروع کر دیا۔ سیدھے آدمی کی بھی مشکل ہوتی ہے اُن کو خبر نہیں کہ یہ حضرت عثمان پر تعریض ہے۔ انہوں نے بلند آواز سے پڑھنے شروع کئے۔ حضرت عثمان رض نے بھی یہ شعر سن لئے تو ان کو ڈانٹا کہ او ابن سمیہ خاموش تجھے خبر نہیں کہ یہ کس پر تعریض ہے۔ حضرت عثمان رض کے ہاتھ میں ایک پتلی سی چھڑی تھی وہ دکھا کر کہا کہ اگر اب کے تیری زبان سے یہ شعر سُنے تو اس لکڑی سے خبر لوں گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہ گفتگو سن لی اور فرمایا عمار میری آنکھوں کا درمیانی حصہ ہے اس کو اگر کوئی تکلیف پہنچائی گئی تو مجھے رنج ہوگا۔ حضور کے یہ الفاظ سنکر صحابہ خوفزدہ ہوگئے اور عمار سے کہا حضور تیرے معاملہ میں ناراض ہو رہے ہیں اور ہم کو ڈر ہے کہیں ہمارے متعلق قرآن نازل نہ ہو جائے حضرت عمار نے کہا گھبراؤ نہیں میں حضور صلعم کو ابھی راضی کئے دیتا ہوں۔ چنانچہ حضرت عمار حاضر خدمت سرکار ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ آپ کے اصحاب میرے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ حضور نے فرمایا کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا حضور

مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں۔ سب تو ایک ایک اینٹ اٹھاتے ہیں اور مجھ سے دو اینٹیں اٹھواتے ہیں۔ حضور نے عمار کا ہاتھ پکڑا اور ان کو لئے ہوئے زیر تعمیر مسجد میں ٹہلنا شروع کیا حضرت عمار کے چہرے سے مٹی اپنے دست مبارک سے صاف کی اور فرمایا عمار! تجھے کون قتل کرسکتا ہے تجھے تو باغیوں کی جماعت قتل کریگی۔ یہ بات لوگوں کو یاد رہی

سوء اتفاق سے وہ جنگ جو حضرت علیؓ

معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما

اور حضرت معاویہؓ کے درمیان ہوئی جس کو جنگ صفین کہا جاتا ہے اس میں عمارؓ بن یاسر کی ہمدردی حضرت علیؓ کے ساتھ تھی وہ جنگ بھی ایک سخت فتنہ تھی جس میں بعض حضرات بالکل غیر جانب دار رہے اور بعض حضرات حضرت علیؓ کی طرف ہو گئے اور بعض حضرت معاویہؓ کی طرف ہو گئے۔ چنانچہ حضرت عمار بھی اس جنگ میں حضرت علی کی طرف سے شریک ہوئے اور حضرت معاویہ کی فوج کے ہاتھوں قتل ہو گئے۔ حضرت عمار کے شہید ہونے کے باعث بہت سے غیر جانب دار حضرات بھی حضرت علیؓ کے ساتھ ہو گئے۔ بہر حال دوران صلح میں حضرت عمرو بن العاص نے حضرت معاویہ کو یہ روایت سنائی کہ عمارؓ کے متعلق نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کو فئتہ باغیہ قتل کرے گا اور تمہاری فوج کے ہاتھوں عمار قتل ہوا ہے۔ یہ سن کر حضرت معاویہ نے کہا حضورؐ کی پیشین گوئی بالکل درست ہے۔ عمار کے قاتل علی ہیں کیونکہ علی رضؓ ہی نے عمار کو میدان جنگ میں بھیجا۔ اگر علیؓ عمار کو نہ بھیجتے تو وہ کیوں قتل کئے جاتے اس لئے اصل قاتل تو

علیؓ ہیں جنہوں نے عمار کو نکالا۔ عمرو بن العاص تو یہ تاویل سن کر خاموش ہو گئے۔ لیکن جب حضرت علیؓ کو معاویہ کے یہ الفاظ پہنچے تو حضرت علیؓ نے افسوس کے لہجہ میں کہا۔ ہاں بھائی سچ ہے حضرت حمزہ کو بھی ہم نے ہی قتل کیا تھا۔ کیونکہ غزوہ احد میں ہم ہی ان کو لیکر گئے تھے۔

حضرت معاویہؓ کی تقریر حضرت عمارؓ کی پیشین گوئی ایسی صاف تھی کہ ہر شخص کو اس نے مشتبہ کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک دن حضرت معاویہؓ تقریر کر رہے تھے۔ جس میں حضرت عثمانؓ کی مظلومیت اور حضرت علیؓ کے تغافل پر بحث کر رہے تھے۔ اور حضرت علی کے خلاف لوگوں کے جذبات برانگیختہ کر رہے تھے۔ چونکہ لوگوں کو یہ معلوم تھا کہ حضرت عمارؓ بن یاسر حضرت علیؓ کے ساتھ ہیں۔ اس لئے تقریر ہی میں ایک شخص شبث نامی نے کہا۔ اے معاویہؓ اگر آپ عمار بن یاسر پر قادر ہو جائیں تو کیا آپ اس کو بھی قتل کریں گے۔ حضرت معاویہ نے کہا مجھے اس کے قتل سے کونسی چیز مانع ہے۔ خدا کی قسم اگر میں ابن سمیہ پر قابو پاؤں تو اس کو حضرت عثمان کے بدلہ میں نہیں بلکہ حضرت عثمان کے غلام نائل کے بدلہ میں قتل کردوں۔ شبث نے یہ سن کر کہا والہ الا رض والہ السماء ماعدلت معتدلا قسم ہے آسمان اور زمین کے معبود کی آپ اعتدال سے بہت دور چلے گئے۔ اس پر مجمع گڑ بڑ ہو گئی اور جلسہ منتشر ہو گیا۔

ابن السکیت اور خلیفہ متوکل جیسے حضرت معاویہ کے اس واقعہ پر خلیفہ متوکل کا ایک واقعہ یاد آگیا متوکل خاندان عباسیہ کا ایک مشہور اور نامور خلیفہ ہے۔ اس کے دو لڑکے معتز باللہ اور مؤید باللہ ابن السکیت سے تعلیم پاتے تھے ابن السکیت بہت بڑے عالم اور بالخصوص ادب اور صرف ونحو کے امام تھے اور خلیفہ کے دونوں شاہزادوں کے اتالیق تھے۔ ایک دن خلیفہ متوکل نے ان سے دریافت کیا۔ کیوں مولانا صاحب آپ کو یہ دونوں میرے بچے زیادہ محبوب ہیں یا حسنؓ اور حسینؓ وہ مولانا صاحب آج کل کے عبدالدراہم والدنانیر مولوی تو تھے نہیں ان کو اس مہمل اور بے معنی سوال پر غصہ آگیا اور انہوں نے بے ساختہ کہا ان قنبراً خادم علی خیر منک ومن ابنیک یعنی امام حسنؓ اور حسینؓ کی شان تو اس قسم کے تصور سے بہت بلند ہے میں تو حضرت علی کے غلام قنبر کو بھی تجھ سے اور تیرے دونوں بیٹوں سے بہتر و افضل سمجھتا ہوں۔ متوکل بھلا اتنی بڑی گستاخی کو کیوں کر برداشت کر سکتا تھا۔ اس نے حکم دیا کہ ان کی زبان ان کی گدی کی جانب سے یعنی گردن کے پچھلے حصے سے نکالی جائے۔ چنانچہ یہ سزا دی گئی اور ان کی وفات ہو گئی۔ اور دیکھئے سوء اتفاق یہی حضرت ابن السکیت اس واقعہ سے چند روز پیشتر یہ اشعار کہہ چکے تھے بعض وقت کی بات بھی ایسی ہوتی ہے کہ جو منہ سے نکلتا ہے وہی ہو جاتا ہے ابن السکیت فرماتے ہیں ؎

یصاب الفتیٰ من عثرت بلسانہٖ ولیس یصاب المرء من عثرۃ الرجل

فعثرۃ فی القول تذھب راسہ وعثرتہ فی الرجل تبرا علی مھل

ابن السکیت نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بسا اوقات انسان اپنی زبان کی وجہ سے مصائب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ پاؤں کی لغزش اتنی خوفناک نہیں جتنی زبان کی لغزش خطرناک ہے۔ اگر پاؤں کبھی غلطی سے پھسل جائے تو آدمی سنبھل سکتا ہے۔ لیکن اگر منہ سے کوئی بات بے محل اور بغیر سوچے سمجھے نکل جائے تو آدمی کی جان ہی پہ بن جاتی ہے اور اس کا سر ہی اڑا دیا جاتا ہے۔ سوءِ اتفاق دیکھئے جو منہ سے نکلا وہی پیش آگیا۔

حضرت عائشہ رضؓ کا واقعہ

ہاں صاحب معاف کیجئے میں کہاں سے کہاں چلا گیا۔ بات میں سے بات نکلتی چلی آتی ہے میں تو کہا کرتا ہوں لٹریچر کی کمی نہیں ہے لیکن افسوس یہ ہے کہ میں تھک جاتا ہوں۔ میں نے ابھی عرض کیا تھا کہ حضرت علیؓ اور حضرت عائشہ رضؓ کی جنگ کو جنگ جمل کہتے ہیں۔ ابتداء میں اسکی کوئی توقع نہ تھی۔ لیکن باتوں ہی باتوں میں یہ لڑائی چھڑ گئی اور ان دونوں کی یہ جنگ بھی حقیقت میں مسلمانوں کا ایک بڑا امتحان تھا۔ لڑائی کی یہ حالت ہے کہ شروع میں بہت اچھی معلوم ہوتی ہے لیکن آخر میں وبال جان ہو جاتی ہے۔ عمرو بن معدی کرب نے کیا خوب کہا ہے۔ یہ معدی کرب زبیدی ہے جو عرب کا مشہور شاعر تھا ؎

الحرب اوّل ما تکون فتیۃ تسعی بزینتھا لکل جھول

حتی اذا اشتعلت وشب ضرامہا ولت عجوزا غیر ذات حلیل
شمطاء تنکر لونہا وتغیرت مکروہۃ للشم والتقبیل

لڑائی ابتداء میں ایک خوبصورت اور نوجوان عورت کی مانند ہوتی ہے جس کی زینت کو دیکھکر ہر بے وقوف اس کی طرف دوڑتا ہے۔ لیکن جب اس کے شعلے بھڑک اٹھتے ہیں تو ایک بوڑھی اور بدصورت بیوہ عورت کی شکل میں ہوجاتی ہے جس کے پاس جانے سے آدمی گھبراتا ہے۔ اور اس کی بدصورتی کے باعث اس کو مکروہ سمجھتا ہے۔ بہرحال حضرت عائشہ رض صدیقہ اور حضرت علی رض کی جنگ بھی ابتدا میں تو کچھ اہم نہ تھی۔ لیکن جو بات معمولی تھی اور خیال یہ تھا کہ باہمی گفت وشنید سے طے ہوجائیگی وہ آخر میں سچ مچ کی لڑائی ہوگئی اور جو پارٹی حضرت علی رض کی ہمیشہ سے طرفدار تھی وہی برسرپیکار ہوگئی۔ اس جنگ میں حضرت عائشہ خود شریک ہوئیں اور مدینہ منورہ سے تشریف لے گئیں۔ چونکہ میدان جنگ میں حضرت عائشہ رض ایک اونٹ پر سوار تھیں۔ اس لیئے اس جنگ کو جنگ جمل کہتے ہیں۔ اس جنگ میں حضرت طلحہ رض اور زبیر رض کی ہمدردی حضرت عائشہ کے ساتھ تھی بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ اس جنگ کے ہیرو یہی دونوں صاحب تھے اور حضرت عمار بن یاسر کی ہمدردی حضرت علی رض کے ساتھ تھی۔

عمار بن یاسر کی تقریر ہر ایک جنگ اور لڑائی کا یہ قاعدہ ہے خواہ وہ آئینی ہو یا غیر آئینی۔ اس کے شرکا اپنی اپنی پارٹی کو مضبوط بنانے کی فکر کیا کرتے ہیں۔ اور ہر پارٹی کا

ایڈورٹائزنگ کرتا ہے تاکہ اس کے حمایتی زیادہ ہوجائیں چنانچہ حضرت طلحہ رض
اور زبیر رض حضرت عائشہ کو اپنے ہمراہ لے کر بصرہ پہنچے تاکہ اہل بصرہ کو اپنا طرفدار
بنائیں۔ حضرت علی رض کو جب یہ معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے بڑے صاحبزادے
حضرت حسنؓ اور عمار بن یاسر کو کوفہ بھیجا تاکہ عمار اہل کوفہ کو ہموار کریں۔ چنانچہ عمار
بن یاسر نے وہاں پہنچ کر ایک عام مجمع میں تقریر کی۔ حضرت عمار نے پہلے حضرت
حسنؓ کو منبر پر چڑھایا اور ان کو اوپر کی سیڑھی پر بٹھایا پھر خود نیچے کی سیڑھی
پر کھڑے ہوئے۔ حضرت عمار بن یاسر کے متعلق میں ابھی عرض کیا تھا کہ
بڑے مخلص اور دیانتدار اور ابتدائی دور کے مسلمانوں میں
سے تھے۔ سوء اتفاق سے خدمت ان کے سپرد یہ کی گئی
کہ حضرت عائشہؓ کے خلاف لوگوں کو مشتعل کریں تاکہ کوفہ والے
اُن کا ساتھ نہ دیں۔ بلکہ حضرت علی رض کا ساتھ دیں۔ اب یہ
موقع عمار کے لئے کتنا مشکل تھا ایک طرف حضرت علیؓ ہیں اور دوسری
طرف عائشہ رض ہیں۔ لیکن انہوں نے نہایت جرأت و دلیری کے ساتھ
تقریر کی اور عدل و انصاف کو اپنے ہاتھ سے جانے نہ دیا۔
حضرت عمار نے سب سے پہلے حضرت عائشہ کی تعریف بیان فرمائی کہ
کہ ہم کو امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تاکہ میں
تم کو مطلع کر دوں کہ حضرت عائشہ رض اور اُن کے رفقاء بصرہ پہنچ گئے ہیں
واللہ انھا لزوجۃ نبیکم فی الدنیا والاٰخرۃ ولکن اللہ ابتلاکم
لیعلم ایاہ تطیعون ام ھی۔ خدا کی قسم حضرت عائشہ رض

نبی کی دنیا میں بھی بیوی تھیں اور آخرت میں بھی بیوی ہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو ایک نازک امتحان میں مبتلا کر دیا ہے تاکہ یہ بات ظاہر ہو جائے کہ تم حضرت علی رضہ کا ساتھ دیتے ہو یا حضرت عائشہ کا۔ حضرت عمار رضہ نے اگرچہ مختصر تقریر کی لیکن ان کے خلوص کا بہت اچھا اثر ہوا۔ اور اہل کوفہ حضرت علی رضہ کی حمایت کے لئے آمادہ ہو گئے۔ حضرت حسن خاموش بیٹھے تھے۔ حضرت عمار کی تقریر کے بعد حضرت حسن رضہ نے صرف چند کلمات فرمائے جس کا مطلب یہ تھا کہ میرے والد حضرت علی رضہ نے کہا ہے کہ میں ہر اُس شخص کو اللہ تعالیٰ کا خوف دلاتا ہوں جو حق کے معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی رعایت کرتا ہے اگر میں مظلوم ہوں تو خدا میری مدد کرے اور اگر میں ظالم ہوں تو خدا مجھے رسوا کرے۔ طلحہ رضہ اور زبیر نے پہلے میری بیعت کی تھی۔ لیکن پھر مجھ سے روگردانی کی حالانکہ میں نے کوئی ناجائز بات نہیں کی اور نہ خدا کے کسی حکم میں تبدیلی کی۔ بہر حال ان تقریروں کا بہت اچھا اثر ہوا اور اس کے بعد جنگ جمل واقع ہوئی۔ جب یہ جنگ ختم ہو گئی تو ایک دن حضرت عمار بن یاسر حضرت عائشہ رضہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

عمار بن یاسر رضہ کی تعریض حضرت ام المومنین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے ام المومنین! آپ نے اس عہد کو تو خوب پورا کیا جو آپ سے اللہ تعالیٰ نے لیا تھا۔ حضرت عمار رضہ کا مطلب اُسی آیت سے تھا جو میں نے ابھی پڑھی تھی وقرن فی بیوتکن یعنی اللہ تعالیٰ نے تو ازواج مطہرات سے عہد لیا تھا کہ تم اپنے گھروں میں قیام کرنا اور باہر نہ نکلنا لیکن آپ اپنے گھر سے نکل کر بصرے پہنچیں اور حضرت علی رضہ سے نبرد آزما

ہوئیں حضرت عائشہؓ نے یہ سن کر حضرت اشا فرمایا واللہ انک ما علمت تقول بالحق اے عمار! خدا کی قسم مجھے تمہارے متعلق یہ یقین ہے کہ تم ہمیشہ سچی بات کہتے ہو اور تم ہمیشہ حق گو ہو حضرت عمارؓ نے کہا الحمد للہ الذی قضی لی علی لسانک واحمد للہ اللہ تعالیٰ نے میرے متعلق آپ کی ہی زبان سے فیصلہ کرادیا۔ بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ عورتوں پر کوئی بداعتمادی نہیں ہے اور ان کو پردے کی ترغیب دینا ان پر خدانخواستہ بے اعتمادی کی دلیل نہیں ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو نبیؐ کی ازواج کو یہ حکم کیوں دیا جاتا۔ بلکہ یہ حکم عورتوں کی شرافت اور ان کی عزت و احترام کی غرض سے دیا گیا ہے کہ گھر سے نکلنا اور ہر جگہ دھکے کھاتے پھرنا اور روٹی کما کر لانا یہ کام مردوں کا ہے تمہارا نہیں ہے تم تو گھر کی ملکہ اور گھر کی زینت ہو۔ تمہارا کام تو صرف اس قدر ہے کہ مرد جو کچھ کما کر لائے اس کو ڈھنگ، سلیقہ، نیک چلنی اور کفایت شعاری سے خرچ کرو تاکہ تم کو بھی آرام ملے اور تمہارے خاوند کی بھی آبرو ہو۔

اپنے کلچر کی حفاظت

میرے معزز دوستو! آج جبکہ دنیا کلچر کلچر پکار رہی ہے اور قومی تہذیب کے بقا اور تحفظ کی ہر ممکن سعی کر رہی ہے۔ تمہاری تلون مزاجی اور بے راہ روی اور گمراہی کہاں تک مناسب معلوم ہوتی ہے میں یہی عرض کر رہا تھا اور افسوس ہے کہ اس میں دوسری باتیں آگئیں۔ آج تمام دنیا میں یہ کہا جا رہا ہے کہ ہر قوم کو اپنی قومی تہذیب کا تحفظ ضروری ہے۔ جب قومیں اپنی تہذیب

کو بچانے کی فکر میں مشغول ہوں اس وقت مسلمانوں کا اپنی تہذیب کو چھوڑ کر دوسری قوموں کی تہذیب اور کلچر کو اختیار کرنا کہاں تک معقول اور پسندیدہ ہو سکتا ہے؟

مَن تَشَبَّہَ بِقَومٍ فَھُوَ مِنھُم (تعلیقاً) آج جس کلچر اور تمدن کی جنتا کا شور مچایا جا رہا ہے اور جس کو قومی شعار کہکر یہ مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کا کلچر محفوظ رکھا جائے یہ وہی چیز تو ہے جس کو چودہ سو برس پہلے بطحا کی کنکریوں پر بیٹھ کر ایک دور بین اور دور رس پیغمبر نے فرمایا تھا کہ جو شخص دوسری قوم کا کلچر اختیار کرے گا اس کا شمار انہی میں ہوگا۔ یہی تو وہ حدیث ہے جس کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے میاں مولویوں کو بس ایک حدیث یاد ہو گئی ہے۔

اجی مولویوں کو تو بہت سی حدیثیں یاد ہیں لیکن تم کو حدیث کا ذوق کب ہے؟ اور تم نے مولویوں کی صورت کہاں دیکھی ہے۔ تمہارے سامنے تو ہم جیسے جاہل آتے ہیں تم ہم کو ہی مولوی سمجھتے ہو۔ بھائی مولوی کہاں ہیں مولویوں کی جگہ تو جاہلوں نے لے لی ہے۔

این چہ شوریست کہ در دورِ قمر می بینم　　ہمہ آفاق پر از فتنہ و شر می بینم
اسپ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالان　　طوقِ زرین ہمہ در گردنِ خر می بینم
ابلہان را ہمہ شربت ز گلاب و قند است　　قوتِ دانا ہمہ از خونِ جگر می بینم
دختران را ہمہ جنگ است و جدل با مادر　　پسران را ہمہ بدخواہ پدر می بینم

تم عطائیوں کو طبیب سمجھتے ہو یہی وجہ ہے کہ تمہارے مرضوں میں زیادتی ہوتی چلی جاتی ہے اور تم کو شفا کا منہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔

ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ مولویوں کو بہت حدیثیں یاد ہیں مگر تم کو سننے کی توفیق کہاں ہوتی ہے اور حدیث تو حدیث ہی ہے خواہ وہ ایک حدیث ہو یا بہت سی حدیثیں ہوں۔ جب مولوی کہتے تھے تو مذاق اڑاتے تھے کیوں صاحب داڑھی منڈوالی تو بس ہم ہندو ہو گئے؟ انگریزی بال رکھ لئے تو انگریز ہو گئے؟ یہ اچھا مذہب ہے کہ ذرا سی تبدیلی کی اور کفر کا فتویٰ لگا۔ عزیزان من! اگر یہ تبدیلیاں مضر نہیں ہیں تو کیوں کلچر کی حفاظت کا مطالبہ کر رہے ہو یہ وہ مطالبہ ہے جو مسلم کانفرنس جیسی مجلس جماعت کے بھی مطالبہ میں داخل ہے۔ جمعیتہ علماء ہند کے مطالبہ پر تو یہی کہتے تھے کہ تمام مطالبات وہ ہیں جو ہندوؤں کے کہنے سے مرتب کئے گئے ہیں لیکن مسلم کانفرنس تو وہ جماعت ہے جس کی ترتیب اور جس کا خاکہ لندن سے بن کر آیا تھا۔ اور جس کے ممبر ملائکہ مقربین کی طرح معصوم اور وفادار تھے۔ اب تو وہ جماعت بھی کلچر کے تحفظ کو بطور حق تسلیم کرانا چاہتی ہے۔ خیر مولویوں کو تنگ نظر قدامت پرست اور متعصب کہہ دو لیکن معاذ اللہ ہز ہائینس سر آغا خاں بالقابہ کی شان میں اس قسم کی گستاخی نہیں کی جا سکتی۔ پھر وہ اگر کلچر کی حفاظت کا مطالبہ کریں۔ تو اس قابل ہیں کہ ان کی تائید کی جائے۔ اور اگر مولوی دوسری قوموں کی مشابہت سے روکیں تو قدامت پرست اور قابل استہزاء سمجھے جائیں۔ میں پھر عرض کرتا ہوں سوال تو غیرت قومی کا ہے؟ اور معاف

کچھ وہ آپ میں مفقود ہے۔

مشرکین کے ہاتھ کا کھانا حضرات میری ایک عرصہ سے عادت ہے کہ اس غیر مسلم کے ہاتھ کی چھوئی ہوئی چیز کھاتا پیتا ہوں جو میرے ہاتھ کی چھوئی ہوئی کھا پی لیتا ہے میرا یہ عمل تقریباً پچیس سال سے ہے اور میرے اکثر دوستوں کو معلوم ہے ایک صاحب مجھ سے دریافت کرتے تھے کیوں صاحب غیر مسلموں کے ہاتھ کی کوئی چیز کھانی تو حرام ہے میں نے کہا نہیں تو۔ کس نے کہا ہے؟ فرمانے لگے قرآن میں لکھا ہے میں نے کہا بھائی ہم نے تو آجتک قرآن میں پڑھا نہیں انہوں نے نہایت سادے طریقے سے فرمایا انما المشرکون نجس میں نے عرض کیا مشرک کسے کہتے ہیں؟ فرمانے لگے جیسے ہندو، میں نے عرض کیا سکھ؟ کہنے لگے وہ بھی مشرک ہیں، میں نے دریافت کیا برمی یعنی وہ جو مہاتما بدھ کو پوجتے ہیں بولے وہ بھی مشرک ہیں۔ میں نے کہا عیسائی؟ فرمانے لگے وہ تو اہل کتاب ہیں مشرک نہیں ہیں۔ میں نے عرض کیا اگر وہ مشرک ہو جائیں مثلاً حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ کی تصویر کو پوجنے اور سجدہ کرنے لگیں تو بہت مجبوری سے کہنے لگے۔ اچھا وہ بھی۔ اب میں نے دریافت کیا اچھا مسلمان؟ فرمانے لگے استغفراللہ کہیں مسلمان بھی مشرک ہوتا ہے۔

اِنَّ المؤمن لا ینجس مجھے ان صاحب کے استغفار پڑھنے پر بے ساختہ ہنسی آگئی اور ساتھ ہی ایک حدیث بھی یاد آئی۔ ایک دفعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

حضورؐ سے راستہ میں ملاقات کی اور آپ کے ہمراہ آنے کے بجائے چپکے سے چلے گئے چونکہ ان کو غسل جنابت کرنا تھا۔ اس لئے غسل کر کے تھوڑی دیر کے بعد آئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو ہریرہؓ کہاں چلے گئے تھے۔ کہا یا رسول اللہ میں ناپاک تھا۔ میں نے ناپاکی کی حالت میں یہاں بیٹھنا مناسب نہیں سمجھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا سبحان اللہ ان المؤمن لا ینجس۔ سبحان اللہ کہیں مومن بھی ناپاک ہوتا ہے دیکھئے ایک جملہ فرما کر بہت بڑے مسئلہ کو صاف کر دیا اور بتا دیا کہ کہیں نجاست حکمی بھی نجاست حقیقی ہو سکتی ہے۔ بعض جاہل یہ کہا کرتے ہیں کہ حالت جنابت میں جو پسینہ آئے وہ بھی ناپاک ہے۔ کیونکہ ناپاک آدمی کا پسینہ بھی ناپاک ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملہ میں اس غلطی کی طرف اشارہ فرما دیا کہ کہیں مومن بھی ناپاک ہوتا ہے نجاست حکمی سے کوئی شخص ناپاک نہیں ہو جاتا ہے بلکہ وہ کھا پی سکتا ہے مجلس میں بیٹھ سکتا ہے۔ مصافحہ کر سکتا ہے۔ البتہ قرآن شریف نہیں پڑھ سکتا۔ مسجد میں نہیں جا سکتا۔ یہ احکام علیحدہ ہیں۔ لیکن اس کے ہاتھ کا کھانا نہ کھانا یا اس کے ہاتھ کا پانی نہ پینا یہ غلط ہے۔

حضرت عائشہ کی ایک روایت

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھایا کرتی تھی اور میں ایک ہڈی کو جس مقام سے چوستی تھی حضور بھی اس کو اسی مقام سے چوس لیا کرتے تھے حالانکہ میں ماہواری

ایام میں ہوتی تھی ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی
سے فرمایا ہاتھ بڑھا کر مسجد میں سے چٹائی اٹھا دو۔ انہوں نے عرض
کیا یا رسول اللہ میں تو ایام سے ہوں۔ فرمایا اِنَّ حَیضَتَکِ لَیسَتْ فِی
یَدِکِ تیرے ماہواری ایام کا کوئی اثر تیرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ بہر
حال مطلب یہ ہے کہ مسلمان جنابت کی حالت میں ناپاک نہیں ہوتا بلکہ
اس کے ساتھ کھانا پینا اور اختلاط جائز ہے۔ اس لئے کہ وہ نجاست
حقیقی نہیں ہے بلکہ حکمی ہے۔

ہاں تو وہ صاحب فرمانے لگے کہ مسلمان کبھی مشرک ہو سکتا ہے
میں نے کہا ایک مسلمان تعزیہ کو سجدہ کرے یا قبر کو سجدہ کرے۔ یا سید کے
نشان کو پوجے تو آپ اسے کیا کہیں گے۔ بے چارے مجبور ہو کر کہنے لگے
اچھا صاحب وہ بھی مشرک ہی سہی۔ جب وہ سب پر مشرک کا حکم لگا چکے
تو میں نے کہا ساری دنیا تو آپ کے نزدیک مشرک ہو گئی پھر آپ جیسے مسلمان
تو اپنے ہاتھ سے پکا کر کھایا کریں اور اپنے ہاتھ سے پانی نکال کر پیا کریں
میری اس گفتگو سے وہ کچھ سٹ پٹا گئے اور کچھ سوچ کر فرمایا حضرت معاف
کیجئے ہمارے مولوی ہی ہندوؤں سے مل گئے۔ اب ہمارا خدا ہی حافظ ہے
وہ تو ہم کو اچھوت کہیں۔ ہمارے ہاتھ کی اشیاء سے پرہیز کریں اور ہم اُن کے
ہاتھ کا کھا پی لیں اور ہمارے مولوی حرمت کا فتویٰ دیں تو بتائیے پھر
مسلمان کس طرح زندہ رہ سکتے ہیں۔ میں نے کہا آپ کو کس نے مجبور کیا ہے کہ
آپ اُن کے ہاتھ سے لے کر ضرور کھائیے۔ فرمانے لگے آپ کے فتوے نے

ہیں۔ سنے کہا دکھاؤ وہ فتویٰ کہاں ہے۔ وہ گھبرا گئے۔ ایسے ابھی یہی فتویٰ کہ آپ
ان کو ناپاک نہیں کہتے ہیں۔ اگر اس وقت آپ سب لوگ مل کر کہہ دیں کہ سب
مسلمان ان سے لین دین بند کر دیں اور اپنی دوکانیں کھول لیں۔ گویا یہ
عقلمند آدمی یہ سمجھتا تھا کہ حلال کو حرام یا حرام کو حلال کر دینا مولویوں کے قبضہ
میں ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

حضرت علیؓ اور نکاح ثانی

حضرات آپ لوگ تو شاید یہ خیال کرتے ہیں کہ علماء حرام و حلال کے ٹھیکیدار
ہیں لیکن شاید آپ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تقریر یاد نہیں جو
سرکارؐ نے حضرت علیؓ کے نکاح ثانی کی خبر سن کر فرمائی تھی۔ حضرت علیؓ
نے ایک موقع پر ابوجہل کی لڑکی سے نکاح کا ارادہ کیا تھا اور آپ حضرت
خاتون محشرؓ پر سوکن لانا چاہتے تھے۔ حضرت فاطمہؓ آپ کے نکاح میں
موجود تھیں۔ آپ ان کی موجودگی کے باوجود دوسری شادی کا قصد فرما
رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ خبر ہوئی تو آپ نے منبر پر
ایک تقریر فرمائی اس میں اس امر کو ظاہر کیا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ علی
دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں مجھ سے بنو ہشام اس بات کی اجازت
طلب کرتے ہیں کہ عورا بنت ابوجہل سے نکاح کرنے کی اجازت مجھے
دوں انی لست احرم حلالا ولا احل حراما۔ تو میں کسی حلال
چیز کو حرام یا حرام چیز کو حلال نہیں کرتا لیکن اتنا ضرور کہتا ہوں کہ
رسول اللہ کی بیٹی عدو اللہ کی بیٹی کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ ہاں علیؓ

کو ہرگز اجازت نہیں دے سکتا۔ البتہ اگر وہ عورا مر سے نکاح کرنا چاہتے ہیں تو میری بیٹی کو طلاق دیدیں اور بنی ہشام کی لڑکی سے شادی کرلیں، فاطمہؓ میرے جسم کا ایک ٹکڑا ہے جس کو وہ ناپسند کرتی ہے۔ اس چیز کو میں بھی ناپسند کرتا ہوں اور جس چیز سے فاطمہؓ کو تکلیف ہوتی ہے اس سے مجھ کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔ اس روایت میں جو جملہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اس کو ملاحظہ کیجئے۔ آپ مولویوں کو حرام و حلال کا مالک سمجھتے ہیں۔ وہاں جو واقعی حرام و حلال کے مالک ہیں وہ فرماتے ہیں میں حرام کو حلال یا حلال کو حرام نہیں کرتا۔ دیکھا یہ ہے خدائی دین جہاں پیغمبر بھی مداخلت سے معذرت ظاہر کرتے ہیں۔ حضور کے ان کلمات کے بعد حضرت علیؓ اپنے ارادے سے باز آگئے۔

اقرع بن حابس کا واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک ہی تو ایک مستقل شریعت ہے۔ آپ جس کو حرام کردیں وہ حرام اور آپ جس کو حلال کہہ دیں وہ حلال چنانچہ جب حج کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو آپ نے مسلمانوں کو جمع کرکے یہ حکم سنایا کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب استطاعت اور سرمایہ دار حضرات پر بیت اللہ کا حج فرض کیا ہے ایک صاحب جن کا نام اقرع بن حابس ہے دوران تقریر میں بول پڑے افی کل عام یارسول اللہ کیا یہ حج ہر سال کرنا ہوگا اقرع بن حابس کی اس جلد بازی پر حضور ناراض ہوئے اور فرمایا میری بات ختم ہونے نہیں دیتے اور لوگ بیچ میں بول پڑتے ہیں، اگر میری زبان

سے ہاں نکل جاتا تو ہر سال کے لئے مالداروں پر حج فرض ہو جاتا۔ اس قسم کے اور صدہا واقعات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور آپ کی زبان مبارک ہی حرام وحلال کی ذمہ دار ہے آپ کے ایک ایک لفظ میں ہزاروں احکام پنہاں ہیں۔ اسی طرف حضرت حق نے ارشاد فرمایا ہے ما[1] اتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا ہمارا رسول جس بات کا حکم دے اس کو بجالاؤ اور جس چیز سے منع کرے اس سے باز آجاؤ۔

مغیث کی زوجہ بریرہ کا واقعہ بریرہ حضرت عائشہؓ کی ایک لونڈی ہے۔ اس کے خاوند کا نام مغیث ہے۔ اس کے واقعات احادیث میں آتے ہیں۔ یہ بریرہ ایک دن گوشت پکا رہی تھی۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آپ نے فرمایا بریرہ کیا پکا رہی ہو۔ بریرہ نے عرض کیا یارسولؐ اللہ گوشت ہے۔ آپ نے فرمایا ہم کو بھی کھلاؤ۔ اس نے عرض کیا یارسول اللہ یہ گوشت صدقہ کا ہے اور آپ تو صدقہ کا استعمال نہیں کرتے سرکار نے فرمایا لك صدقۃ ولنا ھدیۃ۔ صدقہ تو تیرے لئے ہے ہمارے لئے تو ہدیہ ہے سرکار نے ایک جملہ فرمایا اور ایک ہی جملہ میں ایسا اصول بیان فرمادیا جس میں لاکھوں جزئیات پوشیدہ ہیں۔ لك صدقۃ ولنا ھدیۃ کا مطلب یہ ہے کہ جب ملک تبدیل ہو جائے گی حکم بدل جائیگا۔

---

[1] جو دیوے تم کو رسول سو لیلو اور جس سے منع کرے سو چھوڑ دو ۱۲

بریرہ کو جب دیا گیا تو گوشت صدقہ تھا۔ لیکن بریرہ کی جب ملک ہو گیا تو اب اس کا حکم بدل گیا۔ جب ملک بدلے گی تو حکم بدل جائے گا۔ ایک جملہ ہے اور اس سے لاکھوں مسئلے نکلتے ہیں۔ اب خیال کیجئے کہ جو صاحب شریعت ہو کر یہ فرمائے کہ میں حلال کو حرام یا حرام کو حلال نہیں کر تا۔ اللہ تعالیٰ جس کو حلال کر دے وہ حلال ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو حرام کر دے وہ حرام ہے تو بے چارے مولوی کس گنتی میں ہیں۔

جسم انسانی کا حکم آپ حضرات سب سے پہلے ایک مسئلہ سمجھ لیجئے کہ انبیاء علیہم السلام کی شریعت نے کسی انسان کے جسم کو ناپاک قرار نہیں دیا۔ عام اس سے کہ وہ مسلمان کا جسم ہو یا کافر کا خدائی تہذیب میں انسانی شرافت کا پورا لحاظ کرتے ہوئے اس امر کو صاف کر دیا گیا ہے کہ انسان کا جسم اگر اس پر کوئی ظاہری نجاست پیشاب پاخانہ لگا ہوا نہ ہو تو وہ پاک ہے اگر کوئی ظاہری نجاست کسی انسان کے جسم پر موجود ہو تو وہ حصہ جسم ناپاک ہو گا۔ خواہ وہ مسلمان کا بدن ہو یا کافر کا اور اگر ظاہری نجاست لگی ہوئی نہ ہو تو وہ جسم پاک ہے محض اس بنا پر کہ کافر کا جسم ہے اس کو ناپاک کہا جائے۔ یہ صحیح نہیں ہے۔ یہ امر کہ کسی آدمی کے جسم کو ناپاک سمجھا جائے اور اس بنا پر ناپاک سمجھا جائے کہ اس کے خیالات یا عقائد ہمارے خلاف ہیں یہ ایک ایسا غلط اور نامعقول خیال ہے کہ کوئی سمجھدار اس کا قائل نہیں ہو سکتا چہ جائے کہ اسلام ایسی نامعقول بات کہے اگر یہ اصول تسلیم کیا جائے کہ کافر یا مشرک کا

جسم ناپاک ہے تو پھر کسی کافر کے ہاتھ کی چھوئی ہوئی چیز کا کیا سوال ہے بلکہ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ کسی کافر کو ہاتھ لگانا۔ اس کے پاس بیٹھنا یا اس سے ہاتھ ملانا یہ سب حرام ہو جائے گا۔ اگر یہ نامعقول بات کسی مذہب میں پائی ہو تو وہ مذہب کا بہت عیب بلکہ اس مذہب کے ماننے والوں کے ماتھے پر ایک بدنما داغ ہے بھلا کوئی فطری مذہب جو قوانین قدرت پر مبنی ہو اور عالمگیر ہونے کا دعویٰ کرتا ہو وہ اس قسم کا غلط اور نامعقول اصول کیسے بنا سکتا ہے اور وہ دنیا میں زندگی ہی کس طرح بسر کر سکتا ہے۔ انسان کے بدن کو پیشاب اور پاخانہ کی طرح نجس خیال کرنا کسی غیر آسمانی مذہب کے نزدیک صحیح ہو تو ہو لیکن اسلام ایسی لغو بات کا کس طرح تحمل کر سکتا ہے۔ یہ تو وہ غلط چیز ہے جس کی ہم کو ہندوؤں سے شکایت ہے۔ کہ ہندو ہم کو بھنگی سمجھتے ہیں ہم سے چھوت کرتے ہیں یہی وہ غلط چیز ہے جس کا اب ہندوؤں کو بھی احساس ہو چلا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ انسان کے تمدن اور اس کی زندگی کے لئے یہ ناممکن ہے کہ کسی انسان کو بحیثیت انسان کے ناپاک سمجھا جائے۔ یہ بات صرف نامعقول ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے پھر بھلا ایسی نامعقول بات کو جس کو ہر سمجھ دار انسان برا سمجھتا ہے تم اس کو اسلام میں داخل کرنا چاہتے ہو بنی نوع انسان کے جسم پر نجاست کا حکم لگانا یہ احمقانہ ذہنیت کا مظاہرہ ہے۔ جس سے مقدس اسلام کو دور رہنا ہے۔

انما المشرکون نجس کا مطلب

آپ کو ایک آیت انما المشرکون نجس

کی خدا جانے کس نے یاد کرادی ہے۔ جب کبھی فرقہ وارانہ بحث ہوتی ہے تو آپ یہی آیت پڑھ دیتے ہیں۔ آپ سمجھتے ہیں کہ قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ کر آدمی مولوی بن جاتا ہے اور اس کو یہ حق ہوجاتا ہے کہ وہ جس آیت سے چاہے استدلال کرے۔ میں عرض کرتا ہوں آپ اسی آیت کو پورا پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوجائے گا کہ یہاں نجاست سے کیا مراد ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا مشرکین ناپاک ہیں آئندہ ان کو مسجد حرام یعنی بیت اللہ کے قریب بھی نہ آنے دیا جائے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے کعبہ پر مشرکین کا قبضہ تھا جب اللہ تعالیٰ نے مکہ فتح کرادیا اور حضرت خلیل کے حقیقی وارثوں کو بیت الحرام کی جاروب کشی کا فخر حاصل ہوگیا۔ تو حکم دیا گیا کہ اس سال کے بعد مشرکین اس مقدس گھر میں نہیں آسکتے اور نہ اس کا حج کرسکتے ہیں، اور نہ بیت اللہ کا طواف کرسکتے ہیں۔ بیت اللہ کے داخلہ کی ممانعت کے سلسلہ میں ان کو نجس فرمایا گیا۔ آیت میں جس نجاست کی طرف اشارہ ہے وہ نجاست ایسی ہے جس کے باعث وہ مسجد حرام میں نہیں آسکتے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ مشرک پاخانہ کا ٹوکرہ یا پیشاب کا مٹکہ ہیں۔ جن کو چھونا یا ہاتھ لگانا یا ان کی چھوئی ہوئی چیز کا کھانا حرام ہے۔ آپ کے فقہائے تو اس کی تصریح کی ہے کہ یہ عدم قرب کا حکم صرف مسجد حرام کے ساتھ مخصوص ہے یعنی صرف مسجد حرام میں نہیں جاسکتے۔ باقی مساجد میں آن

---

[1] مشرک جو ہیں پلید ہیں سو نزدیک نہ آویں مسجد الحرام کے اس برس کے بعد۔

کو جانے کی اجازت ہے اگر یہ نجاست واقعی اور حقیقی نجاست ہوتی تو پھر مسجد حرام کی تخصیص کی کیا ضرورت تھی، بلکہ کسی مکان میں بھی ان کو داخلہ کی اجازت نہیں ہوتی اور کوئی مسلمان ان کے پاس بیٹھ بھی نہ سکتا۔ اگر وہ واقعی حقیقی نجس ہیں تو پھر اُن کے اشتراک عمل سے کوئی کام بھی نہیں ہو سکتا۔ جس فرش پر وہ بیٹھ جائیں وہ ناپاک، جس برتن کو وہ ہاتھ لگا دیں وہ ناپاک، جس چیز کو چھو لیں وہ ناپاک، اگر مشرکین کو پاخانہ پیشاب کی طرح ناپاک سمجھ لیا جائے پھر تو یہی ہوگا جو میں نے عرض کیا ہے حالانکہ اس قسم کی احتیاط کے تو آپ بھی قائل نہیں ہیں۔ جب وہ پاخانہ پیشاب کی طرح ناپاک نہیں ہیں تو پھر بتاؤ وہ نجاست کیسی ہے۔ یہ عجیب نجاست کا حکم ہے کہ مشرک کے ہاتھ کی چیز ناپاک ہے باقی اس ناپاک شخص کے ساتھ یعنی اس نجاست کے ٹوکرے کے ساتھ ہر قسم کا اشتراک عمل جائز ہے۔

جنبی کی نجاست

میرے معزز دوستو! مشرک کی نجاست بعض ایسی ہے جیسے جنبی مسلمان کی نجاست کہ وہ ہر اعتبار سے پاک ہے مگر جب تک غسل جنابت نہ کرے مسجد میں نہیں جا سکتا۔ قرآن شریف نہیں پڑھ سکتا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا تھا۔ کہ سبحان اللہ کہیں مومن بھی ناپاک ہوتا ہے لیکن باوجود مومن کے پاکیزہ اور مطہر ہونے کے پھر بھی حالت جنابت میں مسجد کے اندر جانا ممنوع ہے۔ میں جناب سے دریافت کرتا ہوں کہ کیا حالت جنابت میں مسلمان نجس ہوتا ہے؟ آپ جانتے ہیں مسلمان تو

نجس نہیں ہیں لیکن پھر بھی غسل واجب اور مسجد میں جانا حرام، اسی طرح
کافر کی نجاست یہ ہے کہ اس کو مسجد حرام میں جانا ناجائز ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ مسئلہ صاف ہو گیا ہو گا مسلمانوں کی جنابت میں جو
حالت ہے وہی مشرک کی عام حالت ہے کہ کھانا پینا۔ ملنا۔ جلنا، اختلاط
ایک برتن میں مل کر کھانا۔ ایک گلاس میں پانی پینا سب جائز لیکن
مسجد حرام میں جانا ناجائز قرآن پڑھنا ناجائز۔ اسی طرح مشرک کے
ساتھ کھانا پینا اختلاط سب جائز لیکن مسجد حرام میں اس کا داخلہ ناجائز
مسلمان اگر غسل کرے تو مسجد میں جا سکتا ہے مشرک اگر قبول اسلام کرے
تو مسجد حرام میں جا سکتا ہے۔

ظاہری نجاست کا حکم ایک بات ضرور یاد رکھنے میں نے جو کچھ
کہا جسم انسانی کے متعلق کہا ہے یعنی انسان
کے متعلق کہا ہے جس کے جسم پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو اس کا بدن پاک صاف
ہو اور اگر کسی شخص کے جسم پر ظاہری نجاست لگی ہوئی ہو تو پھر وہ جسم ناپاک ہے
مثلاً ایک مشرک کی انگلیوں میں پاخانہ لگا ہوا ہے یا اس کی انگلیاں شراب
میں بھیگی ہوئی ہیں تو جب تک وہ ہاتھ دھو کر اس نجاست ظاہری کو دور نہ کر دے
اس کا ہاتھ پاک نہ ہو گا۔ البتہ نجاست دور کر دینے کے بعد ہاتھ پاک ہو جائیگا
اور اس حکم میں کچھ مسلمان اور غیر مسلم کا فرق نہیں ہے بلکہ اگر مسلمان کا ہاتھ
نجاست ظاہری سے آلودہ ہو تو اس کا بھی یہی حکم ہے یعنی اس کا بھی ہاتھ
ناپاک ہے جب تک وہ نجاست کو دور نہ کر دے مطلب یہ ہے کہ جہاں

تک کسی انسان کے جسم کا تعلق ہے وہ فی نفسہ پاک ہے۔ خواہ کسی انسان کا جسم ہو اور اگر اس پر کوئی نجاست لگی ہوئی ہے تو وہ ناپاک ہے خواہ کسی انسان کا جسم ہو۔

کفار کے جواب پر سرکار دو عالم کا اضطراب } دیکھئے بات کہیں سے کہیں پہنچ

گئی پہلے ہی بے چارے مولوی بدنام ہیں کہ ان کو ٹوڈی پائنٹ رہنا نہیں آتا۔ مگر میں آپ کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ دین کا ہر مسئلہ سیرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھتا ہے۔ بس کہیں بھی چلا جاؤں لیکن اپنے پائنٹ سے علیحدہ نہیں ہوں۔ کسی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیسے تھے۔ آپ نے جواب دیا کہ آپ کے اخلاق قرآن کی تفسیر تھے۔ اور آپ کا خلق قرآن ہی تھا۔ جب آپ کے اخلاق اور قرآن دونوں ایک ہوئے تو پھر تمام قرآن کا بیان تقریر سیرت ہی کہا جائے گا۔

بہرحال یہ عرض کر رہا تھا کہ کفار مکہ نے جب حرم میں یہ کہکر دعا مانگی کہ یا اللہ اگر یہ قرآن حق ہے اور یہ پیغمبر تیری طرف سے آیا ہے تو ہم پر پتھر برسا دے یا کوئی دردناک عذاب ہم پر نازل کردے۔ تو حضرت حق نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کا لحاظ کرتے ہوئے عذاب نازل نہیں کیا اور یہ فرمایا بھلا کس طرح ہوسکتا ہے کہ رحمۃ للعالمین تو اپنی امت میں موجود ہوں اور پھر اُن کی اُمت

پر عذاب نازل کیا جاوے۔

تصدیق نبوت اور نزول عذاب کا حضرات! آپ نے دیکھا ایک طرف نبوت و قرآن کی تصدیق تھی اور دوسری طرف رسالت پناہ کی رحمت عامہ کی شہرت تھی اللہ تعالیٰ نے اس شہرت کا تحفظ کیا اور اس کی پروا نہیں کی کہ یہ اپنے کفر و تکذیب میں مضبوط ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جن کی قسمت میں ایمان نہیں ہے وہ تو کسی طرح بھی ایمان نہ لائیں گے۔ اگر عذاب نازل کر بھی دیا گیا تب بھی محروم القسمت لوگوں کو نصیب نہ ہوگا ؎

گلیم بخت کسے را کہ بافتند سیاہ ☆ بآب زمزم و کوثر سفید نتواں کرد

لیکن اگر عذاب نازل ہو گیا تو یہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت کے خلاف ہوگا۔ اس لئے سرکار کی شہرت کا تحفظ اقرار نبوت و رسالت سے مقدم سمجھا گیا۔

رحمۃ للعلمین و دیگر انبیاء کا ان ہی باتوں سے وہ فرق معلوم ہو جاتا ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کے طرز عمل میں موجود ہے۔ ہر پیغمبر کی امت نے اپنے نبی کو ستانے اور تکلیف پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ جو جو طریقے ایذا رسانی کے ہو سکتے تھے ان میں شاید ہی کوئی طریقہ ایسا ہوگا جو باطل پرستوں نے اہل حق کو اذیت پہنچانے میں استعمال نہ کیا ہو۔ اجی سب سے زیادہ اذیت تو زبان کی ہے جس کا زخم ہی نہیں بھرتا کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

جراحات السنان لہا التیام ولا یلتام ما جرح اللسان

آلات حرب کے زخم تو کبھی بھر بھی جاتے ہیں لیکن زبان اور وہ بھی اپنوں کی زبان پھر ان کی زبان جنکی لوجہ اللہ بغیر کسی دنیاوی نفع کے خدمت بھی کی جاتی ہے ایسی زبان کا زخم کس طرح بھر سکتا ہے۔ ان انبیاء علیہم السلام کے واقعات ایسے دردناک ہیں کہ جب ان پہ غور کیا جاتا ہے تو خدا کی قسم کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ میں آپ کو تفصیل میں ڈالنا نہیں چاہتا لیکن اجمال کے طور پر وہ تکالیف بتانا چاہتا ہوں جو باطل پرستوں نے حضرات انبیاء کو پہنچائی ہیں

انبیاء علیہم السلام کی تکالیف

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کا یہ قول بہت مشہور ہے لئن لم تنته ینوح لتکونن من المرجومین۔ اے نوح اگر تم اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم تم کو پتھروں سے کچل ڈالیں گے۔ حضرت نوح خود اپنے مصائب کا حال جن الفاظ میں بیان کرتے ہیں وہ سنیے حضرت نوح اپنی قوم کی نافرمانی اور ماذیت کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ رب انی دعوت قومی لیلا و نہارا فلم یزدهم دعاءی الا فرارا و انی کلما دعوتهم لتغفر لهم جعلوا اصابعهم فی اذانهم و استغشوا ثیابهم و اصروا و استکبروا استکبارا[1] اے میرے رب میں نے اپنی قوم کو رات اور دن تبلیغ کی اور برابر ان کو بلاتا رہا لیکن جس

[1] اے رب میں بلاتا رہا اپنی قوم کو رات اور دن پھر میرے بلانے سے اور زیادہ بھاگنے ہی رہے اور میں نے جس بار ان کو بلایا تاکہ تو ان کو معاف کرے۔ ڈالنے لگے اپنی انگلیاں کانوں میں اور اوپر لیٹے اپنے کپڑے اور ضد کی اور غرور کیا بڑا غرور۔

قادریں سے ان کو بلایا اسی قدر مجھ سے بھاگتے رہے۔ میں نے ان کو جب یہ کہہ کر بلایا کہ آؤ خدا سے استغفار کریں تو انہوں نے اپنے کانوں میں انگلیاں دے لیں تاکہ میری آواز اُن کے کان میں نہ پہنچ جائے اور انہوں نے کپڑا اوڑھ لیا۔ تاکہ میری نصیحت کا اثر اُن کے جسم پر نہ ہو جائے۔ اور بہت ساتھ ضد، ہٹ دھرمی، غرور اور تکبر سے پیش آئے۔ جناب تو آجکل کے مشرکین کا یہی شکوہ کرتے ہیں کہ وہ ہم سے چھوت کرتے ہیں تمہیں کیا خبر ہے کہ حضرت نوح کی بدقسمت قوم اُن کی آواز سے بھی چھوت کرتی تھی کہ کہیں ان کی آواز کا اثر ہمارے جسم پر نہ ہو جائے۔

حضرت ہود علیہ السلام کی جن الفاظ میں تواضع کیگئی وہ بھی سنیئے وما نحن بتارکی الھتنا عن قولک وما نحن لک بمومنین ان نقول الا اعترٰک بعض الھتنا بسوٓء ہم اپنے معبودوں کو تیرے کہنے سے چھوڑنے والے نہیں ہیں اور نہ ہم تجھ پر ایمان لانے والے ہیں[۱] اور ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تو ہمارے کسی معبود کے جھپیٹے میں آگیا ہے۔ گویا تیرے دماغ کی خرابی اور مالیخولیا کا سبب بھی یہی ہے کہ ہمارے معبود تجھ سے ناراض ہیں۔

حضرت شعیب کو جو کچھ کہا گیا اس کا خلاصہ بھی میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ اگر تیری برادری کا خیال نہ ہوتا تو تجھ کو رجم کر دیتے۔ سورۂ اعراف میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے لنخرجنک یشعیب والذین امنوا معک من

---

[۱] اور ہم نہیں چھوڑنے والے اپنے ٹھاکروں کو تیرے کہے سے اور نہیں ہم تجکو ماننے والے ہم تو یہی کہتے ہیں تجھ کو جھپٹ لیا ہے کسی ہمارے ٹھاکروں میں سے بُری طرح۔

قریتنا او لتعودن فی ملتنا۔ اے شعیب ہم تجھ کو اور تیرے ساتھی مسلمانوں کو اپنی بستی سے نکال دیں گے ورنہ تم ہمارے دین میں داخل ہو جاؤ یہاں عود کے معنی یا تو مجازی طور پر کفر قبول کرنے کے ہیں یا حقیقتاً ان کا خیال تھا کہ یہ لوگ بد دین ہو گئے ہیں اور اپنی اصل ملت کو ترک کر چکے ہیں۔ اسی لئے کہا لتعودن یعنی دین اور ملت سے نکل گئے ہو اسی میں پھر واپس آجاؤ محض کفار کا خیال قرآن نے بیان کیا ہے۔ ورنہ معاذ اللہ یہ مطلب نہیں کہ حضرت شعیب پہلے کفر کی ملت میں تھے اور بعد میں مسلمان ہوئے تھے۔

حضرت صالح کو قتل کرنیکے منصوبے

حضرت صالح علیہ السلام کو زبان سے جو کچھ اذیتیں پہنچائیں ان کا تو ذکر ہی کیا ہے انما انت من المسحرین تو مسحور ہے تجھ پر جادو کر دیا گیا ہے[۱] تو جھوٹا ہے اگر سچا ہے تو عذاب کیوں نہیں لاتا حضرت صالح کو جو اونٹنی بطور معجزہ دی گئی تھی اس کو مار ڈالا۔ خیر یہ تو جو کچھ ہوا وہ ہوا بستی کے بعض بد معاش آدمی جن کی تعداد قرآن نے نو بتائی ہے اس پر تیار ہو گئے۔ کہ حضرت صالح کو قتل کر دو۔ حضرت صالح نے بستی سے باہر ایک مسجد بنا رکھی تھی اس میں نماز کو جایا کرتے تھے۔ ان کمبختوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ جب مسجد میں جائیں تو ان کو وہیں شب کی تاریکی میں قتل کر ڈالو اور اگر مقدمہ چلے تو اپنے بیانوں میں کہہ دو کہ ہم تو اس دن یہاں تھے ہی نہیں ہم تو سفر میں گئے ہوئے تھے یعنی جواب دعویٰ میں اپنی غیر حاضری ثابت کر دو۔ حضرت حق نے پورا مقدمہ

[۱] تجھ پر تو کسی نے جادو کیا ہے۔

اور اس کی روئیداد انیسویں[19] پارے میں ذکر کی ہے قالو تقاسموا باللہ لنبیتنہ واھلہ ثم لنقولن لولیہ ما شھدنا مھلک اھلہ وانا لصدقون ان نو بدمعاشوں اور غنڈوں نے کہا آپس میں اللہ کی قسم کھاؤ کہ رات کو صالح اور اس کے متعلقین پر شب خون ماریں گے پھر اگر پکڑے گئے تو کہہ دیں گے ہم موقع پر موجود نہیں تھے۔ اور خدا کی قسم ہم سچے ہیں۔

حضرت لوطؑ کے مصائب[1] حضرت لوط کو جو کچھ کہا گیا وہ یہ[2] ہے اخرجوا ال لوط من قریتکم انھم اناس یتطھرون۔ لوط کے متعلقین کو اپنی بستی سے نکال دو۔ یہ بڑے پاکیزہ بنے پھرتے ہیں گویا ان کو اپنے پاک ہونے کا دعوی ہے سورہ شعراء میں اُن کا قول حضرت لوط کو براہ راست خطاب کرتے ہوئے نقل کیا ہے۔

لئن لم تنتہ یلوط لتکونن من المخرجین۔ اے لوط اگر تو اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا تو یاد رکھیو تجھ کو ہماری بستی میں رہنا نصیب نہیں ہوگا۔

سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تو میں ذکر ہی کر رہا تھا جو انشاء اللہ ابھی پورا کروں گا۔ اُن کو تو اُن کی قوم نے آگ میں ہی جھونک دیا تھا اور جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو ان کو جلا وطن کر دیا۔ قوم تو قوم خود اُن کے والد بزرگوار

---

[1] بولے آپس میں قسم کھاؤ اللہ کی مقرر رات کو پڑیں ہم اس پر اور اس کے گھر پر پھر کہہ دیں گے اس کے دعوی کرنیوالے کو ہم نے نہیں دیکھا جب تباہ ہوا اس کا گھر اور ہم بیشک سچ کہتے ہیں۔ [2] نکالو لوط کو اپنے شہر سے یہ لوگ ہیں ستھرے رہا چاہتے ہیں۔

نے فرمایا تھا! اراغبٌ انت عن الهتی یا ابراهیم لئن لم تنته لارجمنك واهجرنی ملیاً۔ اے ابراہیم تو میرے معبودوں کو برا کہنے اور ان کی پرستش کو منع کرنے سے باز آجا ورنہ میں تجھ کو سنگسار کردوں گا اور تو میرے پاس سے چلا جا اور کچھ عرصہ کے لئے اپنی صورت مجھے نہ دکھا۔

حضرت ابراہیم کا ایک خاص واقعہ میں نے بعض سیر کی کتابوں میں دیکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کے باپ جب اپنے صاحبزادے کے مقابلہ میں مناظرہ نہ کرسکے اور حضرت ابراہیم کی معقول باتوں کا جواب نہ دے سکے تو انہوں نے کہا کہ ابراہیم اگر بت جو میں نے اپنے ہاتھ سے بنائے ہیں اور جو میرے تجارتی گودام میں رکھے ہوئے ہیں اگر تیری رسالت اور تیرے خدا کی توحید کا اعتراف کرلیں تو میں تجھ پر ایمان لے آؤں گا۔ حضرت ابراہیم یہ سنکر بت خانہ میں گئے اور اور تمام بتوں کو خطاب کرکے فرمایا، تم نے ایک دنیا کو گمراہ کر رکھا ہے اور اور تمہارا وجود عام گمراہی کا موجب ہے۔ لیکن آج ایک کام میرا بھی کردو۔ میرا باپ اس شرط پہ مسلمان ہوتا ہے کہ تم میری تصدیق کردو۔ حضرت ابراہیم کی توجہ کا یہ اثر ہوا کہ بتوں نے لا الٰہ الا اللّٰہ ابراہیم خلیل اللّٰہ کی صدا بلند کردی۔ حضرت ابراہیم نے باپ کو گودام میں بلا کر پتھر کی مورتیوں سے اپنی تصدیق کرادی۔ حضرت ابراہیمؑ کے والد بت

لہ کیا تو پھرا ہوا ہے میرے ٹھاکروں سے اے ابراہیم اگر نہ چھوڑیگا تو تجھ کو پتھراؤ سے ماروں گا اور مجھ سے دور جا ایک مدت تک ۔

پریشان ہوئے اور جلدی سے بیٹے کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے آئے اور باہر آکر کہنے لگے میں نے تو بت تراشی میں کمال پیدا کیا تھا۔ لیکن لڑکے تو نے جادو میں کمال پیدا کیا ہے۔ تیرے جادو نے پتھر کی مورتیوں سے کلمہ پڑھوا دیا۔ حضرت ابراہیم کو اس سے بڑی تکلیف ہوئی اور انہوں نے کہا اے میرے باپ! ایک میری خواہش ہے اس کو تو پورا کر دے مجھے اجازت دے کہ تیرے گودام میں جس قدر مورتیاں رکھی ہوئی ہیں اُن کو میں اپنے ہاتھ سے توڑ ڈالوں باپ نے سوچا کہ بت بنانا میرے ہاتھ کا کام ہے۔ اگر یہ توڑ ڈالیں گے پھر بنا لوں گا۔ یہ سوچ کر اجازت دیدی اور کہا میری آنکھوں کے سامنے یہ کام نہ کر جب میں کہیں چلا جاؤں تو توڑ دینا۔ حضرت ابراہیم ایک لوہے کا ہتھوڑا لیکر گودام میں داخل ہوئے چاہتے تھے کہ بتوں کو چکنا چور کر دیں۔ یکایک حضرت جبرئیل تشریف لائے اور انہوں نے فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور یہ فرماتا ہے کہ اے ابراہیمؑ اگرچہ یہ بت پتھر کے ہیں۔ لیکن میری توحید اور تیری رسالت کا اقرار کر چکے ہیں اس لئے ان کو عذاب نہ کر اور ان کو نہ توڑ۔

میرے دوستو! آپ خیال کیجئے کہ پتھر کے بت جب توحید و رسالت کا اقرار کر لیتے ہیں۔ تو خلیل کے عذاب سے محفوظ رہتے ہیں تو کیا انسان جو کلمۂ توحید پڑھتے ہیں وہ رب جلیل کے عذاب سے محفوظ نہ رہیں گے۔ پھر بتوں نے تو کلمۂ توحید خلیلؑ کی خوشنودی کے لئے پڑھا تھا اور تم تو کلمۂ توحید حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے پڑھتے ہو خیر یہ

تو ایک واعظانہ نکتہ تھا۔ جو میں نے عرض کر دیا۔ اصل بحث تو یہ تھی کہ ہر ایک پیغمبر کی امت نے اپنے نبی کو ستانے اور تکلیف پہنچانے میں کوئی کمی نہیں کی۔

حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کے متعلق تفصیلی واقعات قرآن میں مذکور نہیں ہیں لیکن تفاسیر میں جو کچھ ذکر ہے اُن کا مبنیٰ اگرچہ بہت کچھ اسرائیلیات پر ہے پھر بھی وہ ایسے ہولناک واقعات ہیں کہ جن کو سن کر انسان کانپ جاتا ہے۔ لوگ اپنی نفسانی خواہشات اور باپ دادا کی رسومات واہیہ کی اتباع میں کس قدر سفاکی اور خونریزی پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ وہ کر گذرتا ہے جو انسانیت کے لئے ننگ و عار ہے۔

حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے واقعات حد سے زیادہ دلگداز ہیں فرعون اور اس کی حکومت کے مظالم۔ قارون کے الزامات بنی اسرائیل کا دشمن کے مقابلہ سے فرار اور فرار بھی یہ کہکر کہ اے موسیٰؑ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھ کر تماشہ دیکھیں گے فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُوْنَ۔ تو اور تیرا رب دونوں ملکر جنگ کریں ہم بیٹھے ہیں حضرت موسیٰؑ توراۃ حاصل کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ یہاں قوم نے گئوسالہ کی پرستش شروع کر دی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر حضرت ہارون کے قتل کا

لے سو جا تو اور تیرا رب دونوں لڑو ہم یہاں ہی بیٹھے ہیں۔

الزام لگایا گیا۔ ان کی طرف ایسے مرض کی نسبت کی گئی جس کو اورزہ کہتے ہیں اور جو اس وقت معیوب سمجھا جاتا تھا اور اوباش و عیاش لوگ اس مرض میں مبتلا ہوتے تھے۔ غرض وہ کونسی تکلیف تھی جو حضرت موسیٰؑ کو نہیں پہنچائی گئی اور وہ کونسی روحانی یا جسمانی اذیت تھی جو حضرت موسیٰؑ کو نہیں دی گئی حضرت عیسیٰؑ کو تو ان کے حوارین نے استاد ہی استاد کہتے کہتے یہودی پولیس کے حوالے کر دیا۔ بہر حال ان تکالیف کا تصور کرنا آپ کے لیے مشکل ہے جو انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کی قوم کے ہاتھوں پہنچائی گئیں۔

مظلوم مسلمانوں کی دربار رسالت میں شکایت

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض مخلص مسلمانوں نے کفار کی عقوبت کا شکوہ کیا تھا۔ آپ حرم میں لیٹے ہوئے تھے اسی وقت اٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ تم کو خبر نہیں کہ تم سے پہلوں پر کیا ہو گزری ہے ان کو قتل کیا گیا ہے اور بعض کی کھالوں کو لوہے کی کنگھیوں سے نوچا گیا ہے۔ یعنی ایک زندہ انسان کے گوشت کو کنگھی سے جو بالوں میں کی جاتی ہے نوچا، لوہے کی کنگھی بنا کر اس سے گوشت کو ہڈیوں پر سے کھرچا۔ اور تیل کو گرم کر کے اس میں ڈال دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیائے سابقین کے مصائب کا تذکرہ فرما کر ان مخلصین کو اطمینان دلایا اور یہ بھی فرمایا کہ گھبراؤ نہیں وہ زمانہ قریب ہے جب حجاز امن وعافیت کی دولت سے مالا مال ہو جائے گا۔ حضرت حق نے اجمالی طور پر بعض آیات میں ان مصائب کا ذکر بھی فرمایا ہے،

جن سے انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کو دوچار ہونا پڑا ہے دوسرے پارے میں ارشاد ہوتا ہے[1] اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ۔ امت محمدیہ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ بدون اُن مصائب کے برداشت کئے جنت میں چلے جاؤ گے جو تم سے پہلے لوگوں پر آچکے ہیں۔ ان پر اس قدر سختیاں، تکالیف اور پریشانیاں نازل ہوئیں تھیں کہ اُس زمانہ کے رسول اور اُن کے ساتھی بار بار اللہ سے مدد مانگتے تھے اور گھبرا گھبرا کر کہتے تھے اے خدا تیری مدد کب آئے گی۔ خدا کی طرف سے اطمینان دلایا جاتا تھا کہ گھبراؤ نہیں اللہ کی نصرت وامداد بہت قریب ہے۔ میں نے نہایت مختصراً عرض کیا ہے۔ ورنہ سچ تو یہ ہے اس باب میں اتنی گنجائش ہے کہ شاید بیان کرتے کرتے زندگی ختم ہو جائے اور ان تکالیف کی تفصیل ختم نہ ہو۔

نبی کریم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو تکالیف اور جو اذیتیں کفار کی جانب سے پہنچائی گئیں

---

[1] کیا تم کو خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر آئے نہیں احوال اُنکے جو آگے ہو چکے تم سے پہنچی اُن کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہانتک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آئے مدد اللہ کی سن رکھو مدد اللہ کی نزدیک ہے ۱۲۔

ان کی داستان ایسی پر درد داستان ہے کہ اس کو بیان کرنا آسان نہیں ہے جس دن سے آپ کو نبوت و رسالت کے تاج سے سرفراز کیا گیا اسی دن سے مصائب و آفات کا دروازہ کھل گیا وہ کونسی روحانی اور جسمانی تکالیف ایسی تھی جو آپ کو نہ پہنچائی گئی ہو سب سے پہلے آپ نے قرابت داروں اور رشتہ داروں سے تبلیغ کا کام شروع کیا۔ اور وہیں سے مخالفت کی ابتدا ہوئی آپ جانتے ہیں انسان دنیا بھر کی مخالفت کو برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن اپنے اعزہ اور رشتہ داروں کی مخالفت کا مقابلہ کرنا آسان کام نہیں ہر آدمی برادری کی قوت سے دوسروں کے ساتھ جنگ کر سکتا ہے۔ لیکن برادری سے جنگ کرنا اس قدر مشکل ہے کہ بڑے بڑے بہادر اور شجاع برادری کے مقابلہ میں آکر دب جاتے ہیں۔ اور برادری کی قوت بڑے بڑے زور آوروں کو زیر کر لیتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب آپ کے عزیز ہی تکالیف پہنچانے پر آمادہ ہوں تو پھر غیروں کا کیا کہنا ہے۔ دشمن کا قاعدہ ہے کہ وہ برادری کی طاقت و قوت کا خیال کر کے ڈرتا ہے۔ لیکن جس کی برادری ہی در پے آزار ہو اس کے دشمن جو کچھ بھی کر گزریں وہ تھوڑا ہے۔ وہ کونسا ظلم تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں کیا گیا۔ جو لوگ ابتدائی دور میں آپ پر ایمان لے آئے تھے اُن کے ساتھ جو سختیاں کی گئیں وہ نہایت ہی وحشتناک تھیں۔ کوڑے مارنا۔ ببول کے لمبے لمبے کانٹے گوشت میں چبھونا۔ گرم پتھروں پر لٹانا۔ دہکتے ہوئے کوئلوں پر لٹانا۔

حضرت خباب کا واقعہ۔ حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک

دن اپنی کمر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دکھائی تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ تمام کمر پر بڑے بڑے نشان تھے۔ حضرت عمرؓ بہت متعجب ہوئے اور فرمایا خباب یہ نشان کیسے ہیں۔ حضرت خباب نے فرمایا امیر المؤمنین اس کمر پر نہ معلوم کتنی مرتبہ آگ جلائی گئی ہے جس کو کمر کی چربی نے ٹھنڈا کیا ہے یعنی کمر پر کافر آگ رکھدیا کرتے تھے اور وہ آگ گوشت کی رطوبت سے ٹھنڈی ہوجایا کرتی تھی، کافروں نے جو اذیتیں پہنچائیں ان سے کہیں زیادہ وہ تکالیف ہیں جو منافقین کی جانب سے پہنچائی گئیں آپ کے لئے ان کا تصور بھی محال ہے۔ خدا کی قسم اگر ہمارا کوئی ہوتا تو اپنی جگہ سے ہٹ جاتا اور ان مصائب کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہوجاتا۔ جو سید المرسلین نے اپنی قوم کے ہاتھوں برداشت کئے اور خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کئے۔ اللھم صل علیٰ سیدنا محمد و علیٰ آل سیدنا محمد۔

ما اوذی نبی ما اوذیت } صاحبو! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس راہ میں جن مصائب کا سامنا پڑا ہے ان کا تذکرہ فرماتے ہوئے آپ نے اس مرکوز الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ جتنا میں ستایا گیا ہوں اتنا کوئی نبی نہیں ستایا گیا۔ اگر میری تکالیف کا مقابلہ دوسرے انبیاء کی تکالیف سے کیا جائے تو میری تکالیف ان سے زائد ہوجائیں گی۔ ممکن ہے کوئی صاحب یہ خیال کریں کہ حضرت نوح کی عمر تو ہزار برس سے بھی زائد تھی۔ نو سو پچاس ۹۵۰ سال تبلیغ کرتے رہے اور قوم کی تکالیف کو برداشت کرتے رہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف

تریسٹھ[۶۳] سال کی تھی۔ چالیس[۴۰] سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی۔ اگر کفار کی تکالیف کا سلسلہ مسلسل بھی تسلیم کر لیا جائے تب بھی کہاں تیئیس[۲۳] سال کی تکالیف اور کہاں نوسو پچاس[۹۵۰] سال کی اذیتیں برابر بھی نہیں ہو سکتیں چہ جائیکہ تیئیس سال کی تکلیف زیادہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ بعض انبیاء علیہم السلام قتل بھی کئے گئے ہیں اور اس راہ میں شہید بھی ہوئے ہیں جیسا کہ قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے یہود کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ فلم[۱] تقتلون انبیاء اللہ من قبل ان کنتم مومنین۔ اگر تم واقعی نبیوں کے ماننے والے ہو تو اللہ کے پیغمبروں کو قتل کیوں کیا کرتے تھے۔

تیسرے پارے میں فرماتے ہیں۔ ان[۲] الذین یکفرون بآیت اللہ و یقتلون النبیین بغیر حق۔ وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں اور نبیوں کو بلا وجہ قتل کر ڈالتے ہیں۔ یہود کی ذلت و رسوائی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ذالک[۳] بانھم کانوا یکفرون بآیت اللہ و یقتلون النبیین بغیر الحق۔ ان پر لعنت اور عقوبت کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ خدا کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کر ڈالتے تھے۔ جب انبیاء کی تکالیف میں قتل شامل ہے۔ تو حضور کی تکالیف تمام نبیوں کی تکالیف سے کس طرح زائد ہو سکتی ہیں۔

۱؎ پھر کیوں مارتے رہے ہو نبی اللہ کے پہلے سے اگر تم ایمان رکھتے تھے ۲؎ جو لوگ منکر ہیں اللہ کی آیتوں سے اور مار ڈالتے ہیں نبیوں کو ناحق ۳؎ یہ اس واسطے کہ وہ منکر رہتے ہیں اللہ کی آیتوں سے اور قتل کرتے رہے نبیوں کو ناحق۔

اذیت کے درجات متفاوت ہیں اگر کسی صاحب کو یہ خیال ہو کہ یہاں تو بھائی میں عرض کردوں گا کہ یہاں اول تو اذیت کی کیفیت میں بحث نہیں ہے۔ نیز یہ کہ ایذا رسانی کے درجات میں بھی فرق ہے۔ ایک دشمن کی تکلیف ہے ایک دوست کی تکلیف ہے ایک غیر کی گالی کا اثر ہے۔ ایک اپنوں کی گالی کا اثر ہے۔ ایک اپنے نوکر کو طمانچہ ماریئے اور ایک طمانچہ اسی طاقت سے باپ کو ماریئے طمانچہ تو ایک ہی ہے لیکن دونوں میں فرق زمین و آسمان کا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ افضل المرسلین ہیں۔ اس لئے آپ کو ایذا پہنچانا یا آپ کی شان میں گستاخی کرنا بھی دوسرے انبیاء کی توہین سے زیادہ افسوس ناک ہے۔ پھر یہ کہ سرکار کو اپنی امت سے محبت اس قدر ہے اور امت کی اصلاح سے شغف اتنا زائد ہے کہ دوسرے انبیاء کو اتنا نہیں ہے۔ جیسا کہ میں انشاء اللہ ابھی عرض کردوں گا۔ چونکہ سرکارؐ کو محبت زیادہ ہے اس لئے امت کی نافرمانی اور ایذا رسانی کا رنج بھی زیادہ ہے۔ آپ کی محبت کا اظہار حضرت حق نے جن الفاظ میں کیا ہے اس کو سن لیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائیگا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کس قدر محبوب تھی فرماتے ہیں لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم۔ تمہارے پاس ایک رسول تم ہی میں سے آیا ہے یعنی انسان کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس کی حالت یہ ہے کہ جس چیز سے تم کو

ؔ آیا ہے تم پاس رسول تم میں کا۔ بھاری ہوتے ہیں اس پر جو تم تکلیف پاؤ تلاش کھتا ہے تمہاری۔

تکلیف پہنچی ہے وہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہے وہ تم کو دکھ میں دیکھ نہیں سکتا۔ اور ہر وقت تمہارے آرام و آسائش اور تمہارے مسلمان ہونے کا فکر اس کو دامنگیر ہے۔ اسی محبت و شفقت کا یہ اثر تھا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ کسی طرح یہ لوگ مسلمان ہو جائیں اور اسلام کو قبول کر لیں۔ جب آپ کی امید کے خلاف کافر مسلمان نہ ہوتے تھے تو آپکو اتنا صدمہ ہوتا تھا کہ شاید آپ اس رنج میں وفات پا جائیں۔

حضرت حق کی جانب سے تسلی عزیزان ملت! یہ اسلام و کفر کا معاملہ بھی ایسا ہے کہ اس کی کُنہ کو پہنچنا اور حقیقت کو معلوم کرنا ہر کسی کا کام نہیں ہے۔ جس طرح مادی تفاوت اور دنیاوی امتیازات ہماری عقولِ ناقصہ سے خارج ہیں اسی طرح ان باطنی امتیازات تک پہنچنا اور ان کی کُنہ کو معلوم کرنا بھی ہماری طاقت سے باہر ہے ایک امیر ہے، ایک غریب ہے، کوئی بیمار ہے کوئی تندرست ہے۔ کوئی حاکم ہے کوئی محکوم ہے۔ یہ انسانی دنیا کے وہ امتیازات ہیں کہ صبح سے شام تک اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن نہ کچھ کہہ سکتے ہیں اور نہ کچھ کر سکتے ہیں۔ ہم اپنی رائے کے موافق ہم کچھ کہہ لیا کرتے ہیں۔ لیکن حضرت حق کے حقیقی مصالح اور حکم پر کون عبور کر سکتا ہے۔ حضرت حق نے اس مادی فرق اور دنیاوی امتیازات کے متعلق ایک مقام پر اشارہ بھی کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ایک صحیح العقل انسان کے اطمینان کے لئے وہ کافی ہے۔

فرماتے ہیں ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض و
لکن ینزل بقدر ما یشاء انہ بعبادہ خبیر بصیر۔ اگر اللہ
تعالیٰ اپنے بندوں پر ہر قسم کی نعمتوں کو عام کر دے اور ان پر رزق کے
دروازے کھول دے تو یہ لوگ خدا کی زمین میں نافرمانی اور معصیت
کے سبب بغاوت کر دیں۔ اللہ تعالیٰ تو ہر شخص کا رزق اسی اندازے
سے نازل کرتا ہے۔ جتنا وہ چاہتا ہے۔ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کی
کی حالت سے پوری طرح واقف اور آگاہ ہے۔

اسی طرح سورۂ زخرف میں بھی اس امتیاز باہمی کی طرف اشارہ
کرتے ہوئے فرماتے ہیں ورفعنا بعضھم فوق بعض درجٰت
لیتخذ بعضھم بعضاً سخریا۔ ہم نے بنی نوع انسان میں بعض کو
بعض پر ترجیح اور فوقیت عطا فرمائی ہے تاکہ نظام عالم قائم رہے اور
ایک کی دوسرے کے ساتھ احتیاج اور ضرورت وابستہ رہے اور کسی
کا کام بند نہ ہو جائے۔

امتیازات باہمی کا سبب حضرات! یہ وہ امور ہیں جنہیں ہم کو
بطور علت بتا دیتے ہیں اور یہ بھی
ان کا کام ہے کہ وہ ہم نالائقوں کے لئے اپنے کسی فعل کی علت اور مصلحت

لہ اور اگر پھیلا دے اللہ روزی اپنے بندوں کو دھوم اٹھا دیں ملک میں لیکن اتارتا ہے ناپ کر
جتنی چاہتا ہے بیشک وہ اپنے بندوں کی خبر رکھتا ہے دیکھتا لہ اور اونچے کئے درجے ایک
کے ایک سے کہ ٹھیراتا ہے ایک دوسرے کو کیمرا ۱۲

بتادیں ورنہ ہم ہیں کون جو اُن سے یہ دریافت کریں کہ آپ نے یہ کیوں کیا لَا[1] یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ - اُن کے کئے پر کوئی اُن سے سوال نہیں کر سکتا - اور ہم سب سے احتساب کیا جائے گا وہ تو ہر قسم کے احتساب اور پوچھ گچھ سے بالاتر ہیں - یہ محض ان کی مہربانی ہے کہ کسی فعل کی حکمت بیان کردیں - ایک حدیث قدسی میں فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندوں کی طبیعت اور ان کی حالت سے خوب واقف ہوں میں بعض لوگوں کو اس لئے بیماری اور تنگدستی میں مبتلا رکھتا ہوں کہ اگر ان کو صحت اور عافیت دیدوں یا ان کو مالدار بنادوں تو وہ میرے ساتھ کفر کرنے لگیں - اس کے علاوہ اور بھی حکم و مصالح ہیں جن کا نہ تو یہ موقع ہے اور نہ وہ باتیں آپکی سمجھ میں آسکتی ہیں - وہ باتیں صرف علمی ذوق کی نہیں ہیں - بلکہ علمی ذوق کے ساتھ عملی ذوق بھی چاہتی ہیں - میں نے بعض روایات میں دیکھا ہے کہ بعض بندے تکلیف میں مبتلا کئے جاتے ہیں اور جب درد و کرب کی وجہ سے وہ ارحم الراحمین کہہ کر پکارتے ہیں تو ملاء اعلیٰ کے بسنے والے فرشتے بطور سفارش کے عرض کرتے ہیں پروردگار تیرا فلاں بندہ بہت تکلیف میں ہے اور تجھ کو بڑی بےچینی سے پکارتا ہے اس کو اچھا کر دیجئے اور اس کو شفا دے دیجئے - ارشاد ہوتا ہے اس کی بیماری کو ہم جانتے ہیں - اگر ہم شفا دیدیں گے تو ہم کو پکارنا چھوڑ دیگا اور ہم کو اس کا پکارنا بھلا معلوم ہوتا ہے -

---

[1] اُس سے پوچھا نہ جاوے جو کرے اور اُن سے پوچھا جاوے -

مجنوں کا ایک واقعہ حضرت عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے مجنوں کا واقعہ نقل کیا ہے کہ جب لیلےٰ کے عشق نے اس کو بہت پریشان کیا۔ ایک طرف غلبۂ عشق دیوانگی تک پہنچ گیا جو عشق کا درمیانی درجہ ہے۔ دوسری طرف لوگوں نے ملامت شروع کردی۔ عشق کا خاصہ ہے۔ جب بیچارہ ہر طرف سے پریشان ہوا تو ایک دن رات کو اللہ تعالیٰ سے فریاد کی۔ جب بہت رویا اور گڑگڑایا تو ارشاد ہوا لیلیٰ تو کوئی چیز نہیں ہے، یہ تو جو کچھ ہو رہا ہے ہماری طرف سے ہو رہا ہے۔ مجنوں نے عرض کیا بہت اچھا آپ کی طرف سے ہو رہا ہے تو اب بس کیجئے کام میری طاقت سے باہر ہو گیا ہے۔ اور اب مجھ میں برداشت کی ہمت نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تیرا رونا چیخنا، چلانا اور ہائے ہائے کرنا ہم کو پسند آتا ہے۔ اس لئے یہ لطف اندوزیاں جو اس دکھ کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں نظر انداز نہیں کی جا سکتیں۔

مولانا فرماتے ہیں ؎

خوش نماید نالۂ شبہائے تو   ذوق ہا دارم بہ یارب ہائے تو

کوئی اگر کسی کو اس لئے مبتلائے آلام کرے کہ ہمیں تمہاری آہ و بکا سے دلچسپی ہے تو اس کا جواب ہی کیا ہو سکتا ہے بجز اس کے کہ بہت اچھا سرکار اپنی دلچسپی پوری کر لیجئے اور کہا بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہ بھی ان کا لطف و کرم ہے کہ اپنی دلچسپی کے لئے ہم کو منتخب کیا ورنہ اس کام کے لئے بھی اگر کسی دوسرے کا انتخاب ہو جاتا تو ہم ان کا کیا بگاڑ لیتے۔

حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا ایک واقعہ بعض شیعی کتب میں ہے

پڑھا ہے کہ ایک دفعہ کسی تکلیف سے حضرت خاتون محشر کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے حضرت جبرئیل علیہ السلام سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ آج آپ کی صاحب زادی کے رونے نے ملائکہ کو بھی غمزدہ کر دیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے۔ آپ کے ہمراہ ایک اور صحابی بھی تھے۔ جب آپ صاحب زادی کے مکان پہنچے تو آپ نے اجازت چاہی اور یہ بھی کہا میرے ہمراہ ایک اور صاحب بھی ہیں صاحبزادی نے فرمایا میرے پاس صرف ایک چادر ہے جس سے پردہ نہیں ہو سکتا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر مبارک دروازہ سے اندر مکان میں دے دی حضرت خاتون محشر نے پردہ کیا۔ سرکار اور آپ کے ہمراہی مکان میں تشریف لے گئے۔ آپ نے حال دریافت کیا۔ خاتون محشر کی باتوں سے کوئی پتہ نہ لگا سکے تب آپ نے اصرار فرمایا اور رونے کی وجہ دریافت کی تو آپ نے جواب دیا کہ یا رسول اللہ آج تین دن سے علیؓ کے گھر میں کھانے کا کوئی سامان نہیں ہے ہم خود فاقہ کرتے ہیں لیکن بچوں کو تھوڑا تھوڑا کھانا کھلا دیا کرتے تھے۔ آج بچوں کے لئے بھی کچھ نہ تھا تو حسنؓ حسینؓ فاقہ کی تکلیف سے روتے ہوئے آئے اور مجھ سے دریافت کرنے لگے اماں جان یہ فاقہ کی تکلیف ہمارے ہی گھر میں ہے یا بدنیے کے بچے بھی اس تکلیف میں مبتلا ہیں۔ بچوں کے اس بھولے پنے اور ان کی تکلیف سے میں رو پڑی۔ لیکن میں نے کوئی کلمہ حضرت حق کی جناب میں ان کی شان کے خلاف نہیں کہا۔ بلکہ اتنا عرض کیا اے میرے پروردگار میری قسمت کہاں کہ آپ اپنی بندی کو کسی امتحان میں مبتلا کردیں یہ بھی میری خوش قسمتی

ہے کہ آپ اپنی آزمائش و ابتلا کے لئے مجھے منتخب فرمائیں لیکن اگر مجھے انتخاب کیا ہے تو ثابت قدمی اور صبر و استقلال کی بھی توفیق عطا فرمائیے کیونکہ اگر آپ کی توفیق نہ ہو تو اس مہم کا سر ہونا محال ہے۔

واقعہ اس تفصیل کے ساتھ صحیح ہو یا غیر صحیح لیکن اس میں شک نہیں کہ جس طرح کسی بندے کو آزمائش و ابتلا میں مبتلا کرنا ان ہی کا کام ہے اسی طرح اس امتحان میں کامیاب کرنا اور اجر جزیل کا مستحق بنا دینا بھی ان ہی کا کام ہے۔ اگر ان کی جانب سے ہمت افزائی نہ ہو تو وہ کون ہے جو ان کے امتحان میں کامیاب ہو سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ } سیدنا کلیم اللہ علیہ السلام کی والدہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے ان کادت لتبدی بہ لولا ان ربطنا علی قلبہا حضرت موسیٰؑ کو ان کی ماں نے جس صندوق میں بند کر کے دریا میں ڈال دیا تھا وہ حسن اتفاق سے اس نہر میں چلا گیا جو فرعون کے محل سرا میں جاتی تھی۔ صندوق نہر سے نکالا گیا۔ اس کو کھولا گیا اور حضرت موسیٰؑ کو اس دشمن کی گود میں پہنچا دیا گیا۔ جو عرصہ سے اُن کی تلاش میں تھا اور صدہا بے گناہ بچوں کو اس لئے موت کے گھاٹ اُتار چکا تھا کہ کہیں وہ بچہ زندہ نہ بچ جائے جس کا سیاست ملکی کے ماتحت قتل ضروری تھا۔ ظاہر میں نگاہیں متحیر تھیں اور حکم و مصالح الٰہیہ سے ناآشنا دنیا اپنا سر پیٹ رہی تھی۔ لیکن کسی کو کیا خبر تھی کہ جس نے اس صندوق کو بہا دیا

لے نزدیک ہوئی کہ ظاہر کر دے بیقراری کو اگر ہم نے گرہ کر دی ہوتی اس کے دل پر ۱۲

تک پہنچایا ہے اس کی شان یہ ہے کہ واللہ غالب علی امرہٖ اور اللہ تعالیٰ اپنے امر اور اپنے حکم پر غالب ہے یعنی اس کے امر کو کوئی لوٹا نہیں سکتا۔ بلکہ جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اسی طرح اُس کی شان یہ ہے۔ ان اللہ بالغ امرہٖ مطلب دونوں آیتوں کا تقریباً ایک ہی ہے۔ ایک سورہ طلاق کی ہے دوسری سورۂ یوسف کی ہے۔ لیکن صنعت مقلوبی کو ملاحظہ کیجئے کس طرح غالب کو بالغ کر کے کلام کی خوبی کا اظہار کیا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ یہ تھا کہ حضرت موسیٰ کی والدہ طلب کی گئیں۔ بچہ اُن کی گود میں دیا گیا۔ وہ بچہ جو آج تک کسی دایہ کے دودھ کو منہ نہ لگاتا تھا اُس نے دودھ پینا شروع کر دیا سب لوگوں کو حیرت ہوئی اور اُنھوں نے دریافت کرنا شروع کیا کہ یہ بچہ تو کسی کا دودھ ہی نہ پیتا تھا تمہارا دودھ کیسے پینے لگا۔ حضرت موسیٰؑ کی والدہ کو پہلے کہا جا چکا تھا کہ تم سے کوئی لاکھ پوچھے۔ مگر تم کسی کو نہ بتانا کہ یہ میرا بچہ ہے اور میں نے اسے دریا میں ڈال دیا ہے۔ فرعون کی محل سرا میں یہ اصرار ہو رہا ہے کہ بتاؤ تمہارا دودھ کیوں پی رہا ہے۔ بچہ گود ہی میں ہے حکم یہ ہے کہ کسی سے یہ نہ کہو کہ یہ میرا بچہ ہے۔ لوگوں کا مسلسل اصرار اور مختلف شبہات ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی والدہ ایک عجیب امتحان میں مبتلا ہیں۔ اس کو فرماتے ہیں کہ موسیٰؑ کی ماں قریب تھا کہ اس بھید کو ظاہر کر دیتی مگر ہم نے اس کے قلب کو سہارا لگا دیا۔ اگر ہم موسیٰؑ کی ماں کے قلب کو سہارا نہ دیتے تو وہ تو بھانڈا ہی پھوڑ دیتی۔ ہم نے اسکو سہارا دے کر اُسے امتحان میں کامیاب کیا۔

ملہ اور اللہ جیت لیتا ہے اپنا کام۔ ملہ مقرر پورا کر لیتا ہے اللہ اپنا کام ۱۲

اصحاب کہف کا واقعہ } ربط قلب کی ایک دوسری آیت بھی سن لیجئے اصحاب کہف جو اپنے زمانہ کے بادشاہ کی مشرکانہ تعلیم و مذہب کو چھوڑ کر خدا پرست ہو گئے تھے جب بادشاہ کو معلوم ہوا تو اس نے ان کو گرفتار کرا لیا اور اپنے سامنے کھڑا کر کے نہایت ہی تحکمانہ لہجہ میں دریافت کیا۔ ہمیں نے سُنا ہے تم نے میری خدائی سے انکار کر دیا ہے اور تم میرے سوا اور کسی کی پرستش کرنے لگے ہو۔ اب ایک ظالم بادشاہ کے سامنے کھڑا ہونا اور اس کے سوال کا جواب دینا کوئی آسان کام نہیں ہے اور یہ وہ مواقع ہیں جہاں بڑے بڑے صاف گو سٹپٹا جاتے ہیں حضرت حق فرماتے ہیں وربطنا علیٰ قلوبھم اذ قاموا فقالوا ربنا رب السموات والارض لن ندعوا من دونہ الٰھا لقد قلنا اذا شططا۔ ہم نے ان لوگوں کو سہارا لگا دیا اور انہوں نے نہایت جرأت کے ساتھ کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمان و زمین کا رب ہے۔ اس کے سوا ہم اگر کسی کو پکاریں گے تو سخت غلطی اور بے عقلی کی بات کریں گے۔ اصحاب کہف کا اتنا زبردست امتحان تھا کہ اگر حضرت حق ان کو ثابت قدم نہ رکھتے اور ان کے قلوب کو سہارا نہ لگاتے تو اصحاب کہف کا کامیاب ہونا ناممکن تھا۔ بہر حال امتحان میں کامیابی کا دارو مدار بھی اُن کے فضل پر ہے، ورنہ ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں۔

جنگ بدر کا واقعہ } جنگ بدر جو مسلمانوں میں خاص طور پر مشہور رہے اس

لے اور گرہ دی اُن کے دل پر جب کھڑے ہوئے پھر بولے ہمارا رب ہے رب آسمان اور زمین کا نہ پکاریں گے ہم اس کے سوائے کسی کو ٹھاکر تو کہی بات ہم نے عقل سے دور۔

کے شرکا کی کامیابی اور مسلمانوں کی فتح کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ویذھب عنکم رجز الشیطان ولیربط علی قلوبکم ویثبت بہ الاقدام اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ تھا کہ تم کو کامیاب کرے وہ تم سے شیطان کے وسوسہ کو دفع کر رہا تھا اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر رہا تھا اور تمہارے قدموں کو جما رہا تھا۔ گویا مسلمانوں کی کامیابی حضرت حق کی اعانت اور اُن کا فضل نہ ہوتا تو بھلا مٹھی بھر بے سروسامان مسلمان اپنے دشمن پر کس طرح فتحمند ہو سکتے تھے۔

ابتلا کی مصلحت و حکمت حضرات! میں آپ سے کیا عرض کروں اُن کی حکمتوں کا کوئی کیا احاطہ کر سکتا ہے۔ ہماری ظاہر بین نظروں پر نہ معلوم کتنے غلط نظریئے اور کتنی غلط رائیں قائم کیا کرتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت حق جل مجدہ کسی بندہ کے لئے ایک بلند مرتبہ تجویز کرتے ہیں اور وہ بندہ اپنی عبادت کے ذریعہ اس مرتبہ کو حاصل نہیں کر سکتا تو وہ اس پر بلا نازل کرتے ہیں۔ وہ بندہ اس بلا پر صبر کرتا ہے اور صبر کے ذریعہ اس کو وہ مرتبہ عطا کر دیتے ہیں۔ جس مصیبت اور تکلیف سے ہم گھبراتے ہیں نہ معلوم اس میں بھی کتنے فوائد مضمر ہوتے ہیں عسٰی ان تکرھوا شیأ وھو خیر لکم وعسٰی ان تحبوا شیأ وھو شر لکم واللہ یعلم وانتم

لے اور دور کرے تم سے شیطان کی نجاست اور مضبوط کر دے تمہارے دلوں پر اور ثابت کرے تمہارے قدم ۲ؔ شاید تم کو بری لگی ایک چیز اور وہ بہتر ہو تم کو اور شاید تمکو خوش لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تم کو اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ۱۲۔

لا تعلمون - یہ بہت ممکن ہے کہ تم بعض باتوں کو برا سمجھو لیکن وہ تمہارے لئے مفید ہوں اور تم بہت سی باتوں کو اپنے لئے بہتر سمجھو لیکن وہ تمہارے لئے مضر ہوں - ہر شے کی حقیقت تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے - تم نہیں جانتے ہم بعض دفعہ ابتلا سے بہت ہی گھبراتے ہیں لیکن ہم نہیں جانتے کہ ان بلاؤں میں کس قدر مراتب علیا اور مدارج کبریٰ پنہاں ہوتے ہیں آنے والے عالم میں جس کو انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام عالم آخرت کہا کرتے ہیں جب اہل مصائب واصحاب بلا کو اجر و ثواب دیا جائے گا تو یہ تمنا کریں گے کاش ہماری بوٹیاں قینچیوں سے کتر دی جاتیں اور دنیا میں ہم کو اور زیادہ مصائب کی آماجگاہ بنایا جاتا -

حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ

حضرت سری سقطی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ حضرت حق کو خواب میں دیکھا انہوں نے عرض کیا کہ الہ العالمین آپ سے محبت کرنیوالے کون لوگ ہیں - ارشاد ہوا کہ جب میں نے مخلوق کو پیدا کیا اور ان مدعیان محبت نے جب دنیا اور اس کی زینت کو دیکھا تو دس ہزار میں سے نو ہزار نے دنیا کو اختیار کیا اور میری محبت کا دعویٰ فراموش کر دیا - پھر میں نے جنت پیدا کی تو نو سو جنت کی طرف مائل ہو گئے صرف سو ایسے رہے جو نہ دنیا کی طرف مائل ہوئے اور نہ انہوں نے جنت کی طرف رخ کیا - پھر میں نے ان سو کو مصائب و آلام میں مبتلا کیا تو نوے اس راہ میں ناکام رہ گئے باقی دس رہے جو ہر طرح ثابت قدم ثابت ہوئے - میں نے ان کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا - تم نے

نہ دنیا کی رغبت کی اور نہ جنت کا رُخ کیا۔ میں نے تم کو مصائب و آلام
میں مبتلا کیا لیکن تم اپنی جگہ پر قائم رہے۔ انہوں نے کہا اے پروردگار
کیا یہ مصائب آپ کے اشارے اور ارادے سے نہ تھے میں نے کہا میری ہی
قضا سے سب کچھ ہوا ہے۔ انہوں نے کہا ہم تو تیری قضا پر راضی ہیں جب تجھے
اختیار ہے تو جو چاہے وہ ہمارے ساتھ سلوک کر ہم تجھ کو چھوڑ نہیں
سکتے میں نے کہا تم ہی میرے مخلص اور سچے بندے ہو۔

حضرت سری سقطیؒ کا ایک اور واقعہ

حضرات! ان ہی سری سقطیؒ کا ایک اور واقعہ
مجھے یاد آگیا۔ یہ ایک دن مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔ ایک صاحب
مسجد میں تشریف لائے اور حوض کے کنارے سے گزرنے لگے۔
اتفاق سے ان کا پاؤں پھسلا اور وہ حوض میں گر گئے۔ حضرت
سری نے مریدوں کو حکم دیا کہ اس کو نکالو۔ مرید دوڑے کہ ان کو نکال
لیں۔ انہوں نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ کہ مجھے نہ نکالو۔ لوگوں نے کہا
اگر آپ غرق ہونا چاہتے ہیں تو کیا آپ کو ڈبو دیں، انھوں نے پھر
منع کیا کہ ایسا نہ کرو۔ جس طرح یہ اتفاقاً حوض میں گرے تھے اسی طرح
اتفاقاً نکل آئے تو لوگوں نے دریافت کیا۔ آپ کو نکالنا چاہا تب بھی
آپنے انکار کیا اور جب ڈبونا چاہا تب بھی آپ نے انکار کیا۔ آخر اس
کی وجہ کیا تھی۔ ان بزرگ نے کہا یہ میرا اور ان کا معاملہ تھا۔ میں کسی
دوسرے کی مداخلت کو گوارا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ مجھے غرق کرتے

یا بچا لیتے۔ آپ کون تھے جو میرے اُن کے درمیان مداخلت کے لئے تشریف لائے تھے۔

میرے عزیزو! ہم حبس کو تکلیف سمجھتے ہیں اور حبس کا شکوہ کیا کرتے ہیں اہلِ محبت کے نزدیک تو وہ تکلیف ہی نہیں بھلا محبت کے بعد تکلیف اذا جاءت الالفۃ رفعت الکلفۃ۔

عشقِ مجازی کے اثرات

صاحبو! اصل واقعہ یہ ہے کہ ہم کو الفت ہی نہیں ہے۔ ہم نے عشقِ مجازی کے یہ کرشمے دیکھے ہیں کہ انسان ہر قسم کے مصائب برداشت کرتا ہے اور خوش ہو کر برداشت کرتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو تمنا کرتا ہے کہ محبوب کچھ تعلق ظاہر کرے خواہ وہ تعلق عداوت ہی کا ہو۔ کوئی گالی ہی دیدے، بُرا کہدے، حالانکہ یہاں عشق بھی فانی، اور عاشق بھی فانی۔ جب ان فنا کے گہواروں میں زندگی بسر کرنے والوں کا یہ حال ہے کہ وہ اپنے محبوب کی محض خوشنودی کے لئے سب کچھ کر گزرتے ہیں تو بھلا محبوبِ حقیقی کی محبت اور عشق کا کیا ٹھکانا ہے۔ مجنوں اور لیلٰے کے واقعات، شیریں و فرہاد کے قصے پنجاب کے رانجھے اور ہیر کی داستان یہ قصے اگرچہ بڑی حد تک پارینہ ہو چکے ہیں اور ان کی داستانیں اور ان کے فسانے کہنہ ہو گئے ہیں۔ ایک شاعر نے تو حیل کر یہی کہدیا ہے

ہم سے پوچھے کوئی اس دشتِ نوردی کے مزے
قصہ فرہاد کا۔ مجنوں کا فسانہ کیا تھا

ایک تھا کوہ کن تو دوسرا دشت نورد
ان غریبوں نے ابھی عشق کو جانا کیا تھا

میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ ان کے واقعات انتہائی مبالغہ آمیز ہیں لیکن عشق کی نیرنگیاں ہر زمانے میں اپنا کام کرتی رہی ہیں۔ کوئی منحوس دن ایسا ہوتا ہوگا جس دن اخبار میں کوئی واقعہ خودکشی کا نظر سے نہ گزرتا ہوگا۔

حسن کی حقیقت حالانکہ ہر شخص جانتا ہے کہ حسن کی عمر کچھ زیادہ دراز نہیں ہے۔ لوگ جسے حسن کہتے ہیں وہ تو اصل میں ظلم اور بے وفائی کی ایک شکل ہے جس کو آراستہ کر کے لوگوں کو بیوقوف بنا دیا گیا ہے جس طرح ظلم کی بنیاد بے ثباتی پر رکھی ہوئی ہے اسی طرح حسن بھی ایک تعمیر ہے جس کی بنیاد پانی پر ہے۔ جو رخسار آج گلاب کی طرح سرخ و سپید معلوم ہوتے ہیں وہی چند روز کے بعد جھریاں پڑ جانے سے اتنے بدنما معلوم ہوتے ہیں کہ دیکھنے کو بھی جی نہیں چاہتا۔ جو قد سرو کی طرح سیدھا ہوتا ہے وہی تھوڑے عرصہ کے بعد کمان کی طرح دوہرا ہو جاتا ہے۔ صراحی دار گردن رعشہ کی وجہ سے ہر وقت ہلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ غرض حسن کی ساری نمائشیں چند روزہ ہوتی ہیں اور یہ حسنِ مجازی تھوڑے عرصہ کے بعد خاک میں پنہاں ہو جاتا ہے۔ لیکن اس فانی حسن پر فانی عشاق کی گرویدگی کا یہ عالم ہے کہ دنیا کی تاریخ کا بہت بڑا حصہ ان ہی افسانوں اور داستانوں کی نذر ہو گیا

ہے۔ بڑے بڑے نازک خیال شعراء کی تمام عمریں وہن اور کمر کی مدح سرائی اور قصیدہ خوانی کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں۔ لیکن اس حسنِ مجازی کے دامن کسی طرح لپٹنے میں نہیں آتے۔

ایشیائی شاعری ہمارے ان ایشیائی شاعروں نے جو زمین و آسمان کے قلابے ملائے ہیں ان کا تو ذکر ہی کیا ہے عرب کی شاعری جس میں مرد عاشق اور عورت معشوقہ ہوتی ہے ایک فطری شاعری ہے جس کی سادگی بھی مزیدار ہے اور مبالغہ بھی کچھ زیادہ ناگوار نہیں معلوم ہوتا۔ ہندوستان کی شاعری اگرچہ اس کا عکس ہے یہاں عورت کی جانب سے محبت و عشق کا اظہار ہوتا ہے اور مرد کو ایک معشوق تصور کرکے طبع آزمائی کی جاتی ہے۔ یہ شاعری بھی فطری ہے۔ ہندی بھاشا کی شاعری میں مبالغہ کے ساتھ تشبیہات اور استعاروں اور تمثیلات کا ایک طوفان ہوتا ہے۔ اگرچہ اس قسم کے شعراء کا مطلب تو دیر میں سمجھا جاتا ہے لیکن سمجھنے کے بعد بڑا لطف آتا ہے۔ ہندی اور عربی شاعری میں جو فرق ہے وہ اصل میں دونوں ملکوں کی جغرافیائی اور تمدنی حیثیت کا فرق ہے۔ شاعر کے دماغ پر ہمیشہ اس کے ملکی ماحول کا تسلط ہوا کرتا ہے۔ عرب کا شاعر اپنے کلام کا سارا زور ایک اونٹنی کی تعریف میں خرچ کر دیتا ہے۔ اونٹنی کی چال، اس کی گردن، اس کا کجاوا حتیٰ کہ اس کی مینگنیاں، غرض اس کے تخیل کی پرواز ایک اونٹنی اور اس سے محمل کی چار دیواری پر منڈلاتی رہتی ہے۔ لیکن

ایک ہندی شاعر کو اونٹنی کی تعریف سے اتنی دلچسپی نہیں جتنی ایک رتھ اور اس کے بیلوں سے ہے۔ ہندی شاعر بہلی رتھ اور اس کے بیلوں کو اس نظر سے دیکھتا ہے جس نظر سے عرب کا شاعر اونٹنی اور اس کے محمل کو دیکھتا ہے۔ ہندوستان اور عرب کی شاعری کے علاوہ ایک ایرانی شاعری بھی ہے جو نہ صرف غیر فطری اور ان نیچرل ہے بلکہ کذب بہتان اور جھوٹ و افترا کا ایک طومار ہے۔

مرد ہی عاشق مرد ہی معشوق ایرانی شاعری کی تمام بنیاد غیر فطری عشق پر قائم ہے مجھے اس سے انکار نہیں کہ جس طرح عورت کو حسن مجازی کا پیکر تسلیم کر لیا گیا ہے اسی طرح مرد کو بھی اس دولت سے نوازا گیا ہے۔ اگر ہم مرد کو حسن کی دولت سے محروم کر دیں تو ہندوستانی شاعری کو غلط کہنا پڑیگا۔ جس کی بنیاد ہی مرد سے محبت کرنے پر رکھی گئی ہے۔ میں آج کل کی اس تحقیقات سے اتفاق کرتا ہوں کہ جس طرح عورت کو حسن عطا کیا گیا ہے اسی طرح مرد کو بھی حسن کا مالک بنایا ہے اور یہ بات بھی صحیح ہے کہ جہاں حسن ہوگا وہاں عشق بھی ضرور ہوگا۔ اگر عشق نہ ہو تو حسن کی قیمت دو کوڑی کی بھی نہیں عشق تو اصل میں حسن کا پروپیگنڈسٹ ہے اگر جہاں عشق نہ ہوں تو حسن کا پروپیگنڈا نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس سے آپ بھی انکار نہیں کر سکتے کہ اگر یہ رسم جاری ہو گئی تو عورتوں کی بہت حق تلفی ہوگی۔ اور حامیان صنف نازک کو بڑی شکست ہوگی، میں ابھی عورتوں کی

حمایت میں اسلام کا نظریہ پیش کر چکا ہوں کیا آپ ایک ہی مجلس میں یہ توقع کرتے ہیں کہ میں عورتوں کی حق تلفی کی تائید کروں۔

بھائی اگر مردوں میں حسن بھی ہو تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ مرد کو ہر حیثیت سے عورت سمجھ لیا جائے اور عورت کے حسن کو جو حقوق حاصل ہیں وہ مردانے حُسن کو دے دیئے جائیں۔ یہ ایران کے بدمذاق لوگ یا ان کے ہندوستانی متبعین تو کر سکتے ہیں لیکن کوئی ذی ہوش اور صحیح المذاق انسان اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اگر فطری حسن و عشق کسی حد سے تجاوز بھی کریں گے اور خدا نخواستہ محبت کا غلط استعمال کرنے پر آمادہ بھی ہو جائیں گے تب بھی اپنی ملک کو مشتبہ کر دینے کے مجرم ہوں گے۔ لیکن یہاں تو ملک کو تباہ کر دینے اور برباد کر دینے کے جرم کا ارتکاب ہوتا ہے۔ ایک شخص اپنا مال کسی غیر مستحق کو دیدے تو یہ فعل بھی قابل ملامت ہے لیکن اس کے مقابلے میں وہ شخص انتہائی احمق اور مسرف ہے جو اپنے مال کو دریا میں ڈالدے۔ ایک شخص اپنا غلّہ کسی ایسی زمین میں بو دے جو اس کی ملک نہ ہو۔ تو یقیناً وہ احمق قابل تعزیر ہے۔ لیکن ایک ایسا شخص جو اپنے غلّہ اور بیج کو کسی مزبلہ اور ڈلاؤ میں پھینک دے اور نجاست کے ڈھیر میں ڈال دے تو اس سے بڑھکر کون مسرف اور جاہل ہو سکتا ہے۔ ان ہی جیسے بدمذاق لوگوں کے حق میں حضرت حق نے فرمایا ہے۔ انکم لتاتون[۱] الرجال شھوۃ من دون النساء بل انتم قوم مسرفون۔

[۱] تم تو دوڑتے ہو مردوں پہ شہوت کے مارے عورتیں چھوڑ کر بلکہ تم لوگ حد پر نہیں رہتے ۱۲

سیدنا امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کا تقصہ

غالباً میری اس تقریر سے ایک اور مسئلہ بھی حل ہو گیا ہو گا۔ شاید آپ تو وہاں تک پہنچے بھی نہ ہوں گے۔ میں نے جو کچھ عرض کیا اُس سے یہ بات سمجھ میں آگئی ہو گی کہ لواطت زنا سے بہت زیادہ مذموم اور قابل نفرت فعل ہے۔ لواطت مرد سے ہو یا عورت سے، عورت کوئی غیر ہو یا اپنی بیوی ہو اہل سنت کے نزدیک اس کی تمام صورتیں حرام ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس کے لئے وہ حد مقرر نہیں کی جو زنا کی حد ہے بلکہ امام کی رائے پر چھوڑ دیا ہے۔ امام صاحب کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ لواطت کنندہ کو کسی سزا کا مستحق نہیں سمجھتے جیسا کہ ان کے خلاف پروپگنڈا کرنے والے ظاہر کیا کرتے ہیں۔ اس زمانہ میں تو ایک بدقسمت گروہ نے اپنا یہ وظیفہ مقرر کر لیا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حضرت امام ابو حنیفہ رح کے خلاف غلط اور جھوٹی باتیں مشہور کی جائیں اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ہم حضرت امام ابو حنیفہ رح کو مبرا عن الخطا نہیں مانتے لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ ان کے فقہ کو غلط الزام لگا کر بدنام کیا جائے اور عوام میں غلط فہمی پھیلائی جائے۔ یا عوام کو سیدنا امام ابو حنیفہ رح سے بدظن کرنے کی کوشش کی جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علاماتِ قیامت کے ذکر میں یہی فرمایا تھا کہ پچھلی امت پہلی امت پر لعنت کرے گی۔ اس کی ابتدا تو روافض اور خوارج سے ہوئی۔ لیکن آہستہ آہستہ ہر نوزائیدہ جماعت نے اس فعل قبیح کو اپنے لئے طغرائے امتیاز قرار دے لیا کہ

متقدمین کی توہین و تذلیل کی جائے اور اُن کی آبرو ریزی سے اپنا رسوخ بڑھایا جائے۔

مخالفین کے اشتہارات چنانچہ میں نے بعض اشتہارات میں دیکھا کہ فقہ کے بعض مسائل کو نہایت ہی بدنما صورت میں پیش کیا گیا ہے اور اس امر کی کوشش کی گئی ہے کہ معاذ اللہ حضرت امام اعظم کی تنقیص کی جائے مثلاً فقہ حنفی میں یہ لکھا ہے کہ انگلی پر نجاست لگی ہوئی ہو تو چاٹنے سے پاک ہو جاتی ہے یا کتے کی کھال پر نماز پڑھنی جائز ہے یا محرمات ابدی سے نکاح کر کے وطی کرنے پر حد زنا نہیں یا لواطت پر کوئی حد نہیں۔ غرض اس قسم کی بہت سی باتیں اس لئے شائع کی جاتی ہیں کہ مسلمان فقہ حنفی سے نفرت کرنے لگیں۔ کبھی بات صحیح ہوتی ہے۔ لیکن اندازِ بیان ذلیل ہوتا ہے کہ خواہ مخواہ لوگ اس سے متاثر ہو جاتے ہیں یہی انگلی کی نجاست کا قصہ ہے لوگ اس کو پڑھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہ کے مقلد نجاست چاٹنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ معاملہ یہ نہیں ہے بلکہ حنفیہ کے نزدیک نجاست حقیقی مثلاً پاخانہ و پیشاب وغیرہ کو ہر ملنے اور بہنے والی چیز سے اگر زائل کر دیا جائے تو جس چیز پر نجاست لگی ہو وہ چیز پاک ہو جائے گی۔ فرض کیجئے۔ آپ کے کپڑے پر پاخانہ لگا ہوا ہے اگر آپ اس پاخانہ کو عرق گلاب سے دھو ڈالیں اور آپ کے کپڑے پر سے نجاست دور ہو جائے تو آپ کا کپڑا پاک ہو جائیگا۔ گویا نجاست

حقیقی کو دور کرنے کے لئے حنفیہ کے نزدیک پانی کی شرط نہیں ہے
پانی ہو یا کوئی اور بہنے والی پاک چیز ہو جو نجاست کو زائل کر سکتی ہو وہ
کافی ہے بہنے والی چیزوں میں انسان کا تھوک بھی ہے اگر کوئی تھوک جمع
کر لے اور اس سے کسی کپڑے کو دھوئے تو کپڑا پاک ہو جائے گا اسی
طرح کسی عورت کا بچہ سینہ پر پڑا ہوا دودھ پی رہا ہو اور وہ عورت کی چھاتی
پر دودھ ڈال دے اور پھر وہ بچہ اپنی ہی قے کو چھاتی پر سے چوس لے تو چھاتی
عورت کی پاک ہو جائے گی کیونکہ قے میں دودھ ڈالا تھا وہ ناپاک تھا اور بچہ
نے اس کو چھاتی چوستے چوستے چوس لیا اور عورت کی پستان پر سے وہ نجاست
دور ہو گئی تو عورت کی چھاتی پاک ہو گئی۔ اب فرض کیجئے کسی کی انگلی پر نجاست
لگی ہوئی تھی۔ اس نے اپنی اس ناپاک انگلی کو چوس لیا تو قطع نظر اس کے
کہ یہ نجاست کا چوسنا کیسا تھا انگلی کا حکم یہ ہے کہ وہ پاک ہو گئی، باقی نجاست
کا چاٹنا تو ظاہر ہے کہ یہ فعل حرام ہے گناہ ہے، حنفیہ نے یہ کب کہا ہے کہ تم
نجاست چاٹا کرو۔ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ نجاست کا چاٹنا حرام ہے لیکن اگر
کوئی یہ حرام فعل کرے تو انگلی کا کیا حکم ہے وہ انگلی کی پاکی و ناپاکی کو بتاتے
ہیں اور یہ پروپیگنڈا کرنے والے کہتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک بجز خنزیر کے کوئی
دوسرا جانور نجس العین نہیں اور جو جانور نجس العین نہیں ہیں ان کی کھال دباغت
سے پاک ہو سکتی ہے تو کتے کی کھال پر کیا اعتراض ہے اگر اعتراض کرنا ہے
تو یہ کرو کہ امام ابو حنیفہ کتے کو سور کی طرح نجس العین کیوں نہیں کہتے اصل
مسئلہ پر بحث نہ کرنا اور تخریجی مسائل کی بھونڈے طور پر تشہیر کرنا ایک ایسا

مذموم فعل ہے کہ خواص تو خواص عوام بھی اسے قابل نفرت سمجھتے ہیں۔ بالکل ایسی ہی شکل محرمات کے نکاح اور لواطت کی ہے۔ حنفیہ یہ نہیں کہتے کہ ایسے نالائقوں کو سزا نہ دی جائے بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ زنا کی حد کے علاوہ جو سخت سے سخت سزا دی جا سکتی ہے وہ دو لیکن وہ سزا شدو جو زانی کو دی جاتی۔ اس لئے کہ لواطت زنا نہیں ہے خواہ نکاح کتنا ہی ناجائز کیوں نہ ہو۔ لیکن زنا اور اس کی سزا سے بچانے کے لئے نکاح کا نام کافی ہے اور حدود میں معمولی سے معمولی شبہ کا فائدہ بھی ملزم کو دینا شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معمول رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبہ کی بنا پر حدود کو چھوڑ دیا کرو۔ اور حد جاری نہ کیا کرو۔ تمام دنیا کے قوانین کا یہ دستور ہے کہ سو گناہ گاروں کا بری ہو جانا اتنا خطرناک نہیں ہے جتنا ایک بے گناہ کا سزایاب ہو جانا۔ لواطت زنا سے زیادہ مذموم سہی۔ لیکن بہر حال وہ زنا نہیں۔ جب زنا کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی تو زنا کی حد کیوں جاری کی جائے۔ خواہ کوئی سزا زنا سے زیادہ دی جائے لیکن فقہ حنفیہ کی رو سے زنا کی حد جاری نہیں ہو سکتی۔

شعرا کی موشگافیاں

بہر حال اس حسن مجازی اور عشق مجازی کے سلسلے میں شعراء کا تذکرہ بھی آ گیا تھا جس طرح حسن و عشق میں تلازم ہے۔ اسی طرح اس بحث میں شاعروں کا تذکرہ بھی ضروری ہے کیونکہ اصل میں یہی لوگ حسن کے چمکانے والے ہیں۔ یہ نہ ہوں تو دنیا کا نصف جھوٹ ختم ہو جائے یہ اصل میں فرضی قصوں

اور جھوٹی داستانوں کے موجد ہیں، خدا جانے قدرت نے ان کو کیسا دماغ عطا فرمایا ہے۔ اتنی دور کی بات کہتے ہیں کہ انسان سر دھنتا رہ جاتا ہے اور لطف یہ کہ جتنا زیادہ جھوٹا شاعر ہوگا اتنا ہی مقبول ہوگا۔ اکذبہم احسنہم شاعر کا سب سے زیادہ کمال یہ ہے کہ سب سے زیادہ جھوٹا اور کذاب ہو۔ حضرت حق جل مجدہ فرماتے ہیں وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُونَ أَلَمْ تَرَ أَنَّهُمْ فِي كُلِّ وَادٍ يَهِيمُونَ وَأَنَّهُمْ يَقُولُونَ مَا لَا يَفْعَلُونَ اور شعراء کی پیروی وہی لوگ کرتے ہیں جو ہدایت کی روشنی سے محروم ہیں۔ شعراء کی حالت یہ ہے کہ یہ تخیلات کی وادیوں میں سراسیمہ دھکے کھاتے پھرتے ہیں۔ اور یہ لوگ جو کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ عام شاعروں کی حالت کا ذکر کرنے کے بعد اُن میں سے ان شاعروں کو مستثنیٰ کر دیا جو اسلام کی خدمت کرتے ہیں۔ اور اپنی شاعری میں مسلمانوں کی شجاعت اور کافروں کی بزدلی کا بیان کرتے ہیں۔ بہر حال ان شعراء نے حسن کی جو خدمات انجام دی ہیں اور عشق کو جس قدر مشہور کیا ہے وہ محتاج بیان نہیں لیکن اس راہ میں اتنا مبالغہ کیا ہے کہ اگر ان کے معشوق کی ان کے بتائے ہوئے نقشہ کے مواقف تصویر بنائی جائے تو اس کو دیکھ کر انسان ڈر جائے شلاً آپ ایک ایسا انسان بنائیں جس کی گردن مور سے بھی لمبی ہو اور اس کی آنکھیں ہرن کی آنکھوں سے بھی بڑی ہوں۔ منہ اس کا نادرد ہو۔ کمر یا تو بالکل نہ ہو اور اگر ہو بھی تو بال سے زیادہ باریک ہو، ناک کیا ہے

لہ اور شاعر کی بات پر چلیں وہی جو بے راہ ہیں تو نے نہیں دیکھا کہ وے ہر میدان میں سر مارتے پھرتے ہیں اور یہ کہ وہ کہتے ہیں جو نہیں کرتے۔

جیسی لمبی ہو۔ کنارا جانتے ہو، املی کے درخت کا پھل جو خام ہو۔ اسے دہلی میں کنارا کہتے ہیں۔ انگلیاں ایسی باریک ہوں جیسے جھاڑو کے تنکے۔ اب آپ ہی فرمایئے اس تصویر سے کوئی شخص دلچسپی کا اظہار کرے گا یا ڈر کر بھاگے گا۔

عُرفی کا معشوق

عُرفی فارسی کے اُن شاعروں میں سے ہیں کہ جس زمانہ میں فارسی کا رواج تھا۔ اس زمانہ میں بھی اس کے قصائد کو سمجھنے اور سمجھ کر پڑھانے والوں کی تعداد انگلیوں پر شمار ہوتی تھی۔ اور اب تو فارسی کا دور ہی ختم ہو گیا۔ اور اس طرح ختم ہوا کہ لوگ فارسی کو مردہ زبان سمجھنے لگے۔ ہمارے ہاں دہلی میں بعض کایستھ فارسی پڑھانے میں مشہور تھے۔ کناری بازار میں ایک صراف تھا جس سے اکثر مسلمان بھی فارسی پڑھنے جایا کرتے تھے خدا جانے وہ اب زندہ ہے یا مر گیا، میں نے اپنے بچپنے میں دیکھا تھا اُس وقت بھی خاصا ادھیڑ تھا۔ وہ عرفی کے قصائد خوب پڑھایا کرتا تھا۔

فیضی اور ابوالفضل

فیضی اور ابوالفضل کے تذکروں میں بھی عرفی کا ذکر آتا ہے، میں نے کسی کتاب میں تو دیکھا نہیں۔ لیکن بعض اساتذہ سے سُنا ہے کہ فیضی اور ابوالفضل کسی شاعر کو اکبر کے دربار میں جمنے نہ دیتے تھے۔ فیضی کے حافظہ کا یہ حال تھا کہ جہاں کسی شاعر نے دربار میں قصیدہ پڑھا اور اس کو ایک مرتبہ

سنتے ہی وہ قصیدہ حفظ ہو گیا اُس نے فوراً اکبر سے عرض کی حضور یہ قصیدہ تو میرا ہے۔ اگر جہاں پناہ حکم دیں تو میں پڑھ کر سنا دوں فیضی کے لڑکے کی یہ حالت تھی کہ وہ دو دفعہ سن کر یاد کر لیا کرتا تھا۔ فیضی کسی کے قصیدہ کو سنا کر کہا کرتے تھے کہ اگر حضور حکم دیں تو غلام زادہ بھی اس قصیدہ کو سنا دے۔ فیضی کے غلام کی یہ حالت تھی کہ وہ تین مرتبہ کسی قصیدہ کو سنکر اسکا حافظ ہو جاتا تھا چنانچہ جب فیضی کے صاحبزادے اس قصیدہ کو سنا دیتے تھے تو اکبر کی خدمت میں عرض کیا جاتا خانہ زاد کا غلام بھی اس قصیدہ کو سنا سکتا ہے۔ اکبر کو یقین ہو جاتا تھا کہ یہ قصیدہ فیضی کا ہے۔ وہ شاعر جس کا قصیدہ ہوتا تھا انعام سے محروم کر دیا جاتا تھا۔ عرفی جب اکبر کے دربار میں حاضر ہوا تو اس کو فیضی کی اس ترکیب کا علم ہو چکا تھا۔ چنانچہ عرفی کو جب اجازت ملی تو اس نے اپنا قصیدہ سنانا شروع کیا۔ اور جب نصف کے قریب پہنچا تو خاموش ہو گیا۔ اکبر نے حکم دیا کہ آگے بھی پڑھو۔ عرفی نے عرض کیا کہ جہاں پناہ آگے فیضی سے سن لیجئے۔ کیونکہ پورا قصیدہ ختم ہو جانے کے بعد یہ اس کو اپنا کہیں گے اس لئے بہتر ہے کہ ان سے پہلے ہی سن لیا جائے۔ فیضی اس کار روائی سے بہت گھبرائے اور عرفی کامیاب ہو گیا۔ چونکہ فیضی اور ابو الفضل بہت کامیاب وزیر تھے۔ اس لئے اگرچہ عرفی کا تقرر ہو گیا۔ لیکن ہمیشہ ان سے کچھ نہ کچھ نوک جھونک ہوتی رہتی تھی۔ عرفی کی عمر نے وفا نہ کی وہ بیمار ہوا اور مر گیا۔

فیضی اور ابو الفضل کا ایک اور واقعہ ہے۔ اس کی بیماری میں

دونوں بھائیوں کو یہ خیال ہوا کہ عرفی کی عیادت کو چلیں۔ چنانچہ یہ دونوں عرفی کے مکان پر پہنچے۔ اور بدقسمتی سے ایسے وقت پہنچے جب عرفی اپنی زندگی کے آخری سانس پورے کر رہا تھا۔ جب یہ پہنچے تو انہوں نے اس سے دریافت کیا۔ ماکیانیم؟ جس کا مطلب یہ تھا کہ ہم کون ہیں۔ عام طریقہ سے لوگوں کی یہ حالت ہے کہ جب کسی مریض کے پاس جاتے ہیں تو بجائے استغفار اور کلمہ پڑھنے کے اس کو اطمینان دلاتے ہیں کہ تم اچھے ہو جاؤ گے کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے اور اگر حالت نزع میں کسی کے سرہانے جا پہنچیں تو یہ دریافت کیا کرتے ہیں۔ مجھ کو پہچانا، میں کون ہوں؟ اگرچہ عوام کی یہ حالت ہے۔ لیکن بعض دفعہ خواص بھی ایسی ہی باتیں کر بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ فیضی اور ابوالفضل نے بھی عرفی سے یہی کہا کہ ہم کون ہیں۔ چونکہ فارسی میں ماکیانیم کا مطلب یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم کون ہیں اور یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم مرغیاں ہیں۔ ماکیان مرغی کو بھی کہتے ہیں۔ چونکہ ان کے منہ سے ایک ذو معنی فقرہ نکلا تھا اس لئے عرفی نے نزع کی حالت میں بھی اس فقرہ کو نظر انداز نہ کیا اور ایسا جواب دیا کہ فیضی اور ابوالفضل نے ہمیشہ یاد رکھا ہوگا۔ اس نے اسی حالت میں کہا "مرغ روح من در پرواز است حاجت ماکیان نداز د" یعنی میری روح کا مرغ اس وقت اڑ رہا ہے اس کو مرغیوں کی ضرورت نہیں ہے۔ عرفی نے نزع کی حالت میں یہ فقرہ چست کیا اور ان کی طرف سے منہ موڑ کر ہمیشہ کے لئے خاموشی اختیار کر لی۔ یہ واقعہ خدا جانے کہاں

تک صحیح ہے لیکن اگر صحیح ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس کی جودت طبع اور اس کی حاضر جوابی کا ایک روشن کارنامہ ہے جس سے اس کی طبیعت کا اندازہ معلوم ہوتا ہے۔

ابراہیم جراح اور امام ابو یوسف رح کی

مجھے اس حاضر جوابی پر ایک اور واقعہ حضرت ابراہیم جراح رح جو بہت بڑے فقیہ ہیں اُن کا یاد آگیا۔ یہ ابراہیم جراح حضرت امام ابو یوسف رح رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں ایسے وقت حاضر ہوئے جب وہ مرض الموت میں مبتلا تھے اور مرنے میں تھوڑا وقت باقی تھا حضرت امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے اُسی حالت میں اُن سے دریافت کیا رمی جمار یعنی حج کے موقع پر کنکریاں مارنا سواری پر افضل ہیں یا پیدل۔ اُنھوں نے عرض کی حضرت کنکریوں کا بدون سواری کے پھینکنا افضل ہے۔ امام ابو یوسف رح نے فرمایا جراح تو نے غلطی کی اُنھوں نے فوراً کہا حضرت سواری پر سے کنکریاں مارنا افضل ہے۔ امام ابو یوسف نے فرمایا جراح تو نے غلطی کی امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا۔ جراح جس جمرے کے بعد دوسرے جمرے کی رمی کے لئے جانا ہو اُس کی رمی تو سواری پر کرنا افضل ہے اور جس جمرے کے بعد دوسرے جمرے کی رمی کرنا نہ ہو اُس کی رمی زمین پر کھڑے ہو کر کرنا افضل ہے۔ حضرت ابراہیم جراح فرماتے ہیں امام صاحب سے جب میں یہ باتیں کر کے مکان پر واپس آیا تو معلوم ہوا

امام صاحب کی وفات ہوگئی۔ ایک طرف عرفی کا دماغ ہے اور ایک طرف امام ابو یوسف رح کا دماغ ہے۔ قُلْ کُلٌّ یَعْمَلُ عَلٰی شَاکِلَتِہٖ[1]

عرفی کی شاعری کی

بہر حال یہ تو ایک بات لطیفہ کے طور پر میں نے عرض کی۔ ورنہ میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ ان ایشیائی شاعروں نے اپنے معشوق کی ایسی مٹی پلید کی ہے کہ وہ معشوق تو کیا رہا اُس کو ایک خوفناک اور ڈراؤنی چیز بنا دیا ہے۔ کسی معشوق کے منہ کا چھوٹا ہونا، کمر کا پتلا ہونا، گردن کا لمبا ہونا۔ آنکھوں کا بڑا ہونا یہ سب چیزیں معشوقیت اور محبوبیت کے لئے اچھی ہیں لیکن نہ اس طرح کہ سچ مچ مور سے لمبی گردن بنا دی جائے کمر کو اور منہ کو غائب کر دیا جائے۔ بھلا وہ معشوق کیا ہوگا۔ ایک ہوا ہوگا۔ لیکن ان فارسی شعراء کو کیا کہا جائے جنہوں نے ایسی مبالغہ آمیزی میں کمال پیدا کیا تھا اور جنہوں نے کذب سافرج یعنی خالص جھوٹ کو اپنے کلام کی زینت در ونق کا معیار قرار دیا تھا۔ جب کسی انسان کا نظریہ ہی غلط ہو تو اس سے کسی صحیح بات کی کیا توقع ہوسکتی ہے۔

موجودہ دور کی شاعری کی

اسی لئے موجودہ دور کے روشن خیال شعراء نے اس ذہن و فکر کے قصوں سے اپنی بیزاری کا اعلان کر دیا اور موجودہ زمانے کے مذاق کا لحاظ کرتے ہوئے شاعری یا فن شعر گوئی کو نئی بنیادوں پر استوار کیا

[1] تو کہہ ہر کوئی کام کرتا ہے اپنے ڈول پر ۱۲۔

میں یہ نہیں کہتا کہ متقدمین کا کلام ان باتوں سے خالی تھا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے کلام میں ذرا تلاش کر کے کوئی شعر ایسا نکالنا پڑتا ہے جو موجودہ حالت پر چسپاں کیا جا سکے اور آجکل کے مشہور شعراء چونکہ اسی دور کی پیدائش ہیں اس لئے انہوں نے جو کہا ہے وہ اپنے ماحول سے متاثر ہو کر کہا ہے اس لئے ان کا شعر موجودہ دور کی ایک مکمل تصویر ہوتا ہے آپ چاہیں کہ عرفی اور نظیری کے کلام میں اقبال نظر آ جائے یا سودا اور میر کے کلام میں حالی اور اکبر الہ آبادی کی تصویر نظر آنے لگے تو یہ ایسا ہی ہوگا جیسے کوئی امراؤ القیس اور معدی کرب زبیدی کی شاعری میں نماز اور روزے کی تعریف تلاش کرنے لگے۔ ہر دور اپنے ساتھ ایسی خصوصیات رکھتا ہے جو اس کے لئے مخصوص ہوا کرتی ہیں زمانہ جب کوئی انقلابی کروٹ بدلتا ہے تو اپنے ساتھ ہر ضرورت کا نیا سامان لے کر آتا ہے۔

بہرحال اس بے کار بحث میں میں آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔ ذرا عرفی صاحب کے معشوق کے دہن اور کمر کو خوردبین لگا کر دیکھئے اگر کچھ نظر آ جائے تو خیر ورنہ کم از کم اس کے تخیل کی بلند پروازی پر اس کو داد تو دیجئے ارشاد ہوتا ہے ؎

اے آنکہ جزو لایتجزیٰ دہان تو　　خطے کہ ہیچ عرض ندارد میان تو
کردی بہ نطق نقطۂ موہوم را دونیم　　اے ناسخ کلام حکیمان بیان تو

ملاحظہ کیجئے منہ کے چھوٹے ہونے کی بھی کوئی انتہا ہے اور کمر کے

خدا مستقیم ہونے کا بھی کوئی ٹھکانا ہے۔ ایسے معشوق کو کوئی کیا خاک گلے لگائے
اور کیا خاک پیار کرے۔ جو چیز محض وہمی ہو اور خوردبین سے بھی نظر نہ آئے
اس کو چوما کس طرح جائے اور سینہ سے کیوں کر لگایا جائے مگر اور ہی
نہ ہوئے حق اور رسل کے کیٹرے یا بلیریا اور انفلوانزا کے جراثیم ہوگئے
جس کو ڈاکٹر ہی دیکھ سکتے ہیں یا صرف شاعری کو نظر آسکتے ہیں۔ باقی
تمام دنیا اُن کے دیدار سے محروم ہے۔

کچھ عرفی پر موقوف نہیں بلکہ مبالغہ آمیزی ان شاعروں کی گھٹی میں
پڑی ہوئی ہے۔ یہ تو خیر عرفی ہیں اور وہ آپ کے نظامی اور فردوسی
جو رزم کے بادشاہ ہیں وہ کیا ہیں؟ ان کی بھی سُن لیجئے ؎

زلیں گرد دیر تا رک عرش زمین زمیں آسمان آسمان شد زمیں
زسم ستوراں دراں پہن دشت زمیں شش و آسمان گشت ہشت

بھلا انتا بھی خاک اڑانے کی بھی حد کر دی کہ زمین کا ایک پورا طبقہ
اُڑا کر آسمان بنا دیا۔

میاں جرأت کی بپتی } خیر یہ تو ایرانی شعرا کا ذکر تھا۔ اردو شاعری
جو ہندی بھاشا اور فارسی دونوں کی
اولاد ہے بھلا یہ اس مبالغہ آمیزی سے کب بچ سکتی تھی ابتدا میں
جب دونوں کا جوڑ لگا ہے تب کچھ اور ہی رنگ تھا۔ اردو شاعری
کی ابتدائی حالت دیکھنی ہو تو حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی ٹھمریاں
اور دوہے اور پہیلیاں دیکھئے جن سے آپ کو معلوم ہوگا کہ زبان کس

طرح آپس میں گلے ملتی ہیں اور دو چیزوں کے ملنے سے کس طرح تیسری چیز پیدا ہوا کرتی ہے۔ جو بچہ خسروؒ کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا وہ بڑھا پلا اس نے آہستہ آہستہ ترقی کی اور آخر ماں کو چھوڑ کر باپ کا ہو گیا۔ اگر آپ ایک ہی وقت میں امیر خسرو کی خالق باری اور ڈاکٹر اقبال کا بال جبریل سامنے رکھ کر مطالعہ کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جو بچہ بھاشا اور فارسی کے اختلاط سے پیدا ہوا تھا وہ عربی اور فارسی کا ہو کر رہ گیا ہے۔ اور اس کو یہ بھی یاد نہیں کہ میری حقیقی ماں کون تھی۔ بہر حال یہ اردو کے شاعر چونکہ عام طور پر ایرانی شاعروں کے مرہون منت ہیں اس لئے اُن کا معشوق بھی ایرانی معشوق سے ملتا جلتا ہے بلکہ یوں کہئے وہی ہے صرف شلوار اور کلاہ کی بجائے اس کو آڑا پاجامہ اور دو پلڑی ٹوپی اُڑھادی ہے ورنہ ایک ہی چیز ہے۔ اگر کوئی اہلِ ذوق اتنی تکلیف برداشت کرے کہ اردو شاعروں کے دیوان پڑھتے وقت دیوان حافظ اور دیوان صائب کو سامنے رکھ لیں تو ان کو معلوم ہو جائے گا کہ اصل اور نقل کا فرق ہے ورنہ بات ایک ہی ہے جو بجائے فارسی کے اردو میں کہہ دی گئی ہے۔ آپ کے خوف سے میں اس کو سرقہ نہیں کہتا بلکہ توارد کہتا ہوں۔ دیکھئے غالب فرماتے ہیں ؎

گیرم کہ وقت ذبح تپیدن گناہ من
دانستہ دشنہ تیز نہ کردن گناہ کیست

اب ایک اردو کے شاعر کا توارد ملاحظہ کیجیے ؎

ما ما کہ وقت ذبح ہیں سا تڑپا مرا کیا　　خنجر کیا تجربہ کس کا قصور تھا

اور سنیئے ایک فارسی شاعر جن کا نام غالباً غنی ہے فرماتے ہیں ؎

لیئے یار من ازیں سست وفا می آید　　گلم از دست بگیرید کہ از کار شدم

اب جناب سوداؔ کا توارد ملاحظہ کیجئے ؎

کیفیت چشم اس کی مجھے یاد ہے سوداؔ　　ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں

گل کی بجائے ساغر رکھ دیجئے یا ساغر کی بجائے گل رکھ دیجئے اور

پھر مرزا رفیع الدین صاحب کو اس توارد کی داد دیجئے۔

غالباً مخفی کا ایک شعر ہے لوگوں میں مشہور ہے کہ مخفی زیب النساء کا

تخلص تھا بہرحال ارشاد ہوتا ہے ؎

برقع برخ افگندہ برد ناز بباغش　　تا نگہت گل بیختہ آید بدماغش

ایک اردو کے شاعر کو توارد ہوتا ہے اور کیا خوب توارد ہے جس

سے سرقہ بھی محجوب ہے ؎

رکھا ہے اس نے ناک پہ رومال باغ میں　　تا لیئے گل دماغ میں پہنچے چھنی ہوئی

اس قسم کے ہزاروں شعر سنائے جا سکتے ہیں۔ لیکن مجھے افسوس ہے

کہ اس وقت اس کا موقع نہیں ہے۔ بہرحال آپ عرفی کے معشوق کو

تو ملاحظہ کر چکے اور اس کے دہن اور کمر کی تعریف سن لی۔

جرأت کا تذکرہ اب ذرا اردو کے ایک مشہور شاعر کا جن کی زندگی

بڑی پُرلطف تھی۔ اُن کا معشوق ملاحظہ کیجئے یحیٰی

امان جو جرأت تخلص کرتے تھے اور ہر وقت قلمدان بغل میں لئے پھرتے

تھے جہاں کسی نے اُن کی شان میں کوئی گستاخی کی اور اُنہوں نے چند شعر اس کی ہجو میں لکھ کر دہلی کے لونڈوں کو یاد کرا دیے۔ گویا جناب جرأت اُس زمانہ کے ہجو نویس اخبار کے ایڈیٹر تھے جس سے ناراض ہوئے یا جس نے اُن کا منہ چڑانا کیا اُس کے خلاف لکھنا شروع کیا اور کالم کے کالم سیاہ کر ڈالے۔ آجکل کے ان بدتمیز ایڈیٹروں کو نثر لکھنے کا سلیقہ بھی نہیں لیکن وہ نظم اتنی اچھی لکھتے تھے کہ جس کی ہجو کیا کرتے تھے وہ بھی مزے لے لے کر پڑھتا تھا۔ ایک زمانے میں مصنوعی اندھے بھی بن گئے تھے لیکن اس تصنع کو زیادہ نہ نبھا سکے اور آخر ایک دن اُن کے اندھے ہونے کا بھانڈا پھوٹ گیا۔ اگرچہ وہ اندھے خاص مصالح کے ماتحت بنے تھے لیکن آخری عمر میں سچ مچ اندھے ہو گئے اور تیرھویں صدی ہجری میں خدا کو پیارے ہو گئے۔ خیر مجھے تو اس وقت اُن کا ایک شعر سنانا ہے جس سے آپ کو یہ معلوم ہو جائے کہ ان اردو شاعروں نے کیا غضب ڈھایا ہے۔ اُستاد جرأت فرماتے ہیں ؎

صنم سنتے ہیں تیرے بھی کمر ہے
کہاں ہے کس طرف کو ہے کدھر ہے

اب فرمائیے جس معشوق کی کمر ٹٹولنے سے بھی نہ ملے وہ کیا خاک معشوق ہو گا۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ ابھی اور تو اور وہ حضرت ملا جامی کی سنیے کہ یہ بخت شاعری بھی ایسی ہے کہ اس کے چکر میں پھنس کر مولویت بھی ختم ہو جاتی ہے۔ حضرت مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کا علم تصوف اور علوم ظاہری میں جو مرتبہ ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں

ہے۔ ہندوستان تو ہندوستان میں نے مدینے کے حرم میں طالب علموں
کو ملا جامی کی شرح کا فیہ پڑھتے دیکھا ہے اتنا بڑا عالم اور اتنا بڑا صوفی لیکن
شاعری کا رنگ ملاحظہ کیجیے زلیخا کی تعریف میں ارشاد فرماتے ہیں ؎

زطرف لوح سیمیں نقش نمودہ — دو نون سرنگوں از مشک سودہ
برابرآں دو نون طرفہ صادش — نوشتہ کلک صنع اوستادش
زحد نون اوتا حلقۂ میم — الف وادی کشیدہ بینی از سیم
فزودہ بر الف صفر دہان را — یکے وہ کردہ آشوب جہان را

حضرت مولانا کی جدت طبع آپ نے ملاحظہ کی۔ نون سرنگوں ناک بھی
تھی۔ لیکن ناک اور منہ کو ملا کر دس کا ہندسہ بنانے کی داد تو دیجیے۔
ناک کو الف بنایا بلکہ یوں کہیے ناک کو ایک کا عدد بنایا اور زلیخا کے منہ
کو اتنا چھوٹا کیا کہ صفر کر دیا۔ اب ایک کے عدد کے برابر صفر لگا دو تو دس
ہو گئے گویا معشوق ہے کہ چہرے پر دس کا ہندسہ لکھے ہوئے بیٹھا ہے۔

حسنِ حقیقی کے تاثرات

محترم حضرات! میں عرض کر رہا تھا کہ انسان
عشقِ مجازی اور حسنِ فانی کے سلسلے میں
زیادہ سے زیادہ مصائب برداشت کرتا ہے اور صدہا ناکامیوں کا بطیب
خاطر مقابلہ کرتا ہے اور اُف نہیں کرتا۔ جب حسنِ مجازی کی یہ زور آوری
ہے تو بھلا حسنِ حقیقی کی کارفرمائیوں کا کیا ٹھکانا ہے حسنِ مجازی کے تذکرے
میں شعراء کا ذکر آ گیا تھا۔ ورنہ میں تو یہ گذارش کر رہا تھا کہ حضرت حق کے
ابتلا و امتحان کے مصالح پر کس کی نظر ہو سکتی ہے اور جن کو حقیقت میں

اس بات سے دلچسپی ہے وہ تو اس کو ہی غنیمت سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کسی بندے کو آلام و مصائب کے لیے منتخب کر لیا اور جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہو کہ وہ محض حضرت حق کی توجہ کو غنیمت سمجھتے ہوں وہ بھلا شکوہ شکایت کر سکتے ہیں۔ کہیں محبت میں بھی اس قسم کا تصور آ سکتا ہے۔ میں تو کہا کرتا ہوں حقیقی محبت ہے کہاں؟ صاحبو! الفت ہی کلفت کہاں؟ ہم تو جھوٹے مدعی ہیں۔ ایک طرف مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ کہتے پھرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی کافروں پر مہربان ہیں۔ اُن کو دنیا بہت دیتے ہیں اور ہم کو دنیا کی دولت سے محروم کر رکھا ہے۔ گویا آپ کو شکایت بھی اُن سے یہ ہے کہ آپ کو دنیا کیوں نہیں دیتے۔ سبحان اللہ کیا محبت ہے؟ اور کیا آپ کا اسلام ہے۔ اسلام اُن کا تھا جو قیصر و کسریٰ کی دولت کو دیکھتے تھے اور تین تین وقت کے فاقوں میں خوش رہتے تھے۔ ان کو کبھی یہ تصور بھی نہ ہوتا تھا کہ کافروں کو اس قدر مال کیوں دیا گیا اور مسلمانوں کو مال و دولت سے کیوں محروم رکھا گیا۔

دنیا کی حقیقت میرے دوستو! میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دنیا کی حقیقت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں اگر خدا کے نزدیک دنیا کی حیثیت ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو وہ کسی کافر کو ٹھنڈے پانی کا ایک گھونٹ بھی نہ پلاتا۔ تم اللہ سے شکوہ کرنے بھی اٹھے تو ایسی ذلیل چیز کا جس کی خدا کے نزدیک کوئی قیمت نہیں ہے۔

سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم تو فرمائیں کہ اللہ سے جنت الفردوس مانگا کرو۔ خدا سے سوال بھی اس کی حیثیت کے موافق کیا کرو اور تمہاری کیفیت اُس فقیر کی سی ہے جو کسی بہت بڑے بادشاہ سے ایک پیسہ مانگنے لگے آج ایک شخص اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں بالقابہ کی خدمت میں شرف باریابی کے بعد اُن سے کہے جناب مجھے ایک پیسہ دیدیجئے تو کیا یہ اُن کی توہین نہ ہوگی۔ اس سے بڑھ کر آپ خدائے قدوس کی اور کیا توہین کریں گے کہ اس سے مچھر کا پر طلب کریں اور اگر وہ ہماری حسب منشاء عطا نہ فرمائیں تو ان کا گلہ کرتے پھریں کہ ہم نے اللہ میاں سے مچھر کا پر مانگا تھا انہوں نے ہم کو تو دیا نہیں اور کافروں کو دیدیا تمہاری شکایت کا تو خلاصہ یہی ہوا کہ ایک ذلیل چیز جو خدا کی نظر میں کوئی قدر و قیمت نہ رکھتی تھی وہ تم کو نہ ملی اور کافروں کو مل گئی۔

دنیا اور دین کا مقابلہ { بھائی صاحب! سن لیجئے ایک طرف دولت ہے۔ موٹریں ہیں۔ تخت و تاج ہیں ان سب چیزوں کے ساتھ کفر ہے۔ شرک ہے۔ خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی ہے۔ اور دوسری طرف فقر ہے، فاقہ ہے مصیبت ہے، مرض ہے، مصائب و آلام ہیں اور ان سب چیزوں کے ساتھ ایمان ہے، اسلام ہے، خدا کی توحید ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا یقین ہے تمہیں ان دونوں باتوں میں سے جو پسند ہو وہ اختیار کرلو۔ جاؤ دنیا لے لو اور کفر بھی لے لو۔ ہمیں ایسے کمزوروں کی پروا نہیں ہے۔ کیوں صاحب!

یہ تو بتاؤ کیا دنیا کے حوادثات کا کافروں پر اثر نہیں ہوتا، وہ بیمار نہیں ہوتے وہ مرتے نہیں، اُن کے بچے نہیں مرتے، اُن کے ہاں فاقہ نہیں ہوتا۔ کیا تمام کافروں کو ہر قسم کا عیش حاصل ہے اور تم کو دنیا میں کوئی آرام نہیں ملتا۔ تم سب بھوکے مرتے ہو؟ کیا تمہارے ہاں کسی کے پاس ہوٹر نہیں ہے۔ یہ نواب صاحب تشریف رکھتے ہیں۔ ان کے ہاں کتنے موٹر ہیں۔ ناگپور میں مسلمانوں کی مالی حالت کیا ہے۔ کیا یہاں کے تمام مسلمان فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں، کوئی بھی عیش کی زندگی بسر نہیں کرتا۔ اور اگر یہ نہیں بلکہ تمام ہندوستان کی مردم شماری کے اعتبار سے مسلمان بھی اپنی تعداد کے موافق دولتمند ہیں تو پھر خدا کا شکوہ کیوں کرتے ہو۔

اسلام بہترین نعمت ہے

خدا کی قسم اگر مسلمانوں کو سوائے اسلام کے کچھ بھی نہ دیتے اور کافروں کو کفر کے ساتھ سب کچھ دیدیتے تب بھی تم نفع میں تھے اور بہت کچھ نفع میں تھے۔ لیکن حضرت حق نے تمہارے ایمان کو کمزور سمجھ کر تم کو بھی دنیا دیدی وہ جانتے ہیں کہ یہ نالائق کھانے پینے میرا شکوہ کرتے ہیں۔ اگر کچھ نہ دوں گا تو بالکل ہی ہاتھ سے نکل جائیں گے۔ آپ تو یہ کہتے ہیں کہ کافروں کو بہت کچھ دیدیا اور میں کہتا ہوں آپ کی وجہ سے اُن کو جو کچھ دنیا چاہتے تھے وہ نہیں دیا۔ آپ کو شکوہ ہے کہ کافروں کو زیادہ مل گیا اور اصل میں واقعہ یہ ہے کہ آپ نے اُن کو دینے نہ دیا۔ کاش اگر آپ کو ان کافروں کا انجام معلوم ہوتا تو آپ خدا سے یہ دعا کرتے کہ الٰہی جو کچھ تو نے ہم کو دیا ہے وہ بھی اُن ہی

کو دیدے۔ تم یہاں کی راحت و مصیبت کو دیکھتے ہو۔ لیکن تم کو معلوم نہیں
کہ دنیا کا پانچ سو سالہ آرام و عیش ایک دفعہ دوزخ کو دیکھ لینے کے بعد
یاد بھی نہیں رہے گا اور یہاں اگر کسی کو پانچ سو سال تک مصائب
و آلام میں مبتلا رہنے کا اتفاق ہو اور اس کو قیامت میں ایک دفعہ جنت
کے دروازے پر لے جا کر دریافت کیا جائے کہ تو نے دنیا میں کوئی مصیبت
برداشت کی تھی۔ تو وہ عرض کرے گا الٰہی میں نے کوئی مصیبت کی شکل
ہی نہیں دیکھی۔ یہ جناب کی دنیا کے آلام اور یہاں کے مصائب کی حقیقت
ہے جس کے خلاف آپ نے شور برپا کر رکھا ہے۔ میرے نزدیک تو
دنیا کے معاملہ میں کافروں کی حالت قابل رحم ہے۔ ان کمبختوں کو جو کچھ
ملا ہے وہ ان کے استحقاق سے بہت کم ہے۔ آپ کو تعجب تو ہوگا۔
لیکن میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ وہی ہے جو حضرت حق نے ارشاد
فرمایا ہے۔

کافروں کو دنیا بہت کم دی گئی

ولولا ان یکون الناس امۃ واحدۃ لجعلنا لمن یکفر
بالرحمٰن لبیوتھم سقفا من فضۃ و معارج علیھا یظھرون
ولبیوتھم ابوابا و سررا علیھا یتکئون و زخرفا و ان کل ذٰلک
لما متاع الحیٰوۃ الدنیا والاٰخرۃ عند ربک للمتقین۔ فرماتے ہیں

ك اور اگر یہ نہ ہوتا کہ لوگ ہو جاویں ایک دین پر تو ہم دیتے ان کو جو منکر ہیں رحمٰن سے ان کے گھروں کی چھت روپے کی اور سیڑھیاں جن پر چڑھیں اور ان کے گھروں کو دروازے اور تخت جن پر تکیہ لگا کر بیٹھیں اور سونے کے اور یہ سب کچھ نہیں مگر برتنا دنیا کے جیتے اور پچھلا گھر تیرے رب کے ہاں انہی کو ہے جو ڈرتے ہیں۔

اگر مجھ کو یہ خطرہ نہ ہوتا کہ ضعیف الاعتقاد لوگ کفر کی طرف مائل ہو جائیں گے تو میں اپنے منکروں کو ایسے مکان دیتا جن کی چھتیں چاندی کی ہوتیں اور ان کو بڑے بڑے دروازوں کے مکان دیتا چاندی کی سیڑھیاں اور تخت اور سونے کے تکئے عطا کرتا۔ اگرچہ یہ سب کچھ دنیا ہی میں ہوتا اور آخرت کا عیش جو متقیوں ہی کے لئے ہے اس سے یہ محروم ہیں۔ جناب کی تو یہ خواہش ہے کہ کافروں کو کہیں بھی کچھ نہ ملے۔ آخرت تو آپ کے باپ دادا کی ہے ہی دنیا میں بھی ان کو کچھ نہ لینے دو وہ بے چارے آخرت سے تو محروم ہیں ہی۔ دنیا میں بھی ان کو محروم کر دو۔ بھائی آخر وہ بھی تو خدا کی مخلوق ہیں۔ کہیں تو ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک ہونے دو۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی اس پر شاہ صاحب نے جو تنبیہ لکھی ہے

وہ عجیب غریب ہے چند سطروں میں حضرت شاہ صاحب نے اپنی الہامی شان دکھائی ہے۔ فرماتے ہیں۔ یعنی کافر کو اللہ نے پیدا کیا ہے۔ کہیں تو اس کو آرام دے آخرت میں تو عذاب ہے دنیا ہی میں آرام ملتا مگر ایسا ہو تو سب وہی کفر پکڑ لیں۔ دیکھا شاہ صاحب کا کمال کیا مختصر خلاصہ کیا ہے کہ اگر ہر قسم کی نعمتیں کافر کو ملتیں تو لوگ کافر ہی ہو جاتے اس لئے ان کو ان کے لائق آرام نہیں دیا گیا حضرت حق کم دینے کی معذرت کر رہے ہیں اور تم یہ گلہ کر رہے ہو کہ ان کو ضرورت سے زیادہ دیدیا گیا۔ بھائی میں نے تو قرآن کی آیت سنادی اب تم اللہ میاں سے خود فیصلہ کرو۔ مجھے تو ان سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔ تم کو ان سے قدم

قدم بہ شکایت ہے تم جا نو اور وہ جانیں ہیں تو اسی احسان میں دبا جا رہا ہوں کہ انہوں نے مجھ کو اسلام جیسی نعمت سے نوازا ہے اگر ان کا کرم نہ ہوتا تو خدا جانے ہیں کفر و شرک کی کونسی وادی ہیں ذلت و خواری کی زندگی بسر کر رہا ہوتا۔ ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء فتخطفہ الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق مشرک کی ذلت و خواری کی ایسی مثال ہے جیسے کسی کو آسمان پر سے پھینک دیا گیا اور اس کو جانوروں نے اچک لیا یا ہوا کے جھونکوں نے اسے کسی دور دراز وادی میں جا پھینکا۔

مشرک کی تشبیہ مشرک کی ذلت و خواری کی ان دو تشبیہوں کے بعد حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور کوئی شریک کرے اس کی مثال فرمائی اس واسطے کہ جس کی نیت ایک اللہ پر ہے وہ قائم ہے اور جہاں نیت بہت طرف گئی وہ سب اس کو راہوں سے اچک لے گئے یا سب سے منکر ہو کر دہریہ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ حضرت شاہ صاحب کی قبر کو اپنے نور سے بھر دے تشبیہ کی کیا خوب توجیہ فرمائی ہے اور کس خوبی کے ساتھ ان دونوں گروہوں مشرک اور ملحدین کی تقسیم کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ سبحان اللہ علم بھی کیا چیز ہے مگر افسوس کہ یہ سب خزانے قبروں میں ہیں یا کتابوں میں پوشیدہ ہیں جن کے مطالعہ کی نہ ہم کو فرصت ہے اور نہ اتنی قابلیت ہے کہ اس کے علمی نکات کو سمجھ سکیں۔

لہ اور جس نے شریک بنایا اللہ کا سو جیسے گر پڑا آسمان سے پھر اچکتے ہیں اس کو اڑتے جانور یا لے ڈالا اس کو باؤ نے کسی اور مکان میں ۱۲۔

خیر بھائی! میں تو اس احسان میں دبا جاتا ہوں کہ انہوں نے اپنے کرم سے مجھے مسلمان بنایا اگر وہ مسلمان نہ بناتے تو خدا جانے کفر کی کونسی تاریکی میں ٹھوکریں کھاتا پھرتا۔ مجھے تو ان سے کوئی گلہ نہیں آپ کو اُن سے گلہ رہتا ہے تو آپ جانیں اور وہ جانیں۔

احسانات خداوندی کا لامتناہی سلسلہ ارے بھلے آدمیو! دنیا کا تو گلہ کرتے ہو لیکن دین کے احسان کا شکریہ ادا نہیں کرتے اگر اللہ میاں کا کرم نہ ہوتا تو آج تم بھی مدبّروں کے سامنے اور درختوں کے آگے ہاتھ جوڑے بیٹھے ہوتے۔ کیا کسی بھلے کام کی توفیق عطا کر دینا اور بُری راہ سے بچا کر بھلی راہ پر لگا دینا یہ اُن کا احسان نہیں ہے۔ ایک وہ ہیں جو بھلا کام کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ناکام رہتے ہیں اور ایک وہ ہیں جن کو توفیق عطا فرماتے ہیں اور اُن سے اپنا کام لیتے ہیں۔

ایک رئیس کا واقعہ حضرات! ایک نئے فیشن کے رئیس تھے ایک دن اپنے ملازم سے فرمانے لگے کل صبح چار بجے ہمارے کپڑے لیکر حمام چلنا ہم کو غسل کرنا ہے۔ بھلا یہ اپنے کپڑے خود کس طرح لے جا سکتے تھے کیونکہ یہ فیشن کے خلاف ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا چار پیسے کا سودا خریدیں اور پانچ پیسے کا قلی کریں۔ اللہ اللہ! گویا اپنا سامان اٹھا کر لانا بھی آج کل کی تہذیب کے خلاف ہے۔ اوّل تو ان کے پاس کپڑا نہیں ہوتا۔ جس کے پاس دیکھئے ایک چار انگل کا رومال ہے۔ بھلا اس میں کیا باندھا جا سکتا ہے آدھ سیر امرود اس میں باندھئے تو ایک طرف

سے نکل جائیں اور گرہ دو تو دوسری طرف سے نکل جائیں پہلے بڑے بوڑھے جب گھر سے نکلتے تھے تو چادر بغل میں مار لیتے تھے اور کوئی پوچھتا تھا تو کہتے تھے بھائی موت زندگی کا کیا بھروسہ ہے کہیں مر جائیں تو اس میں لپیٹ کر دفن تو کئے جا سکتے ہیں۔ آج کل وہ چادر کہاں۔ ہاتھ میں لکڑی کہاں۔ ایک چھوٹا سا رومال ہے۔ اس میں باندھیں بھی کیا، پھر اس کم بخت کے رکھنے کی جگہ بھی متعین نہیں کبھی وہ پتلون کی جیب میں رہتا تھا۔ پھر کالر میں ٹھونسا جانے لگا۔ اب اس کا گھونسلا کچھ دنوں سے آستین میں بنایا گیا ہے۔ بھلا اس تلون مزاجی کا بھی کچھ ٹھکانا ہے کہ ایک چھوٹے سے رومال کے متعلق یہ طے نہیں کر سکے کہ اس کو کہاں اڑسا جائے اور اس کے باوجود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تہذیب کے لئے تبدیلی کا مطالبہ چار آنے کے آم لے کر بازار سے گذرنا خلاف تہذیب ہے۔ چار آنے کے آموں کے لئے بھی قلی کی ضرورت ہے اور امت میں اس کی ہیں جو بازار سے نہ صرف اپنا سودا خود لایا کرتے تھے بلکہ دوسروں کا سامان بھی اپنے کندھے پر رکھ کر اس کے گھر پہنچا دیا کرتے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ نے فرمایا تھا لتحمل الکل وتکسب المعدوم۔

تحمل الکل کی تفسیر

کل کے معنی ہیں تھکا ہوا آدمی۔ ایک مطلب تو یہ ہے کہ آپ ایسے آدمی کا بوجھ اٹھوا دیا کرتے تھے جو وہ نہیں اٹھا سکتا تھا۔ یعنی اٹھا کر اس کے کندھے یا پیٹھ پر رکھ دیا کرتے تھے اور ایک معنی یہ ہیں کہ تھکے ہوئے آدمیوں کا بوجھ اٹھا کر

اُن کے گھر پہنچا دیا کرتے تھے سیرت کے واقعات دوسرے ہی معنی کی تائید کرتے ہیں بلکہ اگر آپ کل کے معنی میں تعمیم کرلیں اور معنی یہ کرلیں کہ وہ شخص جو اپنی ضروریات کو پورا نہ کرسکے تو اس میں یتیم اور بیوگان اور فقراء بھی داخل ہو جائیں گے ۔ اور میری رائے میں یہی معنی مناسب ہیں ۔ اسی معنی کی طرف ابو طالب نے اپنے مشہور قصیدہ میں اشارہ بھی کیا ہے وہ فرماتے ہیں ؎

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

میرے بھتیجے کا چہرہ ایسا چمکدار ہے کہ اس کے چہرے اور اس کی ذات کا واسطہ دے کر خدا سے بارش طلب کی جاتی ہے اور میرا بھتیجا یتامی اور بیوگان کا محافظ اور اُن کی ضروریات کا کفیل ہے ۔

اب جملہ کے معنی یوں کہئے ۔

(۱) سرکار اپنا بوجھ خود اٹھاتے ہیں ۔

(۲) دوسروں کا بوجھ اُٹھوا کر اُن کے کندھے پر رکھ دیتے ہیں ۔

(۳) دوسروں کا بوجھ خود اُٹھا کر اُن کے گھر پہنچا دیتے ہیں ۔

(۴) کسی مقروض کے قرض کا بوجھ اُٹھا لیتے ہیں اور مقروض کا قرضہ ادا کر دیتے ہیں ۔

(۵) کسی عیالدار مفلس کا بار اُٹھا لیتے ہیں اور اس کو بچوں کی پرورش سے سبکدوش فرما دیتے ہیں ۔

(۶) یتامی اور بیوگان کے اخراجات کا بار اپنے ذمے لے لیتے ہیں ۔

ہائے اُس بار اُٹھانے والے کے قربان! جو دنیا بھر کے تھکے ماندوں کا بوجھ اُٹھانا تھا۔ کیا تعجب ہے کہ قیامت میں ہم گنہگاروں کو بھی بار معاصی سے سبکدوش کر دے اور ہم ہلکے پھلکے میدان محشر اور صراط سے گذرتے ہوئے جنت میں چلے جائیں۔

آرزو دارم شفاعت راکہ در یوم الحساب　　تو بگیری جانب حق من بگیرم کوئے تو

اللھم صل علی محمد و علی آل محمد

دوسرا فقرہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا وتکسب المعدوم ہے۔ اس کے بھی بہت سے معنی ہیں جن کا یہ موقع نہیں ہے۔ مگر ایک بات کہہ دوں شاید یاد رہ جائے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ لوگوں کو وہ چیز عطا فرماتے ہیں اور وہ تعلیم دیتے ہیں جو آپ کے علاوہ کسی دوسرے کے پاس مل ہی نہیں سکتی۔ آپ کے پاس مکارم اخلاق اور فوائد عامّہ کا وہ خزانہ ہے جو کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے اس لئے آپ سے لوگ وہ فوائد حاصل کرتے ہیں جو آپ کے علاوہ کسی سے حاصل ہی نہیں کر سکتے۔

(ستال) جناب امت میں تو اس کی ہیں جو دوسروں کا بوجھ اُٹھا دیا کرتے تھے اور آپ کی حالت یہ ہے کہ آپ سے اپنا بوجھ بھی نہیں اُٹھتا چار پیسے کا قلی تلاش کرنا پڑتا ہے۔

رئیس کا قصہ ہاں تو وہ رئیس صاحب نوکر سے کہنے لگے صبح چار بجے حمام چلنا ہے نوکر صبح چار بجے میاں کا جوڑا لے کر ساتھ ہو لیا۔ راستہ میں اتفاق سے صبح کی اذان ہو رہی تھی۔ نوکر نے کہا حضور ذرا یہ کپڑے لے لیجئے میں اٹھی

حاضر ہوتا ہوں۔ آقا بولے کہاں جائیگا۔ اُس نے کہا مجھے اللہ تعالیٰ بلا رہے ہیں۔ آپ سے مل کر ابھی آتا ہوں۔ آقا نے کہا اللہ تعالیٰ کہاں بلا رہے ہیں۔ اُس نے کہا سنئے اذان ہو رہی ہے۔ آقا نے کہا یہ تو مُلّا اذان دے رہا ہے۔ نوکر نے جواب دیا مُلّا کے کہا بیٹا بیٹی کا بیاہ ہو رہا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وہ کس کے لئے بلا رہا ہے۔ اگر عدالت سے کوئی سمن آتا ہے تو کیا آپ کبھی یہ کہہ دیتے ہیں کہ چپراسی کے بلانے پر ہم کیوں جائیں آقا جھنجلا کر بولے تو ہر بات میں بحث نہ کیا کر نماز پڑھ کر جلدی آجا چنانچہ نوکر نماز پڑھنے چلا گیا۔ اس کو آنے میں تاخیر ہوئی آقا صاحب مسجد کے دروازے پر بیٹھے ہوئے ایک ایک نمازی سے دریافت کر رہے ہیں کیوں صاحب اب مسجد میں کتنے نمازی اور ہیں۔ کسی نے کہا دس ہیں کسی نے کہا پانچ ہیں کسی نے کہا دو ہیں۔ آخر ایک شخص نے کہا جناب مسجد تو خالی ہو گئی صرف ایک آدمی کونے میں بیٹھا ہوا کچھ پڑھ رہا ہے۔ یہ سمجھ گئے اب ہمارا ہی نوکر ہوگا۔ دروازے پر سے چیخنا شروع کیا۔ نکلتا کیوں نہیں تیری نماز ہی ابھی ختم نہیں ہوئی۔ مجھے دیر ہو رہی ہے۔ جب اُنہوں نے زیادہ شور مچایا تو اس نے اندر سے جواب دیا صاحب کیا کروں آنے نہیں دیتے آقا کو غصہ تو آہی رہا تھا بس کر بولے کون نہیں آنے دیتے۔ اُس نے جواب دیا جو آپ کو اندر نہیں آنے دیتے۔ وہ مجھ کو باہر نہیں جانے دیتے حضرات اسی فرق کو لا یحب اللہ میں فرماتے ہیں اولئک الذین لم یرد اللہ ان یطھر قلوبھم[1] یہود کے تذکرے میں ارشاد فرماتے ہیں۔

---

[1] وہی لوگ ہیں کہ جن کو اللہ نے چاہا کہ دل پاک کرے۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب کی تطہیر اور پاکیزگی کا ہم نے ارادہ ہی نہیں کیا۔ دیکھا
آپ نے اب آپ ہی فرمائیے اس شوی قسمت کا جواب ہو سکتا ہے اسی پارہ
میں ارشاد فرماتے ہیں ومن یرد اللہ فتنتہ فلن تملک لہ من اللہ شیئاً ہم جس
کو فتنہ میں مبتلا کرنے کا ارادہ کر لیں اس کو تم اللہ کے مقابلہ میں کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے۔

لفظ اضلال کی تفسیر

اس آیت سے ایک اور شبہ کا بھی جواب ہو گیا ہوگا وہ جو آپ کو لفظ اضلال میں
الجھن ہوا کرتی ہے کہ صاحب اللہ تعالیٰ ہی گمراہ کرتا ہے تو ہم کیا کریں
اول تو جہاں اس قسم کا لفظ آیا ہے وہاں یہ ضرور فرمایا ہے کہ اُن کے
اعمال کی وجہ سے ہم نے اُن کو گمراہ کر دیا۔ دوسرے یہ کہ گمراہی کا مطلب
یہ نہیں کہ رستہ چلتے کو بہکا کر گمراہ کر دیا جائے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم رستہ
نہیں بتلاتے۔ اسی معنی کی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ ہم ایسے نا
لائقوں کی ہدایت و رہنمائی اور تطہیر کا ارادہ نہیں کرتے اور اسی صورت
میں مسلمانوں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ولکن یرید لیطھرکم اللہ
کا ارادہ یہ ہے کہ تم کو پاک کر دے۔ اب میں دریافت کرتا ہوں کسی
کی تطہیر کا ارادہ کرنا اور اس کو کفر و شرک کی آلودگیوں سے پاک کر کے
مسلمان بنانا اور برے اعمال سے بچا کر نیک کاموں کی توفیق دینا
کیا یہ اُن کا احسان نہیں ہے کیا یہ آپ کا احسان ہے کسی خدمت
کی انجام دہی تو خدمت لینے والے کا احسان ہے خادم کا کیا احسان؟

۱؎ اور جس کو اللہ نے بچانا چاہا سو تو اُس کا کچھ نہیں کر سکتا اللہ کے ہاں۔ ۱۲۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت

اسی کو فرماتے ہیں یمنون علیک ان اسلموا قل لا تمنوا علی اسلامکم بل اللہ یمن علیکم ان ھدٰکم للایمان یعنی لوگ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر اپنے اسلام کا احسان رکھا کرتے تھے ان کے متعلق ارشاد ہوا کہ اگر یہ لوگ ایسا کریں تو ان سے صاف کہہ دیجئے کہ تمہارے اسلام کا مجھ پر کوئی احسان نہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اس نے تم کو ایمان کی توفیق دیدی اور تم کو مسلمانوں کی جماعت میں شامل کر دیا۔ اگر آپ کے دل میں ایمان کی قدر ہوتی تو آپ بھی یہی کہتے کہ جس کو ایمان اور اسلام دے دیا اس کو سب کچھ دے دیا اور وہ خیر کثیر کا مالک بنا دیا گیا۔ ومن یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا یعنی جس کو ایمان کامل عطا کر دیا گیا اس کو خیر کثیر دیدی گئی۔ ایمان جیسی نعمت کے بعد پھر خدا سے دنیا کا شکوہ کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی بادشاہ یہ شکوہ کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو سب کچھ تو دے دیا۔ لیکن مجھ کا پرتو دیا ہی نہیں۔ اس شکوہ میں شاید کوئی تاویل بھی ہو سکے۔ لیکن ایمان کی دولت ملنے کے بعد دنیا کی قلت کا شکوہ تو ایک ایسا مذموم فعل ہے جس کی تاویل ہی نہیں ہو سکتی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اعتراف عجز

سیدنا موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان ہی احسانات

ﻟﮧ تجھ پر احسان رکھتے ہیں کہ مسلمان ہوئے تو کہہ مجھ پر احسان نہ رکھو اپنی مسلمانی کا بلکہ اللہ احسان رکھتا ہے تم پر تم کو راہ دی ایمان کی ۱۲ ﻟﮧ اور جس کو سمجھ ملی بہت خوبی ملی ۱۲

کا تصوّر کرتے ہوئے اپنی مناجات میں ایک دفعہ عرض کیا اے پروردگار تیرے لامتناہی احسانات کا شکریہ کس طرح ادا کروں۔ کیوں کہ اوّل تو احسانات کا شمار ہی طاقت سے خارج ہے فرماتے ہیں وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ اگر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو تم شمار کرنا چاہو تو ان کا احصار نہیں کر سکتے۔

ابھی باطنی انعامات کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ دیجئے۔ ظاہری انعامات کو پہلے دیکھئے فرماتے ہیں وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ۔ تم نے جو کچھ مانگا ہم نے وہ سب تھوڑا تھوڑا تم کو دے دیا۔ یہ تھوڑا تھوڑا میں نے مِن تبعیضیہ کا ترجمہ کیا ہے اور اس ترجمہ سے وہ شبہ زائل ہو جاتا ہے جو بعض تراجم سے لوگوں کو پیدا ہوا کرتا ہے۔ یعنی ما سالتموہ کا ابھی اور حقیقت میں یہ مطلب نہیں ہے اور یہ شبہ بھی حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے پیدا ہوتا ہے چونکہ شاہ رفیع الدینؒ نے ترجمہ میں مِن تبعیضیہ کی رعایت کی ہے اس لئے عبارت ذرا مغلق ہو گئی ہے۔ لیکن شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ میں یہ بات نہیں ہے اور غالباً اسی لئے حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ نے ترجمہ میں سے لفظ بعض کو چھوڑ دیا ہے۔ دیکھئے میں دونوں بھائیوں کے الفاظ آپ کو بتاتا ہوں پھر دیکھوں آپ کتنی اردو جانتے ہیں دیکھئے شاہ رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

"اور دیا تم کو بعضی ہر چیز سے جو سوال کرتے ہو تم اس کو"

اب ذرا دوسرے بھائی کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے فرماتے ہیں۔

---

[1] اور اگر گنو احسان اللہ کے پورے نہ کر سکو گے اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی۔

"اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی"

اب بتاؤ کیا سمجھے؟ دیکھیے دونوں بھائی قرآن کے مفہوم کو ادا کرنا چاہتے ہیں اور ایسا ترجمہ کرنا چاہتے ہیں جس سے وہ شبہ نہ ہو جائے جو میں عرض کر رہا ہوں بھائی بحث آیت کے مطلب میں ہے کہ آیت وآتاکم من کل ما سألتموہ کا مطلب کیا ہے۔ کیا جو کچھ مانگا اس میں سے بعض ملا مثلاً دس چیزیں مانگی تھیں ان میں سے آٹھ یا نو تو مل گئیں یا مطلب یہ ہے کہ چیزیں تو دس کی دس مل گئیں۔ لیکن ملیں تھوڑی تھوڑی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ سوال تو سب پورا کر دیا جتنی چیزیں مانگی تھیں تعداد کے اعتبار سے سب دیدیں۔ لیکن بقدر ضرورت تھوڑی تھوڑی دیں۔ یہ مطلب نہیں کہ سب دیدیں اور اب ہمارے خزانے خالی ہیں۔ چودھویں[1] پارے کی ایک اور آیت کا مطلب سمجھ لو پھر میں جو کچھ کہہ رہا ہوں وہ بات سمجھ میں آجائے گی۔ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِنْ من شیٔ الا عندنا خزائنه وما ننزله الا بقدر معلوم یعنی کوئی چیز نہیں جس کے ہمارے پاس خزانے بھرے ہوئے نہ ہوں۔ لیکن ہم بقدر ضرورت چیزوں کو نازل کرتے رہتے ہیں۔ بس اس "بقدر ضرورت" کا خیال رکھیے اور اب آیت زیر بحث کا ترجمہ کر لیجیے۔ قرآن نے تو چھ سات لفظ بولے اور جو کچھ کہنا تھا وہ کہہ دیا۔ اب اردو زبان کی بے کسی دیکھیے کہ دس منٹ ہو گئے اور میں آپ کو آیت کا صحیح مفہوم نہیں سمجھا سکا۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کمال دیکھیے کہ کس قدر

---

[1] اور ہر چیز کے ہم پاس خزانے ہیں اور اتارتے ہیں ہم ٹھہرائے ہوئے اندازے پر۔

مختصر الفاظ میں قرآن کا مفہوم ادا کیا ہے۔ میں نے آپ کے سامنے جو کچھ کہا حضرت شاہ صاحب نے اس کو ایک لفظ میں ادا کر دیا۔ وہ لفظ آپ بتا سکتے ہیں کونسا ہے۔ دیکھئے شاہ صاحب فرماتے ہیں "اور دیا تم کو ہر چیز میں سے" بس تمام مفہوم کی روح "ہر چیز میں سے" پوشیدہ ہے۔ سبحان اللہ شاہ صاحب کو کیا خوب لفظ ملا ہے۔ اجی ملا کیا ہے حضرت حق نے الہام کیا ہے وہ جب اپنے کسی بندے سے کام لینا چاہتے ہیں تو اسی طرح اُس کی اعانت کیا کرتے ہیں ظاہر میں اُسے رکھتے ہیں، دنیا یہ سمجھتی ہے کہ فلاں شخص یہ کام کر رہا ہے اور کرتے وہ خود ہیں اگرچہ رہتے ہیں پردے میں وہ کسی نے کیا خوب کہا ہے ؎

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ سے جلوہ آشکار
اُس پہ گھونگٹ یہ کہ صورت آجتک نادیدہ ہے

وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ کی تفسیر

قرآن واحادیث سے ہی اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بعض کام جو بظاہر ہم کرتے ہیں وہ حقیقت میں وہی کرتے ہیں حضرت حق نے اس انتہائی عمیق مسئلہ کو کس خوبی سے بیان فرمایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دورانِ جنگ میں ایک مٹھی کافروں کی طرف پھینکی تھی اور پھینکتے وقت فرمایا تھا شاھت الوجوہ اس خاک کا یہ اثر ہوا کہ اس کے ذرے ہر کافر کی آنکھ میں پہنچے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کو شکست دی۔ یہ واقعہ غزوۂ بدر اور حنین میں پیش آیا ہے۔ بہر حال قرآن سے اتنا معلوم ہوا ہے کہ سرکار دوعالم صلے اللہ علیہ وسلم نے مٹی پھینکی۔ حضرت حق نے اس واقعہ کو عجیب

خوبی سے بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے جب آپ نے مٹی پھینکی تو آپ نے نہیں پھینکی۔ بلکہ وہ تو ہم نے پھینکی تھی۔ سورۂ فتح میں ارشاد فرماتے ہیں اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ جو لوگ آپ سے بیعت کر رہے تھے وہ تو اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے تھے اور حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے یہ بیعت ہو رہی تھی۔ اس بحث کی شکل کا اظہار اس طرح کرتے ہیں یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ بیعت کرنے والوں کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہوتا ہے یعنی نیچے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ اس پر مسلمانوں کا ہاتھ مسلمانوں کے ہاتھ پر اللہ کا ہاتھ۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ جل شانہ کی اطاعت کی۔ بیعت اور اطاعت کی وحدت کا اظہار ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی عینیت کا اعتراف نہیں ہے۔ جیسا کہ بعض جہلاء نے گمان کیا ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کی فوج نے جن کفار کو قتل کیا تھا۔ ان مسلمانوں کو خطاب فرماتے ہیں۔ فَلَمْ تَقْتُلُوْھُمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ قَتَلَھُمْ جن کافروں کو تم نے قتل کیا تھا تو تم نے کہاں قتل کیا تھا۔

وہ تو اللہ نے ان کو قتل کیا تھا۔ یہ امر ہر شخص جانتا ہے کہ مٹی اور خاک کفار کی جانب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے پھینکی تھی اور کفار کو مسلمانوں نے قتل کیا۔ لیکن ان دونوں کاموں کو حضرت حق جل مجدہٗ

---

[1] جو لوگ ہاتھ ملاتے ہیں تجھ سے وے ہاتھ ملاتے ہیں اللہ سے [2] اللہ کا ہاتھ اوپر ہے اُن کے ہاتھ کے ۱۲ [3] اور جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا ۱۲ [4] سو تم نے اُن کو نہیں مارا لیکن اللہ نے مارا۔

نے اپنی طرف منسوب کر لیا اور فرمایا مٹی بھی ہم نے پھینکی اور کفار کو بھی ہم نے قتل کیا۔ ان دونوں آیتوں کا صحیح مطلب سمجھنے کے لئے پہلے آپ ایک حدیث کا مطلب سمجھ لیجئے۔

حدیث من عادلی ولیا کی تشریح

ایک حدیث قدسی میں ارشاد ہوتا ہے من عادلی ولیا فقد اذنته بالحرب۔ وما تقرب عبدی بشیٔ احب الی مما افترضته علیه و ما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی احببته فاذا احببته فکنت سمعه الذی یسمع به و بصره الذی یبصر به التی یبطش بها و رجله الذی یمشی بها وان سالنی لاعطینه ولئن استعاذنی لاعیذنه وما ترددت فی شیٔ انا فاعله ترددی عن نفس المؤمن یکره الموت وانا اکره مساءته ولابد له منه۔

حضرت حق ارشاد فرماتے ہیں جو شخص میرے کسی دوست اور ولی سے عداوت و دشمنی کرتا ہے۔ تو میں ایسے شخص کو لڑائی کا الٹی میٹم دیتا ہوں یعنی جو میرے کسی دوست سے جنگ کرتا ہے تو اپنے ولی کی جانب سے میں اس کے مقابلہ پر آجاتا ہوں اور یہ جنگ اس کی مجھ سے ہوتی ہے یا اعلان جنگ صرف دو ہی گناہوں کے بدلے میں کیا جاتا ہے۔ ایک سود خور کے متعلق فرماتے ہیں فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من اللہ ورسوله[1] سود خوروں کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اگر تم سود خوری سے باز نہ آؤ گے

[1] پھر اگر نہیں کرتے تو خبردار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اس کے رسول سے ۱۲

تو پھر سن لو اللہ اور اس کے رسول سے تمہاری جنگ ہوگی یعنی سود خوروں کو اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کرنے کے لیئے تیار رہنا چاہیئے تمام شریعت محمدیہ پر نظر ڈال جائیے۔ یہ جنگی الٹی میٹم بجز دو باتوں کے اور کہیں نہیں ملے گا۔ ایک سود خور کے لیئے۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو ایذا رسانی اور تکلیف دہی کے بدلے میں کما صرح صاحب اللمعات والمرقاۃ۔

سود خور اور ایذا رسانی میں مناسبت اب میں جناب سے ایک بات دریافت کرتا ہوں یہ تو آپ کو معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ جنگ کی دھمکی صرف دو شخصوں کو دیتے ہیں ایک سود خور کو جیسا کہ قرآن سے معلوم ہوا۔ دوسرے اللہ تعالیٰ کے کسی ولی اور دوست کے ایذا رسان کو جیسا کہ بخاری کی حدیث الٰہی میں موجود ہے۔ ان دو قسم کے گنہگاروں کے علاوہ کسی اور شخص کے لیئے یہ وعید میری نظر سے نہیں گذری۔ اب میں آپ سے یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ان دونوں مجرموں میں کیا مناسبت ہے؟ ان دونوں کو ایک سزا کا کیوں مستوجب قرار دیا گیا۔ اگر آپ ذرا سا تامل کریں گے تو آپ کی سمجھ میں آجائے گا کہ یہ دونوں مجرم ایذا رسانی اور تکلیف دہی میں مشترک ہیں۔ سود خور عام غربا اور اہل حاجت کو اذیت پہنچاتا ہے اور مزدوروں کا خون چوستا ہے۔ اسی لیئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے سود خوروں کو ایک خون کی نہر میں غوطے کھاتے ہوئے دیکھ کر حضرت جبریلؑ سے دریافت کیا تھا کہ یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبریلؑ نے بتایا تھا کہ یہ آپ کی

اُمت کے سود خور چونکہ عام اہلِ حاجت کو ستاتے اور تکلیف پہنچاتے ہیں، اس لئے جو سزا اُن کے لئے مقرر کی گئی ہے اور جو دھمکی اُن کو دی گئی تھی وہی ان لوگوں کو دی گئی جو خدا کے مخصوص بندوں کو ایذا پہنچاتے ہیں یا ان کی ایذا رسانی کے سامان بہم پہنچاتے ہیں۔

سود خور اور ولی کے دشمن میں فرق

سود خور کا تعلق چونکہ عام غربا اور امت کے فقراء سے تھا اس لئے سود خور کی جنگ میں اپنے رسول کو بھی شریک کر لیا۔ تاکہ وہ بھی اپنی اُمت کے مساکین اور اہلِ فقر کی حمایت میں حصہ لیں اور چونکہ ولی کا معاملہ حضرت حق کے مخصوص دوستوں کا معاملہ تھا اور خدا کے دوستوں کو تکلیف پہنچانے والے بالواسطہ حضرت حق کو تکلیف پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس لئے اُن کے مقابلہ کا اعلان بھی تنہا فرمایا فقد اٰذنتہ بالحرب یعنی اس جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شریک نہیں کیا تاکہ دوستوں کی خصوصیت کا اعلان ہو جائے اور یہ ظاہر کر دیا کہ ہمارے ولی کو جو ستائے گا اس کا ہم مقابلہ کریں گے اور چونکہ آگے کے ٹکڑوں میں ولی کی حالت ذکر کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوست کے اعمال و افعال کے وہی ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اس لئے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ جو ہمارے دوست کو ستاتا ہے وہ درحقیقت ہم کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتا ہے۔ کیونکہ ہمارا ولی جو کچھ کرتا ہے وہ تو ہم ہی کرتے ہیں۔ اس تقریر سے حدیث قدسی کی ترتیب بھی سمجھ میں آ گئی ہو گی۔ اور یہ بھی سمجھ میں آ گیا ہو گا کہ سود خور

کی لڑائی کیں اپنے رسول کو اپنے ساتھ شریک کرنا اس بنا پر نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی حمایتی یا مددگار کی ضرورت ہے۔ بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اُن کی اُمت کے غرباء اور اہلِ حاجت کی حمایت کرانی مقصود ہے۔

ولایت اور دوستی کے طریقے حدیث کے دوسرے حصے میں ان اسباب کی طرف اشارہ کیا ہے جن سے حضرت حق کا قرب حاصل ہوتا ہے اور بندہ اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کا دوست اور ولی ہو سکے یا اس کو ولی بنایا جا سکے۔ قرب حاصل کرنے کی دو راہیں اس حدیث میں مذکور ہیں۔ ایک تو فرائض الٰہی کو بجا لانا اور دوسرے نوافل و مستحبات کو بکثرت ادا کرنا۔ اگرچہ اصل تو اس باب میں امتثال امر ہے لیکن قرب الٰہی کے چونکہ دو درجے ہیں اس لئے امتثال امر کو بھی دو حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ امتثال اور امر میں اجتناب عن المنہیات بھی داخل ہے۔ کیونکہ نہی کے معنی بھی ترک الفعل ہے جب نہی کے معنی ہم ترک الفعل کریں۔ تو پھر امتثال امر ہی رہ جاتا ہے۔ قرب کے دو درجے جن کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے اُن میں سے ایک فناء الذات ہے اور دوسرا فناء الصفات ہے۔ پہلا درجہ یقیناً دوسرے سے افضل ہے اس لئے اس درجہ کو حاصل کرنے اور اس تک پہنچنے کی راہ کو مقدم فرمایا۔ یعنی اصل تقرب تو اس بندے کو حاصل ہوتا ہے جو فرائض الٰہی کی پوری رعایت کرتا ہے۔ اور فرائض کو انتہائی رعایت کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ فرائض کی ادائیگی میں چونکہ اختیار کو دخل نہیں اور ان کا بجا لانا ضروری ہے۔ اس لئے اُن کی ادائیگی طبیعت پر زیادہ شاق ہے

البتہ نوافل میں اختیار ہے اس لیئے اُن کی ادائیگی اتنی سخت نہیں ہے۔ اسی لیۓ نوافل کو مؤخر کیا۔ بلکہ اسی کی تفصیل فرمائی کہ جب کوئی بندہ نوافل کی راہ سے میرا قرب حاصل کرتا ہے اور بکثرت نوافل ادا کرتا رہتا ہے تو میں اس کو دوست بنا لیتا ہوں اس تقدیر پر اتنا خیال رہے کہ امر کے معنی میں تعمیم ہے یعنی امر وجوب اور استحباب دونوں کو شامل ہے۔

محبت کے اثرات اور جب کسی بندے کو اس کی عبادت نافلہ کے باعث اپنا دوست بنا لیتا ہوں تو پھر میں اس کی قوت سامعہ اور باصرہ بن جاتا ہوں۔ میں اس کے ہاتھوں میں بطش کی قوت اور اس کے پاؤں میں چلنے کی طاقت بن کر نہاں ہو جاتا ہوں یہ بندہ میری ہی قوت سے دیکھتا ہے اور میری ہی وجہ سے سنتا ہے میری ہی قوت سے پکڑتا ہے اور میری ہی طاقت سے چلتا ہے۔ اگر مجھ سے کچھ سوال کرتا ہے تو میں اس کا سوال پورا کر دیتا ہوں اور اگر کسی چیز سے بچنے کے لیۓ مجھ سے پناہ مانگتا ہے تو میں اُس چیز سے بچا دیتا ہوں۔ اب آپ اس حدیث کی روشنی میں آیت کے معنی پر غور کیجئے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ حضرت حق جل مجدہ کے بعض بندے ایسے ہیں کہ جن کے فعل کی ذمہ داری وہ خود لینا چاہتے ہیں۔ چونکہ ان بندوں نے اپنی ذات اس طرح حضرت حق کے حوالہ کر دی ہے کہ کوئی فعل کبھی بلا اُن کی اجازت یا بدون اُن کی مرضی کے نہیں کرتے اس لیۓ وہ بھی ان بندوں کے افعال کو اپنی ہی طرف منسوب کر لیتے ہیں اور ان کے افعال و اعمال کو اپنے اعمال و افعال فرماتے

ہیں۔گویا اُن کے مخلص بندوں نے اپنے ارادہ کو اس طرح فنا کردیا ہے کہ کوئی کام بدون حضرت حق کے ارادے اور مشیت کے نہیں کرتے اس مرتبہ کو صوفیا کی اصطلاح میں مرید کہتے ہیں۔قرآن نے اس مرتبہ کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے[1] بلیٰ من اسلم وجھہ للہ۔سورۂ لقمان میں ارشاد ہے۔ومن[2] یسلم وجھہ الی اللہ وھو محسن فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ[3] حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں فرماتے ہیں اِذْ قَالَ لَہٗ رَبُّہٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ان سب آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ اپنے جملہ قوائے علمیہ اور فعلیہ کو حضرت حق کی رضامندی اور ان کی مشیت میں فنا کردے۔کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب اس مرتبہ کو کوئی بندہ پوری طرح طے کرلیتا ہے تو پھر ایک اور بلند ترین مرتبہ کا وارث بنادیا جاتا ہے اور اس کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں مراد کہتے ہیں۔اس کا مطلب یہ ہے کہ حضرت حق اس بندے کی رضا جوئی کرتے ہیں اور وہ کام کرتے ہیں جس سے یہ بندہ خوش ہو اور راضی رہے۔یہ مرتبہ بہت ہائی ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیئے مخصوص ہے۔بلکہ یوں کہئے کہ جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔چنانچہ قبلہ کی بحث میں فرماتے ہیں۔

---

[1] کیوں نہیں جس نے تابع کیا منہ اپنا اللہ کے [2] اور جو کوئی تابع کرے اپنا منہ اللہ کی طرف اور وہ ہو نیکی پر سو اس نے پکڑا محکم کڑا [3] جب اس کو کہا اس کے رب نے حکم بردار ہو بولا میں حکم میں آیا جہاں کے صاحب کے ۱۲۔

فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش تھی کہ کعبہ ہی کو قبلہ مقرر کر دیا جائے حضرتِ حق نے فرمایا ہم آپ کا اور آپ کی اُمت کا وہی قبلہ مقرر کردیں گے جس کو آپ پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح سورۂ والضحیٰ میں فرماتے ہیں وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى آپ کا رب آپ کو زمانہ مستقبل میں اتنی نعمتیں دے گا کہ آپ کو راضی کردے گا یا آپ خوش ہو جائیں گے۔ یہ ایک مرتبہ ہے جس کو اصطلاح میں مراد کہتے ہیں۔

ایک حدیث قدسی اسی ارادے کی بحث میں مجھے ایک اور حدیث قدسی یاد آئی۔ الفاظ تو اس کے یاد نہیں مگر مفہوم یہ ہے کہ جب بندہ کوئی ارادہ کرتا ہے تو ہم بھی ایک ارادہ کرتے ہیں اور ہوتا وہی ہے جو ہمارا ارادہ ہوتا ہے۔ اگر وہ بندہ اپنے ارادہ کو ہمارے ارادے کے حوالے کر دیتا ہے تو ہم وہی کر دیتے ہیں جو اس کی خواہش ہوتی ہے۔ اور اگر وہ اپنی رائے اور اپنے ارادہ کو ہمارے سپرد نہیں کرتا تو پھر وہی ہوتا ہے جو ہمارا ارادہ ہوتا ہے۔

ایک اور الٰہی روایت اسی قسم کی یا اس سے ملتی جلتی ایک اور روایت میری نظر سے گذری حضرت حق فرماتے ہیں وعزتی وجلالی لا یکون عبد من عبیدی علی ما احب ثم ینتقل الی ما اکرہ الا انتقلت لہ مما یحب الی ما یکرہ ولا یکون عبد من عبادی علی ما اکرہ ثم ینتقل عنہ الی ما یحب الا انتقلت لہ مما یکرہ الی

لہ سو البتہ پھیریں گے تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہو۔ لہ اور آگے دیگا تجھ کو تیرا رب پھر تو راضی ہوگا۔

ما یجب مطلب یہ ہے کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم جب کوئی بندہ میرے پسندیدہ کاموں کو چھوڑ کر ان کاموں کو اختیار کر لیتا ہے جو مجھے ناپسندیدہ ہیں تو میں بھی اس کو ایسی حالت کی طرف منتقل کر دیتا ہوں جس حالت کو وہ مکروہ سمجھتا ہے اور اس سے گھبراتا ہے اور جب کوئی بندہ میرے بندوں میں سے اُن افعال کو ترک کر دیتا ہے جو میری مرضی کے خلاف تھے اور ایسے کام کرنے لگتا ہے جو مجھے پسندیدہ ہیں اور میری مرضی کے موافق ہیں تو میں بھی اس کو پسندیدہ حالت کی طرف منتقل کر دیتا ہوں اور کوئی بات ایسی نہیں کرتا جس سے وہ گھبراتا ہو اور اس کو پسند نہ کرتا ہو۔

ایک اور مشہور حدیث قدسی ہے ابو درداء کی ایک اور روایت میں ہے میں اللہ ہوں میں ہی تمام بادشاہوں کا مالک ہوں تمام بادشاہوں کے قلوب میرے ہاتھوں میں ہیں جب بندے میری طاعت کرتے ہیں تو میں اُن کے بادشاہوں کے قلوب اُن پر مہربان کر دیتا ہوں اور وہ بادشاہ اپنی رعایا کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ لیکن اگر میرے بندے میری نافرمانی کرتے ہیں تو میں اُن بادشاہوں کے قلوب اُن پر سخت کر دیتا ہوں۔ اور وہ اپنی رعایا پر طرح طرح کے مظالم کرتے ہیں پس تم بادشاہوں پر بددعا کرنے کی بجائے اپنے اعمال کی اصلاح کیا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے تضرع اور زاری کیا کرو۔ تاکہ میں تمہارے بادشاہوں کے ظلم سے تم کو بچا لوں۔

حضرات! شاید آپ کو معلوم نہیں آپ کا تمام تصوّر تعلیم و دنیا میں مضمر ہے۔

اپنے آپ کو کسی کے حوالے کر دینا اپنے آپ کو سونپ دینا اپنے آپ کو مٹا دینا اپنی خواہشات اور اپنے ارادہ کو فنا کر دینا اسی کا نام تصوف ہے اور یہی اصل تصوف ہے۔

سوتے وقت کی دعا آپ کو معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر آرام کرنے کی غرض سے تشریف لیجاتے تھے تو دائیں کروٹ سے لیٹ کر کیا پڑھا کرتے تھے اور اپنی اُمت کو آپ نے کیا ارشاد فرمایا کہ جب بستر پر لیٹا کرو تو کیا پڑھا کرو۔ ارے بھلے آدمیو! تم تو قرآن و حدیث پر غور ہی نہیں کرتے۔ اصل سیرت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآن و حدیث اور صحابہ کرام کی زندگی میں مضمر ہے۔ تم حضور کی سیرت کو شہیدی کے مولود اور اکبر میرٹھی کے ولادت نامہ میں تلاش کرتے ہو یہی وجہ ہے کہ آج تک تم کو یہ معلوم ہو سکا کہ سرکار کون تھے اور وہ دنیا میں کیوں تشریف لائے تھے۔ دیکھئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ جب رات کو بستر پر سونے کے لئے لیٹو تو دائیں پہلو پر لیٹو اور یہ دعا پڑھو اَللّٰهُمَّ اَسْلَمْتُ نَفْسِيْ اِلَيْكَ وَوَجَّهْتُ وَجْهِيْ اِلَيْكَ وَفَوَّضْتُ اَمْرِيْ اِلَيْكَ وَاَلْجَأْتُ ظَهْرِيْ اِلَيْكَ رَغْبَةً وَّرَهْبَةً اِلَيْكَ لَا مَلْجَاَ وَلَا مَنْجَا مِنْكَ اِلَّا اِلَيْكَ اَللّٰهُمَّ اٰمَنْتُ بِكِتَابِكَ الَّذِيْ اَنْزَلْتَ وَنَبِيِّكَ الَّذِيْ اَرْسَلْتَ جو شخص یہ دعا پڑھ کر سوئے گا اگر وہ رات کو مر گیا تو فطرت پر مرے گا اور اگر زندہ اٹھا تو خیر بھلائی حاصل کریگا۔ اب ذرا اس دعا کا ترجمہ بھی سن لیجئے اے اللہ میں نے اپنی جان تیرے سپرد کر دی اور اپنی ذات کو تیری طرف متوجہ کر لیا اور اپنے جملہ امور تیرے

حوالے کردیئے اور میں تیری ہی پناہ میں داخل ہو گیا۔ کیونکہ تیرے علاوہ نہ کوئی سہارا اور نہ کوئی نجات کا ٹھکانا ہے۔ میں تجھ سے ڈرتا بھی ہوں اور تجھ سے امید بھی رکھتا ہوں یا اللہ میں اس کتاب پر ایمان لایا جو تو نے نازل کی اور اے اللہ میں اُس نبی پر ایمان لایا جن کو تو نے اپنا پیغمبر بنا کر بھیجا۔

صاحبو! ان الفاظ کو غور سے سُنئے اور ان پر بار بار توجہ کیجئے تاکہ آپ کو اسلام کی روح معلوم ہو جائے جب ان الفاظ کے ساتھ آپ کا دل موافقت کرے تو سمجھ لیجئے کہ آپ اس مرتبہ میں داخل ہوئے جس کو مرید کہتے ہیں۔

حدیث قدسی کا مطلب ہاں تو اُس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب بندہ کثرت نوافل کے باعث ہم سے قریب ہو جاتا ہے تو ہم میں اُس میں اتنی یگانگت اور اتحاد ہو جاتا ہے کہ وہ کوئی کام ہماری مرضی کے خلاف نہیں کرتا۔ دیکھتا ہے تو میری اجازت سے سنتا ہے تو میری اجازت سے چلتا ہے تو میری مرضی سے کسی شئے کو ہاتھ لگاتا ہے تو میرے حکم سے۔ جب سب کچھ میرے کہنے سے کرتا ہے تو وہ کیا کرتا ہے بلکہ ہم کرتے ہیں۔

حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السلام میرے معزز دوستو! میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں قرآن و حدیث کا ایک ایک لفظ اس پر شاہد ہے اگر تقریر کے طویل ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں اس موضوع پر بالتفصیل عرض کرتا۔ لیکن کیا عرض کروں کہ اب میرے قویٰ ہی نے جواب دے دیا۔ جب چنے تھے تو دانت نہ تھے جب دانت ہوئے تو چنے

نہ تھے۔ خدا خدا کر کے مسلمانوں میں تھوڑی سی تعلیم آئی ہے اور بات کو سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوئی ہے تو اپنی زندگی نے جواب دے دیا اور قویٰ اس قابل نہ رہے کہ ایک سمندر ہے جس کو چاہتا ہوں اٹھا کر بہا دوں مگر افسوس کہ اب ہمت نہیں ہے۔ ہاں حسرت ضرور ہے ؎

ہزاروں حسرتیں ایسی کہ دل میں رہ گئیں مر کر جو مسکن تھا تمنا کا وہ مدفن ہے تمنا کا

آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا قصہ سنا ہوگا اور یہ بھی آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت خضرؑ نے بعض باتیں ایسی کیں جن پر حضرت موسیٰ معترض ہوئے اور یہ بھی آپ نے سنا ہوگا کہ تیسرے موقع پر حضرت خضرؑ نے ان کو جواب دے دیا اور ان کا سفر نہ نبھ سکا۔ لیکن حضرت موسیٰ علیحدہ ہونے لگے تو حضرت خضرؑ نے ان تمام کاموں کی توجیہ بیان کی اور جب توجیہ بیان کر چکے تو آخر میں ایک فقرہ فرما دیا۔ وہ فقرہ کیا ہے۔ میں نے اب تک جو کچھ کہا ہے اُس کا خلاصہ ہے وما فعلتہ عن امری اے موسیٰ میں نے جو کچھ کیا ہے وہ اپنے علم سے نہیں کیا۔ بس یہ مطلب ہے اس حدیث قدسی کا کہ مقرب بندہ جو کچھ کرتا ہے وہ میرے حکم اور میری مرضی سے کرتا ہے۔

اس وقت اس بحث میں نہ پڑیئے کہ خضر پیغمبر تھے یا ولی تھے۔ اور کیا علم میں موسیٰ سے زاید تھے یہ وقت ان بحثوں کا نہیں ہے اگر زندگی رہی تو انشاء اللہ پھر کسی موقع پر دیکھا جائیگا۔

جاہل صوفی اور جاہل پیر غالباً اس تفصیل کے بعد آپ ان تمام خطرات سے محفوظ ہو گئے ہوں گے جو آج کل کے

جاہل صوفی ان آیات و احادیث کے متعلق غلط بیانی کیا کرتے ہیں۔ اور بندوں کو خدا بناتے پھرتے ہیں۔ جو وحدت الوجود میں مسلمان کو سمجھاتے پھرتے ہیں وہ تو الحاد اور گمراہی کی ایک سڑک ہے جس پر عوام الناس کو چلانا چاہتے ہیں یہ کم بخت نہ تو وحدت الوجود کو جانتے ہیں اور نہ وحدت الشہود کو سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کچھ متقدمین اور کچھ متاخرین کے اقوال یاد کر لئے ہیں وہی چند اقوال ان کے حجج و براہین کا منبع ہیں۔ ان جاہلوں کا کام یہ ہے کہ اپنے بزرگوں کی ہڈیاں فروخت کریں اور اپنا پیٹ پالیں۔ ایک طرف جاہل واعظ اور دوسری طرف یہ جاہل اور شعبدہ باز پیر یہ دونوں امت محمدیہ کے ایمان و اخلاق کو اس طرح کھا رہے ہیں جس طرح گھن اور دیمک لکڑی کو کھاتی ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا وحدت الوجود یا فنا فی التوحید تو صرف یہ تھا کہ سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کسی کی عبادت کی جائے نہ کسی کا سہارا تلاش کیا جائے نہ کسی غیر سے محبت کی جائے نہ کسی پر بھروسہ کیا جائے۔ انہوں نے کبھی ایک فقرہ بھی اپنی زبان سے ایسا نہیں نکالا کہ خالق اور مخلوق کو ایک کر دیا ہو۔ یا عابد اور معبود کی عینیت کا قول کیا ہو اور اگر امت محمدیہ کے کسی بزرگ سے عالم سکر، محو، اصطلام اور حالت فنا میں کوئی لفظ نکل گیا ہو تو اس سے استدلال کرنا خود سالکین کی نظر میں بھی مذموم و معیوب ہے۔ چہ جائیکہ یہ جاہل استدلال کریں جو ان کے الفاظ کا صحیح مفہوم بھی نہیں سمجھتے۔

حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ کا قول

حضرت ابی یزید رحمۃ اللہ علیہ کا قول سبحانی ما اعظم شانی

یا ما فی الجبتہ الا اللہ یا اپنے مریدوں کو خطاب کرکے فرمانا لا الہ الا
انا فاعبدون یہ تمام حالت سکر کی باتیں ہیں۔ حالت محو یا حالت سلوک
ہیں حضرت ابویزید تو کیا کوئی معمولی علم کا بھی آدمی ایسی بات نہیں کہہ سکتا
واقعہ یہ ہے کہ بعض ملحدین فلاسفہ نے اپنے مسائل الحادیہ کو ثابت کرنے
کے لئے اکابر صوفیہ کے بعض اقوال کا اپنے کلام میں ایسا پیوند لگایا ہے
کہ آج اُن ملحدین کے کلام کو علیحدہ کرنا مشکل ہو گیا ہے۔ اکابر صوفیہ کی کیفیات
کو اپنی عبارت میں ڈھال کر بیان کرنا چاہتے ہیں۔ بعض لوگ جن کو علم
نہیں ہے وہ اس سب لغویات کو صوفیہ کا کلام سمجھ لیتے ہیں اور آج کل
کے مکار پیر اور جاہل صوفی اس کی تاویل کرتے ہیں اور اپنے لئے نفس پرستی
کی راہیں نکال لیتے ہیں۔ ابو اسمٰعیل سلیمان بن علی اور عبدالحق عکی اور اسی قسم
کے شیاطین جو عباسی دور کی پیداوار ہیں اور خاک عجم کے نالائق سپوت
ہیں انہوں نے تصوف کے رنگ میں الحاد کا کچھ ایسا جال پھیلایا ہے
کہ نہ معلوم کون کون سے سادہ لوح اُن کے شکار ہو چکے ہیں سلیمان بن علی
نے تو یہی کہہ دیا کہ حرام و حلال تو محجوبین کے لئے ہے اور جو عالم شہود میں ہیں
وہاں نہ حرام ہے نہ حلال۔ کیا خدا خود اپنے پر بھی حلال و حرام کا حکم کر سکتا
ہے۔ عبدالحق عکی نے وحدت کے مسئلہ میں تو جو کچھ کہا وہ کہا۔ دربار نبوت میں
بھی گستاخی کی اور مردود نے کہا لقد تحجر ابن آمنہ واسعاً بقولہ لا
نبی بعدی دیکھا آپ نے مردود نے کیسی نامعقول بات کہی ہے یعنی آمنہ
کے لڑکے نے ایک بڑی وسیع چیز کو یہ کہہ کر تنگ کر دیا کہ میرے بعد کوئی نبی

نہیں ہوگا۔ اسی طرح ابن مقنع نے قل ہو اللہ احد کا جواب لکھا اور آخر ذلیل ہو کر اس کو نذر آتش کر دیا۔

لفظ یقین میں تحریف ایک صاحب اسی قسم کے جاہل صوفی مجھے منماڑ کے اسٹیشن پر مل گئے تھے گانے بجانے کا سامان بھی اُن کے پاس بہت تھا۔ کچھ مرید بھی ہمراہ تھے اسٹیشن کے قلیوں کو گھیرے ہوئے توجہ دے رہے تھے۔ کبھی کبھی توجہ کے دوران میں تقریر بھی کر دیا کرتے تھے۔ گاڑی کے آنے میں دیر تھی میں بھی ایک کونے میں بیٹھ کر اُن کی سیر دیکھتا رہا توجہ کے دوران میں تقریر کی توجیہ فرمانے لگے اور فرمایا۔ میں اس لئے تقریر کرتا ہوں کہ تمہارا دل بہلا رہے ورنہ تم میری توجہ سے پاگل ہو جاؤ۔ خیر مجھے اس سے کوئی بحث نہ تھی۔ لیکن انہوں نے تھوڑی دیر کے بعد کہا تاہم پر بعض لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ ہم نماز کیوں نہیں پڑھتے روزہ کیوں نہیں رکھتے یہ لوگ اتنی بات نہیں سمجھتے کہ عبادت جس کام کے لئے کی جاتی ہے جب وہ چیز حاصل ہو جائے تو عبادت کی ضرورت کیا ہے۔ بلکہ وقت کو ضائع کرنا ہے۔ اس جاہل نے ایک خوش کن مثال بھی سنائی کہ دیکھو مجھے حیدرآباد جانا ہے اور حیدرآباد پہنچنے کا ذریعہ ریل ہے اس لئے مجھے ریل میں سوار ہونا ضروری ہے لیکن جب میں حیدرآباد پہنچ جاؤں گا تو پھر ریل میں بیٹھنا بیکار ہوگا۔ اگرچہ حیدرآباد پہنچ کر میں ریل سے نہ اتروں تو آپ مجھے بے وقوف کہیں گے یا نہیں؟ لوگ ان کی باتیں سن کر سر ہلانے لگے۔ جب ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ لوگ میری تائید کر رہے ہیں تو انہوں نے فرمایا عبادت کا مقصد ہے

شہود حقیقت اگر کسی کو شہود حقیقت حاصل ہو جائے تو پھر اس کو عبادت کرنے کی ضرورت نہیں اور اسی واسطے اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو ارشاد فرمایا ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ اپنے رب کی عبادت تب تک کرو جب تک تم کو شہود حقیقت حاصل نہ ہو جائے۔

جاہل صوفی کا جہل جب یہ صوفی صاحب یہاں تک پہنچے تو ہم نے اُن سے عرض کیا شاہ صاحب آپ سے کچھ دریافت کیا جا سکتا ہے۔ فرمانے لگے دریافت کرو میں اس وقت ذات بن گیا ہوں جو دریافت کرو گے بتاؤں گا۔ میں نے کہا آپ نے ایک قرآن کی آیت پڑھی ہے۔ اس میں یقین کا لفظ ہے آپ نے یقین کے کیا معنی کئے۔ فرمانے لگے شہود حقیقت۔ میں نے کہا یہ لفظ قرآن میں کہیں اور بھی آیا ہے۔ فرمانے لگے آیا ہوگا۔ میں نے کہا وہاں اس کے کیا معنی ہیں۔ فرمایا وہاں بھی یہی معنی ہوں گے۔ میں نے کہا جناب وہاں تو یہ معنی نہیں بنتے وہاں کافروں کا ذکر ہے جو دوزخ میں ہوں گے اور جب مسلمان ان سے دریافت کریں گے کہ تم دوزخ میں کیسے آئے تو وہ جواب دیں گے لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّيْنَ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِيْنَ وَكُنَّا نَخُوْضُ مَعَ الْخَائِضِيْنَ وَكُنَّا نُكَذِّبُ بِيَوْمِ الدِّيْنِ حَتّٰى أَتَانَا الْيَقِيْنُ۔ اہل دوزخ جواب میں کہیں گے ہم نہ تو نماز پڑھتے تھے

---

۱ اور بندگی کر اپنے رب کی جب تک پہنچے تجھ کو یقین ۲ ہم نہ تھے نماز پڑھتے اور نہ تھے کھلاتے محتاج کو اور ہم تھے بات میں دھنستے ساتھ دھنسنے والوں کے اور ہم تھے جھٹلاتے انصاف کے دن کو جب تک آ پہنچی ہم پر یقین آنے والی۔

نہ مساکین کو کھانا کھلاتے تھے اور دین کی باتوں کا مذاق اڑانے والوں کے
ساتھ ہو جاتے تھے۔ قیامت کے دن کی تکذیب کرتے تھے یہاں تک کہ
ہم کو موت آگئی۔ اب فرمایئے اگر یہاں شہود حقیقت ہو تو معاذ اللہ شہود
حقیقت والے دوزخی ہوئے پھر اس لفظ کی تفسیر حدیث سے بھی ہو سکتی
ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون کی موت کے
وقت فرمایا تھا اما عثمان بن مظعون فقد جاءہ الیقین من ربہ
اس حدیث نے لفظ یقین کے معنی بتا دیئے کہ موت ہیں۔ اب شاہ صاحب
جوذات میں تھے ایسے کھوئے گئے کہ آنکھیں بند کر لیں۔ معلوم ایسا ہوتا
تھا کہ مراقبہ میں ہیں۔

انبیاء کی عبادت

میں نے بھی موقع کو غنیمت سمجھا اور میں نے کہنا شروع کیا۔ اگر اس شہود حقیقت کے کوئی معنی ہیں اور
یہ واقعی کوئی با معنی لفظ ہے تو جن کو یہ حکم دیا تھا وہ تو آخر عمر تک اللہ کی
عبادت کرتے رہے جب کھڑے ہونے کی طاقت نہ رہی تو بیٹھ کر نماز ادا کی۔
انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر کون شاہد حقیقت ہو سکتا ہے جب
ان کو بھی زندگی کے آخری لمحات تک نماز معاف نہ ہوئی تو جناب کو وہ
کون سی حقیقت مشاہد ہو گئی جس کی وجہ سے عبادت ساقط ہو گئی۔ حضرت
عیسیٰؑ اپنے متعلق فرماتے ہیں۔ وجعلنی مبارکا[1] اینما کنت واوصانی
بالصلوٰۃ والزکوٰۃ ما دمت حیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی برکتوں کو میرے

---

[1] اور بنایا مجھ کو برکت والا جس جگہ میں ہوں اور تاکید کی مجھ کو نماز کی اور زکوٰۃ کی جب تک میں رہوں جیتا۔

ساتھ وابستہ کر دیا ہے میں جہاں کہیں بھی ہوں خدا کی برکتیں میرے ساتھ ہیں۔ اور جب تک میں زندہ ہوں اللہ تعالیٰ نے مجھ کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے جب پیغمبروں کو زندگی کے آخری وقت تک نماز پڑھنے کا حکم ہے تو جناب کون ہیں جن پر سے عبادت کو معاف کر دیا گیا۔ میں یہ سب کچھ کہتا رہا۔ اور شاہ صاحب مراقبہ سے بیدار نہ ہوئے یہاں تک کہ میری گاڑی آ گئی اور میں روانہ ہو گیا۔ ان شاہ صاحب کو سانپ نے لیا سونگھا کہ ان بے چاروں کو سانس نہیں آیا۔

ایک جاہل پیر کا واقعہ ایک اور اسی قسم کے صوفی صاحب جو پنت با قاعدہ پیر تھے گوجرانوالہ کے اسٹیشن پر مل گئے ان کے ہمراہ بھی جاہل مریدوں کا ایک غول تھا۔ یہ اجمیر شریف جانے کے لئے دہلی آ رہے تھے۔ ان کی زبان اگرچہ پنجابی تھی۔ لیکن شہری پنجابی تھی جو بآسانی سمجھ میں آ سکتی تھی۔ یہ گوجرانوالہ سے لاہور تک برابر علماء کی مذمت کرتے رہے بار بار فرماتے تھے۔ مولوی قرآن و حدیث نہیں جانتا ہم لوگ اصل معنی قرآن کے جانتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر بھی کرتے تھے دوران گفتگو میں کچھ ایسا معلوم ہوا کہ ان پر کیفیت طاری ہو گئی اور بدن میں کچھ رعشہ معلوم ہوا۔ تھوڑی دیر میں کہنے لگے۔ ہماری مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی رئیس اپنا غلام دوسرے رئیس کو ہبہ کر دے۔ یا فروخت کر دے پھر خاموش ہو گئے۔ پھر ایک دفعہ ہی عجیب و غریب حرکت کر کے بولے۔ نور نور پر عاشق ہوا۔ نور ہی عاشق نور ہی معشوق۔ نوری عاشق نے نوری

معشوق کو اپنے تمام خاکی بندے ہبہ کر دیئے۔ بخش دیئے۔ پھر تھوڑی دیر سکوت اختیار کیا اور فرمانے لگے پڑھو قرآن کی آیت قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا۔ میرے معشوق کہدے اپنے بندوں سے کہدے اے میرے بندو! ہم معشوق کے بندے ہیں عاشق کے نہیں۔ عاشق تو ہم کو معشوق کی خدمت میں پیش کر چکا۔ جب ہی تو معشوق کہتا ہے۔ اے میرے بندو! ہم معشوق کے بندے ہیں۔ عاشق کے نہیں ہیں۔ ہمارا عاشق سے کوئی تعلق نہیں پہلی تمام امتیں عاشق کی تھیں یہ امت معشوق کی ہے۔ قیامت میں خدا تعالیٰ یہ کہے گا۔ محمد کی امت کو محمد جانے میں اس کا مالک نہیں ہوں۔ جو مالک ہے وہ جو چاہے کرے۔

قرآن میں تحریف جب ان بزرگ صورت نے قرآن میں تحریف شروع کی تو میں نے ان سے بھی نہایت ادب کے ساتھ عرض کیا۔ حضرت شاہ صاحب ایک میری بھی گذارش ہے۔ جب نوری عاشق نے اپنی تمام مخلوق نوری معشوق کو دیدی تو اب ہم سب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے ہیں اور آپ ہی کی مملوک ہیں تو اگر ہم کوئی گناہ کریں یا خطا کریں تو اس کے بخشنے یا نہ بخشنے کا حق بھی ہمارے مالک کو ہونا چاہیئے خدا کو اس میں دخل دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب تو یوں سمجھیئے کہ ہمارا خدا سے کوئی واسطہ ہی نہیں۔ ہم مجرم ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ آپ چاہیں ہم کو بخشیں یا نہ بخشیں۔ پیر صاحب بولے۔ آہو جی! یہی گل ہے یہی بات

ملہ کہدو اے بندو میرے جنہوں نے زیادتی کی۔ ۱۲

ہے کہ ہم ملوک ہیں نوری مشوق کے اور اب ہمارا خدا سے کوئی تعلق نہیں۔ اسی لئے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہم کو یعبادی کہہ کر خطاب کرتے ہیں۔ میں نے عرض کیا شاہ صاحب اس آیت کا مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ہمارے مشوق کہہ دو۔ اے میرے بندو! ایسے بندو! جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور زیادتی کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخشنے پر قادر ہے وہ غفور اور رحیم ہے۔ تو یہ بات کیا ہوئی بندے ہم محمدؐ کے وہ ہم کو خطاب کرتے ہیں اور خطاب فرما کر ارشاد فرماتے ہیں اللہ کی رحمت سے نا اُمید مت ہو میں سب گناہوں کو بخش دوں گا۔ یہ عجیب تماشہ ہے کہ ہم گناہ کریں محمدؐ صلے اللہ علیہ وسلم کا اور بخشنے کو آجائے اللہ تعالیٰ جب ہمارا اس سے کوئی تعلق نہیں پھر وہ اپنی مغفرت کا ہر دم بکھیڑا کیوں کرتا ہے یہ تو ایسا ہوا جیسے زید اپنے غلام سے کہے اگر تو نے کوئی غلطی کی تو بکر تجھ کو معاف کر دیگا۔ وہ غلام یہ کہہ سکتا ہے کہ سرکار میں تو تیرا بندہ ہوں تو چاہے عذاب کرے تو چاہے معاف کرے۔ یہ بکر لونڈا کا جھیدہ کہاں سے آگیا۔ میں کیا جانوں بکر کون ہے جب ہم بندے محمدؐ کے ہوئے اور آپ نے اپنا بندہ ہم کو بنالیا۔ پھر ہمارے روبرو خدا کا ذکر کیوں کیا جاتا ہے اور یہ کیوں کہا جاتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا اِنَّہٗ ھُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ[1] وہ غفور الرحیم ہوا کرے ہمیں اس کی غفاری سے کیا مطلب۔ قرآن جیسی فصیح کتاب کا آپ ایسا غلط مطلب بیان کرتے ہیں کہ اس سے زیادہ جہل شاید ہی کوئی بات ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو فرماتے

[1] بے شک اللہ بخشتا ہے سب گناہ وہ جو ہے وہی ہے گناہ معاف کرنے والا۔ ۱۲

کہ اے میرے بندو! اگر کوئی گناہ کرلوگے تو اللہ تعالیٰ معاف کردے گا۔ کہا خوب! بندے آپ کے اور کہا ہیں اُدھار مجرم آپ کے اور معاف کرے خدا۔

نیز یہ کہ الفاظ قرآن میں اور بھی کئی جگہ آئے ہیں مثلاً یٰعبادی الذین آمنوا ان ارضی واسعۃ فایای فاعبدون[1] - ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ قل[2] یٰعبادی الذین آمنوا اتقوا ربکم للذین احسنوا فی ھذہ الدنیا حسنۃ۔ اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ہوتا ہے تم ہم کو اس طرح خطاب کرو قل[3] اللھم فاطر السمٰوات والارض عالم الغیب والشھادۃ انت تحکم بین عبادک فیما کانوا فیہ یختلفون آخری آیت میں تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کو خطاب کرکے فرمارہے ہیں تو اپنے بندوں کا فیصلہ کرے گا۔ تو اب فرمائیے یہ اُس کے بندے کون سے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے کون سے ہیں یا دونوں کے مشترک ہیں۔ کیا جناب نے قرآن کی ان آیتوں پر بھی غور کیا ہے۔

عبدی اور امتی کہنے کی ممانعت — میں ابھی یہ گفتگو کررہا تھا کہ لاہور آگیا۔ میں نے عرض کیا حضور اگر تھوڑا سا وقت عنایت کریں تو ایک نوری معشوق کی حدیث بھی سناؤں ارشاد ہوا اچھا جلدی کرو ہم یہاں قیام کریں گے۔ میں نے کہا عرب میں عام دستور تھا کہ لونڈی اور

[1] اے بندو میرے جو یقین لائے ہو میری زمین کشادہ ہے تو مجھ ہی کو بندگی کرو [2] تو کہہ اے بندو میرے جو یقین لائے ہو ڈرو اپنے رب سے جنہوں نے نیکی کی اس دنیا میں ان کو ہے بھلائی [3] تو کہہ اے اللہ پیدا کرنے والے آسمان و زمین کے جاننے والے چھپے اور کھلے کے تو ہی فیصلہ کرے اپنے بندوں میں جس چیز میں وے جھگڑ رہے تھے ۱۲

غلاموں کو اُن کے آقا یا عبدی اور یا اُمتی کہہ کر پکارا کرتے تھے، اور لونڈی غلام اپنے آقاؤں کو ربی کہہ کر پکارا کرتے تھے۔ لیکن جب اسلام آیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ کا استعمال دیکھا تو فرمایا لا یقولن احدکم عبدی و امتی کلکم عبید اللہ وکل نسائکم اماء اللہ ولکن لیقل غلامی وجاریتی وفتای وفتاتی ولا یقل العبد ربی

ولکن لیقل سیدی ومولائی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے لونڈی غلاموں کو عبدی امتی کہہ کر نہ پکارے تم سب اللہ تعالیٰ کے عبد ہو اور تمہاری تمام عورتیں اللہ تعالیٰ کی لونڈیاں ہیں۔ اگر لونڈی غلاموں کو آواز دینا ہو تو غلامی اور جاریتی کہہ کر آواز دیا کرو۔ اسی طرح کوئی غلام اپنے آقا کو ربی کہہ کر خطاب نہ کرے بلکہ سید اور مولا کہہ کر پکارے۔

میں نے عرض کیا شاہ صاحب اب فرمایئے جو نوری معشوق اپنے لونڈی اور غلاموں کو عبادی نہ کہے وہ امت کو کس طرح عبادی کے الفاظ سے خطاب کر سکتا ہے۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم تو یہ فرمائیں کہ یہ حق صرف اللہ تعالیٰ کے لئے محفوظ ہے اور اس حق کو خود ہی سلب کر لیں۔ یعنی خدا کے بندوں کو یا عبادی کہہ کر انہوں نے خطاب فرمایا۔ اس سے بڑھ کر اس نوری معشوق کی شان میں اور کیا گستاخی ہو سکتی ہے۔

حضرت عیسیٰ اور نبی کریم علیہما الصلوٰۃ والسلام

میں نے کہا شاہ صاحب ایک گزارش بھی سن لیجئے۔ سیدنا عیسیٰ قیامت میں اپنی امت کے متعلق فرمائیں گے۔ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ

تعذبہم فانہم عبادک وان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم ۔
اے خدا اگر تو ان کو عذاب کرے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کرے تو تو عزیز بھی ہے اور حکیم بھی ہے۔ یہ حضرت عیسیٰؑ کا قول ہے جو قیامت میں فرمائیں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن تہجد کی نماز میں یہ آیت پڑھی اور آپ بار بار اس آیت کو پڑھتے رہے یہاں تک کہ صبح ہو گئی۔ صبح کو کسی (ابوذرؓ) نے دریافت کیا یا رسول اللہ آج تو آپ نے ایک ہی آیت میں تمام رات گذار دی سرکار نے فرمایا مجھے اپنے بھائی عیسیٰؑ کے یہ الفاظ بہت پسند آئے اور میں رات بھر ان الفاظ کو دہراتا رہا۔ اور میں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے قیامت میں مجھ سے سوال کیا تو میں بھی اپنی امت کی جانب سے ان ہی الفاظ میں سفارش کروں گا۔ اے خدا اگر تو ان کو عذاب کرے تو تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کی مغفرت کر دے تو تو کمال قوت اور کمال علم کا مالک ہے۔ میں نے عرض کیا کہ شاہ صاحب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو قیامت میں بھی اپنی امت کو عبادک فرمائیں۔ یعنی اے خدا یہ تیرے بندے ہیں اور آپ کہیں کہ ہم تو رہی معشوق کے بندے ہیں ہم کو عاشق سے اب کوئی واسطہ نہیں یہ روایت اگرچہ مختلف طریق سے مروی ہے لیکن غالباً ابوذر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں۔ بل اقول کما قال العبد الصالح وکنت علیہم شہیدا مطلب یہ ہے کہ میں بھی وہی کہوں گا جو خدا کا وہ نیک بندہ یعنی حضرت عیسیٰؑ کہیں گے۔ شاہ صاحب نے بڑی مشکل سے میری یہ باتیں

لہ۔ اگر تو ان کو عذاب کرے تو وے بندے تیرے ہیں اور اگر ان کو معاف کرے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا ۱۲۔

سنیں اور فرمانے لگے اچھا بابا پھر ملاقات کریں گے۔ میں نے اُن کے مریدوں سے اُن کا نام دریافت کرنا چاہا لیکن انہوں نے کچھ ایسا نام بتایا جس کو نہ تو میں سمجھا اور نہ یاد رکھ سکا۔ سونٹا شاہ یا سوڑا شاہ کچھ ایسا ہی تھا جو مجھ کو یاد نہیں رہا۔ یہ حالت ہے ان جاہل پیروں کی جو مسلم قوم کے ناخدا بنے ہوئے ہیں۔

شاہ جہاں کا واقعہ شاہ جہاں فقیروں سے بہت حسن عقیدت رکھتے تھے اُن کے زمانہ میں ایک جاہل اور معمر فقیر دوکان کھول بیٹھا۔ داراشکوہ کی پیر پرستی تو مشہور ہی ہے وہ اس بڈھے فقیر کا معتقد ہو گیا اور باپ سے اصرار کیا کہ حضور ایک دن شاہ صاحب کی خدمت میں تشریف لے چلئے۔ حضرت بڑے باکمال بزرگ ہیں۔ شاہ جہاں بیٹے کے اصرار پر ایک دن اس جاہل سے ملاقات کو گئے۔ ان کے ہمراہ نواب اسد اللہ خان اور عالمگیر بھی تھے ان سب نے اس جاہل فقیر سے ملاقات کی کچھ دیر کی خاموشی کے بعد نواب اسد اللہ خاں نے گفتگو شروع کی۔ بڈھے سے دریافت کیا کہ حضور کا سن شریف۔ فرمانے لگے صحیح عمر تو یاد نہیں دو جنگیں یاد ہیں ایک تو میرے بچپنے میں ہوئی تھی اور ایک میں میں خود شریک ہوا تھا۔ نواب اسد اللہ خاں نے دونوں لڑائیاں دریافت کیں۔ یہ فرمانے لگے ایک ایک تو جو الکونین کی جو یحییدوں کے ساتھ ہوئی تھی اس وقت میں بچہ تھا۔ دوسری امیر تیمور کی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوئی تھی اس وقت میں جوان تھا اور امیر تیمور کی فوج میں تھا۔ اس بڈھے کا مقصد یہ تھا کہ شاہی خاندان سے قدیم وفاداری ثابت کی جائے۔ شاہ جہاں نے غصہ میں کہا اس

کمبخت نے میرے دادا کو بھی کافر بنا دیا۔ نواب اسد اللہ خان نے کہا جہاں پناہ! قطع نظر کفر و ایمان کے حضرت کو تاریخ دانی میں کیسا زبردست ملکہ ہے۔

سیدنا ابراہیمؑ و عیسیٰؑ کے متعلق ایک نکتہ میرے معزز دوستو! ان پیروں کا قصہ تو ایک حدیث قدسی کے سلسلہ میں یاد آگیا تھا، اس پر اور روایتیں یاد آگئیں۔ اب ایک اور علمی نکتہ سن لو۔ میرا جی تو نہیں چاہتا۔ لیکن کیا کروں علمی بات میں بخل کرنا بھی اچھا نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمات آپ نے سن لئے اور اپنی امت کے سلسلہ میں جو کچھ وہ فرما گئے وہ بھی آپ کو معلوم ہو گیا۔ قصہ کی تفصیل تو اس وقت چھوڑ دیجئے۔ صرف ایک بات پر غور کیجئے کہ حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں ان تعذبھم فانھم عبادک وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم۔ یعنی اگر آپ ان کو عذاب کریں تو یہ آپ کے بندے اور مملوک ہیں اور آپ کو اپنی ملک میں تصرف کا پورا پورا اختیار ہے۔ لیکن اگر آپ ان کی مغفرت کر دیں تو آپ عزیز اور حکیم ہیں حضرت ابراہیمؑ بھی اسی قسم کی سفارش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم۔ اے اللہ میری اولاد میں سے جو میرا فرمانبردار ہو وہ تو میرا ہی ہے اور مجھ ہی سے ہے اور اگر کوئی میری نافرمانی کرے اور

۱؎ اگر تو ان کو عذاب کرے تو وے تیرے بندے ہیں اور اگر ان کو معاف کرے تو تو ہی ہے زبردست حکمت والا۔ ۲؎ سو جو کوئی میری راہ چلا سو وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا سو تو بخشنے والا مہربان ہے۔

میری شریعت پر عمل نہ کرے تو آپ غفور رحیم ہیں معاملہ ایک ہی سا ہے دونوں اپنی امت کے گنہگاروں کی سفارش کر رہے ہیں۔ لیکن ایک پیغمبر غفور رحیم کہتا ہے اور دوسرا عزیز و حکیم کہتا ہے حضرت ابراہیمؑ نے غفور اور رحیم کیوں اختیار کیا اور حضرت عیسیٰؑ نے عزیز اور حکیم کیوں اختیار کیا۔

عزیز اور حکیم کے معنی دیکھئے عزیز کے معنی ہیں کمال قوت اور حکیم کے معنی ہیں کمال علم، حضرت عیسیٰؑ قیامت میں اپنی اُمت کی سفارش کر رہے ہیں جہاں نصاریٰ کے لئے توبہ کرنے کے اور اپنے گناہوں پر نادم ہونے پر کوئی موقع باقی نہیں رہا۔ اگر اس دن کافر ایمان لائیں تو اُن کا ایمان غیر معتبر ہے۔ کافر تو اُس دن مسلمان ہو ہی جائیں گے لیکن اُن کا ایمان معتبر نہ ہوگا۔ اس لئے توبہ کا نہ تو قیامت میں وقت ہے اور اور نہ توبہ مفید ہے۔ فلم یک ینفعھم ایمانھم لما راؤ باسنا۔[1] یعنی جب ہمارے عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں تو پھر کافروں کو ان کا ایمان نفع نہیں دے سکتا، چونکہ آخرت میں تمام مغفرت کے امکانات ختم ہو چکے ہوں گے۔ تو حضرت عیسیٰ اللہ تعالیٰ کی صفت قوت و علم کا واسطہ دے کر اپیل کریں گے اور یوں فرمائیں گے کہ اگرچہ قاعدے اور قانون سے ان کی مغفرت کا کوئی امکان نہیں ہے۔ لیکن آپ تو انتہائی قوت کے مالک ہیں اگر آپ اس حالت میں بھی ان کی مغفرت کر دیں تو آپ پر کون اعتراض کر سکتا ہے۔ آپ اس بات پر قدرت رکھتے ہیں کہ چاہیں تو تمام کافروں کو

---

[1] پھر نہ ہوا کہ کام آوے اُن کو یقین لانا اِن کا جس وقت دیکھ چکے ہمارا عذاب۔

بخش دیں، آپ سے کون دریافت کر سکتا ہے۔ اور یہ کس کی مجال ہے کہ کوئی دم مار سکے۔ اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام چونکہ دنیا میں گنہگاروں کی سفارش کر رہے ہیں اور یہاں توبہ کرنے اور توبہ کو قبول کرنے کے امکانات ہیں اس لئے فرماتے ہیں آپ غفور ہیں اور رحیم ہیں اگر نافرمانوں کو معاف کر دیں اور آپ کی رحمت ان کو اپنے دامن میں لے کر اُن کو توبہ کی توفیق دیدے تو یہ کوئی مستبعد نہیں یہ وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم صفت غفران اور رحمت کے نام پر اپیل کرتے ہیں اور حضرت عیسیٰ صفت قوت اور علم کے نام پر اپیل کرتے ہیں۔

خلف وعید کا شبہ اس تقریر پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ اس صورت میں خلف وعید کی بحث پیدا ہو گی۔ اگرچہ یہاں بحث کا موقع نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ جو حضرات خلف وعید کے قائل ہیں اُن کا اس آیت میں استدلال ضرور ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نصاریٰ کے لئے مغفرت کی امید کا اظہار کرنا اس امر کو یقیناً مستلزم ہے کہ وہ خلف وعید کو جائز خیال کرتے ہیں اور حضرت حق جل مجدہ کے لئے خلف فی الوعید کو قبیح اور ذم نہیں سمجھتے ورنہ فلم یک ینفعھم ایمانھم کی وعید کے بعد و ان تغفر لھم کا کیا مطلب ہو گا۔

ابو عمرو بن علاء اور عمرو بن عبید کا مناظرہ متقدمین میں یہ بحث قائل مومن کی نجات پر چلی ہے جو قائل مومن کی نجات کے قائل ہیں اُن پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس شکل میں خلف وعید لازم آئیگا۔ کیونکہ حضرت حق کے اس فرمان کے بعد

کہ قاتل مومن ہمیشہ عذاب میں رہے گا۔ پھر اس کی نجات کا امکان کس طرح ہو سکتا ہے ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جہنم خالدا فیہا[1] یعنی جو شخص کسی مسلمان کو قصداً جان بوجھ کر قتل کر دے تو اس کا بدلہ جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اس اعلان کے بعد یہ کس طرح تصور ہو سکتا ہے لیکن قائلین نجات نے اس کا جواب یہی دیا ہے کہ یہ وعید ہے اور وعید کا خلف کوئی برائی نہیں ہے بلکہ خوبی ہے۔ چنانچہ ابو عمر اور عمرو بن عبید کا اس پر مناظرہ بھی ہوا۔ عمرو بن عبید نے کہا اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کر سکتا یخلف اللہ وعدہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا خلاف نہیں کرے گا۔ پھر بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مومن کا قاتل جہنم سے نکالا جائے۔ ابو عمرو بن علاء نے جواب دیا کہ شاید جناب نے یہ بات عجم سے سُنی ہوگی وعدہ اور وعید میں فرق ہے۔ عرب کے نزدیک وعید کا خلف قبیح اور مذموم نہیں ہے بلکہ جود و کرم ہے اہل عرب تو وعید کے خلاف کو خوبی سمجھتے ہیں کیا تم نے عربی شاعر کا قول نہیں سنا ؎

ولا یرھب ابن العلم ما عشت صولتی ولا یختشی من سطوۃ المتھدد

وانی ان اوعدتہ او وعدتہ لمخلف ایعادی ومنجز موعدی

شاعر کہتا ہے کہ میرے متعلقین کو میری حکومت اور میری صولت و دبدبے سے ڈرنا نہیں چاہئیے کیونکہ میں لوگوں سے وعدہ بھی کرتا ہوں اور ان کو خوف بھی دلاتا ہوں۔ پھر جس چیز کا وعدہ کرتا ہوں اور جو کسی کے ڈرانے اور خوف

[1] اور جو کوئی مارے مسلمان کو قصد کر کے تو اس کی سزا دوزخ ہے پڑا رہے اسی میں ۱۲

دلانے کی غرض سے وعید کرتا ہوں اس کا خلاف کرتا ہوں۔

مطلب یہ ہے کہ جب کسی اجر اور صلہ کا وعدہ کیا جائے تو اس کو وعدہ کہتے ہیں۔ مثلاً ایک بادشاہ کسی سے کہے میں تجھ کو انعام دوں گا تو یہ وعدہ ہے اور اس کا پورا کرنا ضروری ہے۔ ورنہ بادشاہ کی کسر شان ہے اور اگر کسی سے یہ کہا جائے کہ ہم تجھ کو قتل کر دیں گے تو اس کو وعید کہتے ہیں اگر وعید کے خلاف کرے اور اس شخص کو معاف کر دے تو یہ عیب کی بات نہیں بلکہ بادشاہ کی بخشش اور اس کا کرم ہے اسی طرح حضرت حق کی جناب میں بھی خلف وعید کوئی عیب نہیں بلکہ یہ اس کا جود و کرم ہے کہ اس نے مجرم سے یہ کہا تھا کہ میں تجھ کو عذاب کروں گا۔ لیکن اگر وہ چاہے تو معاف کر دے تو کر سکتا ہے اور یہ معاف کرنا معاذ اللہ اس کی شان کے لئے کوئی عیب نہ ہوگا

خلف وعید پر ایک عجیب استدلال

خلف وعید کو جائز سمجھنے والوں نے کعب ابن زبیر کے ایک شعر سے عجیب و غریب استدلال کیا ہے۔ کعب بن زبیر بھی ان مفرورین میں ہیں جو فتح مکہ کے بعد بھاگ گئے تھے اور جن کے لئے دربار رسالت سے قتل کا حکم ہو چکا تھا۔ یہ چھپ چھپا کر کسی ترکیب سے مدینے پہنچے اور اپنے ایک مسلمان عزیز کے ہاں روپوش ہو گئے انہوں نے اپنے عزیز سے کہا میرے متعلق دربار رسالت سے استمزاج کرو کہ اگر کعب مسلمان ہو کر حاضر ہو جائے تو کیا اس کا اسلام قبول کر لیا جائے گا چنانچہ ان صاحب نے ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ اور یہ بھی عرض کیا کہ وہ ایک قصیدہ سنانا چاہتا ہے۔ چنانچہ دربار رسالت

سے اجازت مل گئی۔ وہ مسجد نبوی میں حاضر ہوا اور اس نے اپنا وہ مشہور قصیدہ پڑھا جو آج کل بانت سعاد کے نام سے مشہور ہے۔ سرکار نے اس قصیدہ کو بہت پسند کیا۔ ایک جگہ اس کو اصلاح بھی دی اس نے حضور کو سیف الہند کا خطاب دیا تھا۔ آپ نے فرمایا بجائے سیف الہند کے سیف اللہ کر دو۔ اس قصیدہ کو سن کر آپ نے اس کو اپنی چادر مبارک بھی عطا فرمائی۔ اس لئے بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ قصیدہ بانت سعاد کا نام اصل میں قصیدہ بردہ ہے۔ کیونکہ حضور نے اس قصیدہ کو سن کر اپنی ردائے مبارک عطا فرمائی تھی۔ بہر حال اس قصیدہ میں ایک شعر ہے۔

انبئت ان رسول اللہ اوعدنی والعفو عند رسول اللہ مامول

مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے قتل کا حکم دیا ہے اور میرے قتل کا اعلان کر دیا گیا ہے اور میرے متعلق یہ وعید فرمائی ہو کہ مجھ کو قتل کیا جائے گا۔ اگرچہ یہ فیصلہ کر دیا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت معاف کر دینے کی ہے۔ یہ شعر حضور کے سامنے پڑھا گیا۔ آپ کے صحابہ بھی موجود تھے۔ لیکن کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ معاذ اللہ اس شعر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کذب کی نسبت ہوتی ہے کیونکہ قتل کا وعدہ کرنے کے بعد اگر معافی دی گئی تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ وعید کا خلاف ہوا۔ یہ اعتراض اسی بناء پر نہیں کیا گیا کہ عرب کے نزدیک خلف فی الوعید عیب نہیں بلکہ مدح ہے۔ جب ہی تو حضور نے اس شعر کو سننے کے باوجود اس قصیدے کو پسند فرمایا اور بجائے قتل کے اس کو

چادر مبارک بطور اکرام و انعام عطا فرمائی۔ میں یہ نہیں کہتا کہ استدلال محل نظر نہیں ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ استدلال نہایت صاف اور واضح اور مبرہن ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس کے خلاف جو کچھ کہا جائے گا وہ خرط القتاد ہی ہوگا۔

حدیث قدسی کا آخری حصہ معزز حضرات! اس حدیث قدسی کے متعلق میں نے جو کچھ عرض کیا اس کا مطلب آپ اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے اس میں نہ وحدت الوجود کا کوئی ثبوت ہے نہ اتحادیوں کی کوئی دلیل ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جب کوئی ہمارا بندہ ہم سے قریب ہو جاتا ہے تو اس کے تمام افعال و اقوال کے ہم ذمہ دار ہوتے ہیں وہ جو کچھ کرتا ہے ہمارے اشارے اور ہمارے حکم سے کرتا ہے۔ اس کے تمام افعال کی ذمہ داری ہم پر ہوتی ہے اگر اس کے کسی فعل کی شکایت ہو تو ہم سے کی جائے اس ہمارے ولی کو کچھ نہ کہا جائے اگر ہمارے ولی کو کچھ کہا جائے گا یا اس کی شان میں کوئی گستاخی کی جائے گی تو یہ ہمارے لئے اعلان جنگ کے مترادف ہوگا۔ میں نے یہ جو کچھ عرض کیا یہ حدیث قدسی اور روایت الٰہی کے پہلے دو ٹکڑوں کے سلسلے میں تھا۔ اب آخری حصہ سنئے جو واقعی عجیب و غریب ہے فرماتے ہیں۔

وما ترددت عن شئ انا فاعله ترددی عن نفس المؤمن یکرہ الموت وانا اکرہ مسائته ولا بدله منه یعنی حضرت حق فرماتے ہیں میں جس کام کو کرنا چاہتا ہوں مجھے اس کے کرنے میں کوئی تامل اور تردد نہیں ہوتا بلکہ جس کام کو کرنا چاہتا ہوں اس کو کر لیتا ہوں۔ البتہ ایک کامل مومن کی جان

قبض کرنے میں مجھ کو تردد ضرور ہوتا ہے۔ کیونکہ طبعاً وہ موت کو پسند نہیں کرتا اور موت سے گھبراتا ہے اور میں اس کو تکلیف دینا پسند نہیں کرتا حالانکہ یہ معاملہ ایسا ہے کہ موت ہر شخص کے لیے ضروری ہے دیکھا آپ نے مخلصین کی دل جوئی اور خاطر داری اس کو میں عرض کر رہا تھا کہ بندے کے لئے ایک ایسا مرتبہ اور درجہ بھی ہے جہاں وہ پہنچ کر اس قابل ہو جاتا ہے کہ حضرت حق اس کی دلجوئی کرتے ہیں۔ یہی تو مطلب ہے وانا اکرہ ساءتہ[1] کا یعنی میں اس کو رنجیدہ اور ملول کرنا پسند نہیں کرتا۔ بھلا ان بندوں کے مراتب علیا کا کیا ٹھکانہ ہے جن کی رنجیدگی اور ملال خاطر سے حضرت حق احتراز فرمائیں اور اپنے اس جذبہ کا اعلان ان الفاظ میں فرمائیں کہ میں اس کی تکلیف اور رنجیدگی کو پسند نہیں کرتا۔ اللہ اللہ وہ بندے کون ہوں گے جن کی ایذا رسانی حضرت حق کے لیے ناگواری خاطر کا موجب ہوتی ہوگی ان ہی کے لئے ارشاد ہوا تھا کہ جو طلب کرتے ہیں میں اُن کو عطا کر دیتا ہوں اور جس چیز سے پناہ مانگتے ہیں اُس سے ان کو بچا لیتا ہوں۔

موت ایک ضروری اور لازمی چیز ہے یہ امر مسلمہ ہے کہ ہر انسان کے لیے موت ضروری ہے اسی لئے فرماتے ہیں کُلُّ نفسٍ ذائقۃ الموت ہر ذی روح کو ایک دن موت سے دوچار ہونا ہے جو پیدا ہوا اس کو ناپید ہونا اور موت کے گھاٹ اُترنا ہے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ نفس کا اطلاق جناب باری عز اسمہ پر کبھا

[1] ہر جی کو چکھنی ہے موت۔

گیا ہے۔ حضرت عیسیٰ کے قول میں ہے تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک تو میرے دل کی بات جانتا ہے اور میں تیرے نفس کی بات سے واقف نہیں۔ اسی طرح حدیث میں ہے ان ذکرنی فی نفسہ ذکرتہ فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرتہ فی ملاء خیر منہم یعنی حضرت حق فرماتے ہیں اگر تو مجھ کو اپنے دل میں یاد کریگا تو میں بھی تجھ کو اپنے جی میں یاد کروں گا۔ اور اگر تو مجھ کو کسی جماعت میں بیٹھ کر یاد کرے گا تو میں تجھ کو ایسی جماعت میں یاد کروں گا اور تیرا ذکر ایسی جماعت کے روبرو کروں گا جو اس جماعت سے بہتر ہوگی جس میں تو نے مجھ کو یاد کیا تھا مطلب یہ ہے کہ جو بندہ ہمیں خفیہ طور پر یاد کیا کرتا ہے تو ہم بھی اس کے ساتھ اجر و ثواب کا معاملہ خفیہ طور پر کیا کرتے ہیں اور جو بندہ انسانوں کی جماعت میں ہمارا ذکر کیا کرتا ہے تو ہم بھی اس کا تذکرہ ملائکہ کی جماعت میں کیا کرتے ہیں اور وہ ملائکہ کی جماعت انسانوں کی جماعت سے افضل ہے۔

ملائکہ افضل ہیں یا انسان اس روایت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ کی جماعت انسانوں کی جماعت سے افضل ہے۔ اور اسی لئے اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو ملائکہ کی افضلیت کے قائل ہیں مثلاً معتزلہ نے علاوہ اور استدلالات کے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔ اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ انسان فرشتوں سے افضل ہے۔ عام انسان عام ملائکہ سے افضل اور خواص انسان ملائکہ کے خواص

ؔ۔ تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے ۱۲

سے افضل یعنی یہ بات نہیں کہ ہر انسان ہر فرشتے سے افضل ہے بلکہ ملائکہ میں بھی عوام و خواص کا فرق ہے جس طرح انسانوں میں عوام و خواص ہیں اسی طرح ملائکہ میں بھی عوام خواص ہیں۔ تو انسانوں کے عوام فرشتوں کے عوام سے افضل ہیں اور انسانوں کے خواص فرشتوں کے خواص سے افضل و اعلیٰ ہیں۔ حدیث سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ مطلقاً انسان سے افضل ہیں۔ جیسا کہ فرمایا ذکرتہ فی ملأ خیر منہم میں ایک ایسی جماعت میں تیرا تذکرہ کروں گا جو اس جماعت سے بہتر ہوگی جس جماعت میں تو نے میرا ذکر کیا ہوگا۔ اب یہ ظاہر ہے کہ انسان تو انسانوں ہی کی جماعت میں خدا کا ذکر کرے گا۔ جب وہ جماعت اور گروہ جس میں خدا بندے کا تذکرہ کرتا ہے وہ بہتر ہوئی تو معلوم ہوا کہ ملائکہ انسان سے بہتر ہوئے۔

معتزلہ کا جواب بظاہر اس شبہ کے اہلِ سنت نے بہت سے جواب دیئے ہیں۔ لیکن ایک جو بہت صاف اور آپ کے اذہان سے قریب تر ہے وہ یہ ہے کہ ہم اس معنی کو تسلیم کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ بیشک وہ جماعت اور وہ گروہ جس میں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا تذکرہ کرتا ہے اس گروہ سے افضل ہے جس گروہ میں بندہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ اس برتری اور بہتری کی یہ وجہ نہیں ہے کہ ملائکہ انسان سے برتر و افضل ہیں۔ بلکہ اس جماعت میں ذاکر انسان ہے اور جس گروہ میں اللہ تعالیٰ ذاکر کی حیثیت سے شریک ہوں وہ گروہ یقیناً اس گروہ سے افضل ہوگا جس گروہ میں ذاکر انسان ہو جس چیز کا حدیث میں ذکر ہے وہ ذاکر

کی روایت! ور ذاکر کو شریک کر کے کہا گیا ہے۔ انسانوں کی جماعت میں ذاکر انسان ہے اور ملائکہ کی جماعت میں ذاکر خدا ہے۔ اس لئے وہ جماعت افضل ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ ملائکہ انسان سے افضل ہیں۔

الید العلیا خیر من الید السفلیٰ اسی قسم کی ایک اور مشہور روایت ہے جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر کے ہاتھ کو نیچے کے ہاتھ سے بہتر اور افضل فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ سخی کا ہاتھ فقیر کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ کیونکہ فقیر کا ہاتھ لینے کے وقت پھیلا ہوا ہوتا ہے اور نیچا ہوتا ہے دینے والا اوپر سے اس کے ہاتھ میں ڈالتا ہے تو دینے والے کا ہاتھ اونچا ہوتا ہے اور لینے والے کا نیچا ہوتا ہے۔ اونچا ہاتھ یا اوپر کا ہاتھ سرمایہ دار کا ہوا اور نیچے کا ہاتھ مزدور کا ہوا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر کے ہاتھ کو افضل کہا تو معلوم ہوا کہ مال اور سرمایہ داری فقیری اور مزدوری سے افضل ہوئی۔ اوپر کا ہاتھ تو مالدار ہی کو نصیب ہوتا ہے غریب اور فقیر تو ہمیشہ اپنے ہاتھ کو نیچا ہی رکھتا ہے۔ اس روایت سے بھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دولتمند کی تعریف مقصود ہے اور دولت میں خیریت کا اظہار ہے اور فقیری اور فقر کو مفضول ظاہر کرنا مقصود ہے

فقیر صابر اور غنی شاکر اس سلسلہ میں اپنے اکابر کا مسلک یہ ہے کہ فقیر صابر غنی شاکر سے افضل ہے شاید آپ کو معلوم نہ ہو۔ علماء میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث رہا ہے کہ سرمایہ دار افضل ہے یا فقر افضل ہے۔ مال افضل ہے یا فقر افضل ہے مطلقاً تو فقر مال

سے افضل ہی ہے۔ لیکن بحث اس میں ہے کہ مال دار شاکر ہو یعنی مالدار حقوق اللہ اور حقوق العباد ادا کرتا ہو بخیل نہ ہو۔ صدقات و خیرات کا خوگر ہو۔ ایک طرف ایسا مال دار ہو اور دوسری طرف فقیر صابر ہو یعنی ایسا فقیر ہو جو صبر کرتا ہو۔ لوگوں کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاتا ہو۔ اپنی حاجت دوسروں سے سامنے ظاہر نہ کرتا ہو۔ خدا تعالیٰ کا شکوہ نہ کرتا ہو صابر اور قانع ہو' ان دونوں مال دار شاکر اور فقیر صابر میں کون افضل ہے۔ لیکن اپنے اکابر کی رائے یہ ہے کہ فقیر صابر کا مرتبہ زیادہ ہے۔ اس وقت ہر دو فریق کے دلائل بیان کرنے مقصود نہیں ہیں صرف اتنی بات عرض کرنی ہے کہ الید العلیا خیر من الید السفلیٰ کے ظاہری الفاظ سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ مالدار کے ہاتھ کو بہتر بتایا گیا ہے اور فقیر کے ہاتھ کو کمتر بتایا گیا ہے اس لئے مالدار شاکر بہتر ہے فقیر صابر سے۔ ہمارے اکابر کا جواب یہ ہے کہ بیشک اونچے ہاتھ کو نیچے کے ہاتھ سے فضیلت ہے۔ لیکن اس فضیلت کی وجہ مال نہیں ہے بلکہ اخراج مال ہے' مال دار کا ہاتھ اس لئے بہتر نہیں ہے کہ وہ مالدار کا ہاتھ ہے۔ بلکہ اس لئے بہتر ہے کہ اس سے مال نکل رہا ہے اور مال و دولت کو یہ ہاتھ دفع کر رہا ہے۔ اور فقیر کا ہاتھ اس لئے کمتر ہے کہ وہ مال جیسی بری چیز کو لے رہا ہے۔ گویا خیریت مال کو دفع کرنے کی وجہ سے ہے اور عدم خیریت مال کو حاصل کرنے کی وجہ سے ہے۔ ہکذا سمعت عن الذی سمعہ عن شیخ الہند رحمۃ اللہ تعالیٰ۔

حدیث کی دوسری توجیہ۔ اسی حدیث کی ایک دوسری توجیہ بھی

اپنے اکابر سے منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ دو آدمیوں کے ہاتھ نہیں ہیں بلکہ ایک ہی شخص کے ہاتھ کی دو حالتوں کی طرف اشارہ ہے، ایک فقیر طامع یا طامع عالم جو لوگوں کے آگے اپنی حاجت پیش کرتا ہے اور ہاتھ پھیلا کر اُن سے مانگتا ہے۔ یہ ہاتھ جو لینے کے وقت دینے والے کے سامنے پھیلایا جاتا ہے اس میں خیر نہیں ہے دوسرے وہ خوددار فقیر اور وہ عالم قانع جو لوگوں کے روبرو اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتا اور اہلِ دَوَل سے سوال نہیں کرتا۔ اگر کوئی دولت مند خود اُن کے سامنے پیش کرتا ہے۔ اور ان کے ادب و خودداری کا لحاظ کرتے ہوئے ان کو کچھ دیتا ہے تو یہ اس کو قبول کر لیتے ہیں اور ہاتھ بڑھا کر اس کو اُٹھا لیتے ہیں۔ اگر خودداری کا لحاظ کرتے ہوئے کسی عقیدت مند کی خدمت کو قبول کر لیا جائے تو اس میں خیر و برکت ہے۔ اس تقدیر پر سرمایہ دار اور فقیر کی اس حدیث میں بحث نہ ہوگی بلکہ فقیر کی دو حالتوں کا اظہار ہوگا ایک فقیر صابر اور دوسرا حریص فقیر۔ صابر تو وہ ہے جب کسی مالدار نے ہاتھ پر رکھ کر کوئی نذر پیش کی تو اس نے اٹھالی اور فقیر حریص وہ ہے جو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے اور دولت مند اس کے ہاتھ میں کچھ ڈال دیتا ہے پہلی حالت میں لیتے وقت فقیر کا ہاتھ اونچا ہوتا ہے اور دوسری حالت میں لینے وقت فقیر کا ہاتھ نیچا ہوتا ہے۔ ہاتھ تو ایک ہی ہے صرف اسکی دو حالتوں کو بتا کر فرمایا ہے کہ

الید العلیا خیر من الید السفلیٰ

یعنی فقیر کا وہ ہاتھ جو صدقہ قبول کرتے وقت اونچا ہو اُس ہاتھ سے بہتر ہے جو

خیرات یا صدقہ قبول کرتے وقت نیچا ہو۔

کُلُّ نفسٍ ذائقۃ الموت

اصل تو لفظ نفس پر بحث ہو رہی تھی اور میں اس شبہ کا جواب دے رہا تھا جو

بعض ناواقف حضرات کو اس لفظ پر ہو جاتا ہے کہ جب نفس کا اطلاق حضرت حق کی ذات پر بھی ہوتا ہے تو کیا معاذاللہ ان کو بھی موت کا مزہ چکھنا ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت حق کی ذات پر اس لفظ کا اطلاق اس معنے میں نہیں ہے جن معنی میں اس لفظ کا اطلاق بندے پر کیا جاتا ہے۔ عبارت کی فصاحت و بلاغت کے لحاظ سے مقابلۃً اور جواباً یہ لفظ بولا گیا ہے ورنہ یہ مطلب نہیں کہ جس طرح انسان کا نفس ہے اسی طرح حضرت حق کا بھی نفس ہے لیکن حق کے نفس کے معنی عام طور سے علم کے ہوتے ہیں اور کہیں کسی مناسبت سے دوسرے معنی بھی مراد لے لئے جاتے ہیں۔

بہر حال موت ایسی چیز ہے کہ اس کا ذائقہ ہر جاندار کو چکھنا ہی ہوگا اس راہ میں نہ مال و دولت مفید ہو سکتا ہے اور نہ عبادت و ریاضت کام آسکتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں انک میت و انھم میتون یعنی آپ پر بھی موت طاری ہونے والی ہے۔

قادیانیوں کا استدلال

میں نے گذشتہ تقریر سیرت کے موقعہ پر قادیانی فرقہ کے متعلق کچھ عرض کیا تھا بالخصوص اس فرقہ ضالہ کے بانی مرزا غلام احمد کی سوانح حیات کا تذکرہ بھی کیا تھا۔ میرا مقصد اس گمراہ فرقہ کے بیان سے صرف یہ ہوتا ہے کہ

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لیئے جزو ایمان ہے اسی طرح ان باغیان رسالت کو کافر اور دشمن اسلام سمجھنا بھی ضروری ہے۔ اللہ پر ایمان لانے کی شرط یہ ہے کہ طاغوت کے کفر کا اقرار کیا جائے فمن یکفر بالطاغوت ویؤمن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقٰی[1] جو شخص طاغوت کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے وہی شخص کامل الایمان ہے اور اس نے ایک مضبوط رسی کو پکڑا ہے۔ طاغوت کے معنی اگرچہ تشریح طلب ہیں لیکن آپ اتنا سمجھ لیجئے کہ طاغوت ہر اس قوت کو کہتے ہیں جو خدا اور رسول کے مقابل ہو جس طرح کافر اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں اسی طرح قادیانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باغی ہیں، ان باغیان رسالت کو جب تک کافر نہ سمجھا جائے اس وقت تک کسی مسلمان کا ایمان پختہ نہیں ہوتا۔ ان کے مذہب کی بنیاد حضرت عیسٰیؑ کی موت پر قائم ہے ان کا خیال ہے کہ حضرت عیسٰیؑ کی وفات ہو چکی اور قیامت کے قریب آنے والا مسیح وہ مسیح نہیں ہے جو بنی اسرائیل میں نبی بنا کر بھیجا گیا تھا بلکہ وہ اس امت کا ایک شخص ہوگا جو بجائے آسمان سے نازل ہونے کے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوگا۔ چنانچہ یہ شب و روز حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وفات کو مختلف آیتوں اور حدیثوں سے ثابت کیا کرتے ہیں اور چونکہ یہ فرقہ جاہل ہونے کے ساتھ ساتھ بے وقوف بھی ہے اس لئے اس کو یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ ہمارا عقیدہ کیا ہے اور ہم کو دلیل کیا پیش کرنی چاہیئے، اپنے دعوے اور مدعا

---

[1] اب جو کوئی منکر ہو مفسد سے اور یقین لاوے اللہ پر اس نے پکڑی گرہ مضبوط۔

کو استدلال کے ذکر میں بھول جانا اس فرقہ کا طغرائے امتیاز ہے۔ یہ لوگ بے ربط اور بے جوڑ بہت سی آیتیں جمع کردیتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ ہم نے بتیس آیتوں سے حضرت عیسٰی کی موت ثابت کردی ہے، مجھے اس وقت ان کے تمام استدلات تو محفوظ نہیں البتہ اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو سورۂ انبیاء کی دو آیتیں بھی ان کے دلائل کا جزو لاینفک ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ومَا جعلنا لبشرٍ من قبلک الخلد[1] اور پہلے رکوع میں ارشاد ہوتا ہے وَمَا جعلنٰھم جسداً لا یاکلون الطعام وما کانوا خٰلدین[2] ان دونوں آیتوں میں نہ کہیں حضرت عیسٰیؑ کا ذکر ہے نہ کہیں ان آیتوں کے آس پاس مسیح ابن مریم کا تذکرہ ہے۔ لیکن ان ملاعنہ کو اس سے کیا غرض۔ ان کو قرآن میں تحریف کرنے سے کوئی باک نہیں ہے ان کا دعویٰ تو یہ ہے کہ مسیح ابن مریم وفات پاگئے اور جو دلیل پیش کی ہے اس کا مفہوم یہ ہے کہ ہم نے کسی بشر کے لئے ہمیشہ زندہ رہنے کی گارنٹی نہیں کی ہے۔ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ اے محمدؐ تم کو تو وفات آجائے اور کافر ہمیشہ جیتے رہیں دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے کوئی پیغمبر ایسا نہیں بھیجا جو کھانا نہ کھاتا ہو اور نہ کوئی پیغمبر ایسا بنایا ہے جو ہمیشہ زندہ رہے اب فرمائیے ان آیتوں کا تعلق حضرت عیسٰی سے کیا ہے؟ یہ آیتیں ان لوگوں کے خلاف تو استعمال کی جاسکتی ہیں جن کا عقیدہ یہ ہو کہ پیغمبروں کو موت نہیں آتی یا پیغمبروں کی وفات نہ ہونی چاہئے یا پیغمبر کھانے پینے سے پاک ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ یہ اعتراض کافر تو کیا کرتے تھے کہ اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تو یہ کھانا کیوں کھاتے ہیں اور ان پر زمانہ کے

---

[1] اور نہیں دیا ہم نے تجھ سے پہلے کسی آدمی کو ہمیشہ جینا [2] اور نہ بنائے تھے ہم نے ایسے بدن کہ وہ نہ کھانا کھاویں اور نہ تھے رہجانے والے ۱۲

حوادثات کا کیوں اثر ہوتا ہے۔ مسلمانوں میں سے تو کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی وفات نہیں ہوتی یا وہ کھانے پینے سے پاک ہوتے ہیں۔ نہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسٰی ہمیشہ زندہ رہیں گے اور ان کو کبھی موت نہ آئے گی۔ پھر آخر قائلین حیات مسیح کے سامنے ان آیتوں کو پیش کرنے سے کیا فائدہ ہے۔

حضرت مسیح کی خوراک رہا کھانے پینے کا معاملہ تو ممکن ہے یہ بیوقوف اس وجہ سے وما جعلنٰھم جسدًا کی آیت پیش کرتے ہوں کہ جب کوئی جسم بدون کھانے پینے کے نہیں رہ سکتا تو آسمانوں میں کھانے پینے کا انتظام کیا ہوگا۔ وہاں کوئی ہوٹل تو ہے نہیں جس عرض کرتا ہوں ان احمقوں کو اتنا بھی نہیں معلوم کہ اصل رزق تو تمام مخلوق کا آسمانوں ہی میں ہے۔ فرماتے ہیں وفی السماء رزقکم وما توعدون[1] جب زمین والوں کا رزق بھی آسمان سے ہی آتا ہے تو اگر کوئی زمین کا بسنے والا آسمان پر چلا جائے تو وہ کس طرح بھوکا مر سکتا ہے۔ پھر آسمان پر کیا نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب کا نکاح تو محمدی بیگم کے ساتھ آسمان پر ہو سکتا ہے اور ایک حضرت مسیح کے کھانے کا انتظام نہیں ہو سکتا اور یہ بھی کیا ضروری ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام وہی خوراک کھاتے ہوں جو مرزا صاحب کھایا کرتے تھے۔ حضرت مسیح کو نہ تو وہاں ہندوستانی دواخانہ کی یاقوتی چاہئے اور نہ ان کو دوا کے لئے شراب کی ضرورت ہے اور نہ ان کو

---

[1] اور آسمان میں ہے روزی تمہاری اور جو کچھ تم سے وعدہ کیا ۱۲

مقوی اور مرغن کھانوں کی تلاش ہے حضرت عیسٰیؑ جن کی تمام زندگی زاہدانہ تھی ان کے کھانے میں خرچ ہی کیا ہوتا ہوگا۔

صوم وصال } نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کئی کئی دن کے متواتر روزے رکھا کرتے تھے۔ آپ کے اصحاب نے بھی چاہا کہ ہم بھی متواتر روزے رکھا کریں حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا اور یہ فرمایا کہ یہ کام تمہارے بس کا نہیں تم میں کون ایسا ہے جو مجھ جیسا ہو سکتا ہے۔ میں تو رات اپنے رب کے پاس بسر کرتا ہوں وہ مجھ کو کھانا بھی کھلا دیتا ہے اور پانی بھی پلا دیتا ہے ابیت عند ربی ھو یطعمنی ویسقینی انبیاء علیہم السلام زمین پر بھی کھانے پینے سے مستغنی ہو جاتے ہیں اور ان کو ایسی خوراک دی جاتی ہے جو ہماری سمجھ سے بالاتر ہوتی ہے۔ جب زمین پر بھی انبیاء علیہم السلام کو ایک خاص قسم کی غذا دی جا سکتی ہے تو آسمان پر خاص قسم کی غذا ان کے لئے مہیا کیوں نہیں کی جا سکتی۔ ہم نے کب انکار کیا ہے کہ ان کو طعام کی حاجت نہیں ہے۔ لیکن وہ ایسے طعام کے محتاج نہیں ہیں جس طعام اور غذا کے ہم لوگ محتاج ہیں۔ جب حیات مسیح کے قائل ان باتوں میں سے کسی بات کا انکار ہی نہیں کرتے نہ وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت مسیح کو کبھی موت نہ آئیگی اور نہ وہ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰیؑ فاقہ کر رہے ہیں اور ان کو کسی قسم کی غذا نہیں دی جا رہی ہے اور جب وہ ان باتوں کے قائل نہیں ہیں تو ان کے خلاف یہ آیتیں حجت کس طرح ہو سکتی ہیں۔

حدیث قدسی کی بقیہ بحث } ذکر اس کا ہو رہا تھا کہ موت کا آنا تو لازمی

ہے موت سے تو کوئی چارہ نہیں اور یہ بھی مسلم ہے کہ موت سے ہر انسان طبعاً گھبراتا بھی ہے۔ بُرے لوگ تو اس وجہ سے گھبراتے ہیں کہ ان کو اپنا انجام معلوم ہے۔ دنیادار اس لئے گھبراتے ہیں کہ دنیا جوان کی محبوبہ ہے موت اس سے جدا کردے گی۔ رہے نیک بندے وہ اگرچہ مطمئن ہوتے ہیں لیکن ان پر خوف غالب ہوتا ہے کہ دیکھئے کیا معاملہ کیا جائے یا اس وجہ سے زندگی کا شوق ہوتا ہے کہ کچھ اور نیک عمل ہو جائیں تو اچھا ہے تاکہ آخرت میں زیادہ نفع اٹھانے کا موقع مل جائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے وہ بندہ خوش قسمت ہے جس کی عمر بڑی ہو اور اس کے عمل اچھے ہوں

سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدنا امام حسن رضؓ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ اپنی وفات کے وقت بہت متوحش تھے بعض لوگوں نے اُن سے دریافت کیا کہ آپ اس قدر پریشان کیوں ہوتے ہیں، سیدنا امام حسن رضؓ نے فرمایا میں موت سے نہیں گھبراتا۔ لیکن مجھ کو خوف ہے کہ میں ایسے راستے پر سفر کرنے والا ہوں جس کو میں نے کبھی دیکھا نہیں ہے نئے لوگوں سے واسطہ پڑنے والا ہے جس طرح کوئی شخص نئی جگہ جانے سے گھبراتا ہے اسی طرح مجھ کو بھی گھبراہٹ ہوتی ہے ورنہ موت معاذ اللہ کوئی بُری چیز نہیں ہے۔

موت تو ایک احسان ہے صاحبو! جس موت کو ہم بُرا سمجھتے ہیں وہ تو حضرت حق کا احسان ہے فرماتے ہیں کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ[1]

[1] تم کس طرح منکر ہو اللہ سے اور تھے تم مُردے پھر اس نے تم کو جلایا پھر تمکو مارتا ہے پھر جلا دیگا ۱۲

یعنی تم اللہ کی نافرمانی کس طرح کرتے ہو حالانکہ تم معدوم تھے خدا نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو موت دیگا۔ پھر تم کو زندہ کرے گا دیکھئے اپنے احسانات میں موت کو بھی شمار کیا ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ موت نہ صرف مرنے والوں کے لئے احسان ہے بلکہ زندوں کے لئے بھی احسان ہے، مرنے والوں کو تو اس لئے کہ دار العمل سے دار الجزا کی طرف منتقل ہوتے ہیں اور ایک مزدور کے لئے اس سے بڑی اور کیا مسرت ہو سکتی ہے کہ اس سے کہا جائے آؤ اور اپنی مزدوری لے لو رہا زندوں کا معاملہ تو بھائی اگر لوگ مرتے نہیں تو زمین پر رہنے کو جگہ بھی نہ ملتی اور سرمایہ دار کا سرمایہ بھی منتقل نہ ہوتا۔

موت اور شادی میں مماثلت حضرات! آپ نے اپنی لڑکی کی شادی کی ہوگی جس طرح ایک لڑکی کی شادی ہوتی ہے اور وہ اپنے خاوند کے ہاں جاتی ہے اسی طرح ایک زندہ انسان کی موت کے وقت شادی ہوتی ہے اگر آپ فرمائیں تو میں آپ کو دونوں میں مشابہت دکھا کر آپ سے دریافت کروں کہ بتائیے موت اور شادی میں صورتاً کیا فرق ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ جب کسی لڑکی کی شادی ہونیوالی ہوتی ہے تو سب سے پہلے اس کی منگنی ہوتی ہے۔ منگنی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ لڑکی اور لڑکے کے متعلقین کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اب اس لڑکی کی فلاں لڑکے کے ساتھ شادی ہوگی جس طرح لڑکی کی منگنی ہوتی ہے اسی طرح تم سب کی منگنی کا بھی اعلان ہو چکا ہے اور تم منگیتر ہو۔ آپ کی منگنی کا اعلان ان الفاظ میں ہوا ہے کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ۔[1]

---

[1] ہر جی کو چکھنی ہے موت!

کل من علیہا فان۔ کل شیٔ ھالک الا وجھہ۔ ہر جاندار کو موت آنے والی ہے۔ جو شخص زمین پر بسنے والا ہے وہ فنا ہونے والا ہے۔ ہر شئے ہلاک ہونیوالی ہے مگر خدا تعالیٰ کی ذات فنا سے محفوظ ہے

نکاح سے پہلے مائیوں بٹھانا آپ جانتے ہیں کہ نکاح سے پہلے مائیوں کی رسم ہوتی ہے اگرچہ یہ رسم تو ہندوانی ہے مگر لڑکی کو مائیوں بٹھانے کی رسم مسلمانوں میں بھی جاری ہے۔ اس رسم میں چند امور کا لحاظ رکھا گیا ہے' لڑکی کو کچھ دنوں کے لئے ایک علیحدہ کوٹھری میں بٹھا دیتے ہیں۔ روز کھلی اور اُبٹنا مل کر نہلاتے ہیں غذا میں بھی احتیاط کی جاتی ہے۔ علیحدہ بیٹھنے سے لڑکی کی صورت نکھر جاتی ہے اور چہرے پر رونق آجاتی ہے بڑی بات یہ ہے کہ چند دن خاموش بیٹھنے اور چلہ کشی کی زندگی بسر کرنے کی حالت میں دولہا کا تصور لڑکی کے دماغ پر مستولی ہوجاتا ہے وہ یہ سمجھنے لگتی ہے کہ اب میرا نکاح ہوگا۔ ایک غیر مرد سے میرا تعلق ہوگا۔ میں اس کی بیوی بنوں گی۔ وہ میرا خاوند ہوگا۔ ان خیالات کا اثر یہ ہوتا ہے کہ جب نکاح کے بعد اپنے خاوند سے ملاقی ہوتی ہے تو اس کو وحشت نہیں ہوتی اور اس فرضی تصور کو جب اپنی اصلی حالت میں دیکھتی ہے تو بجائے وحشت کے اس سے مانوس ہوجاتی ہے۔

موت سے پہلے بیماری یہی حالت مرنے والے کی ہے کہ مرنے سے پہلے بیماری آتی ہے۔ بیماری میں موت

لہ جو کوئی ہے زمین پر مٹ جانیوالا ہے۔ سکہ اس کے سوا ہر چیز فنا ہے ۱۲

کا تصور قبر کا تصور رہتا ہے۔ نکیرین کا بھی خیال کرتا ہے۔ اس لئے قبر میں وحشت نہیں ہوتی بلکہ عالم برزخ کے لوگوں سے مانوس ہو جاتا ہے، اپنے گناہوں کو یاد کر کے توبہ کرتا ہے۔ گناہوں پر نادم ہوتا ہے اور اس طرح گناہوں کی سیاہی سے پاک ہو جاتا ہے لڑکی صابن اور اُبٹنے سے اپنا میل دور کرتی ہے اور انسان توبہ و ندامت سے اپنے گناہوں کا میل دور کر لیتا ہے۔

ایک شبہ کا جواب

یہ شبہ نہ کیا جائے کہ بعض لوگ اچانک مرجاتے ہیں اور ان کو بیمار پڑنے کا موقع بھی نہیں ملتا۔ میں عرض کرتا ہوں اسی طرح بعض نکاح بھی ہو جاتے ہیں، صبح کو بات ٹھیری شام کو نکاح ہو گیا۔ مانجھوں بیٹھنے کا موقع بھی نہیں ملتا یہ کوئی بات نہیں ہے۔ اس قسم کے مستثنیات تمام واقعات میں ہوا کرتے ہیں۔

دلھن کا غسل

دلھن کو نکاح کے وقت نہلاتے ہیں۔ اسی طرح مُردے کو بھی غسل دیتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ دلھن کو چوکی پر بٹھا کر غسل دیتے ہیں اور مُردے کو تختے پر لٹا کر غسل دیتے ہیں دلھن کو نہلا کر نیا جوڑا پہناتے ہیں جس کو ریت کا جوڑا کہتے ہیں مُردے کو بھی نیا جوڑا پہناتے ہیں اس کا نام کفن ہے اگرچہ ریت کے جوڑے کی رسم اب بہت کم ہو گئی ہے لیکن اس میں جو کرتہ ہوا کرتا ہے اس کی آستینیں نہیں ہوتیں ریت کے جوڑے میں جو کرتا دیا جاتا ہے اس کی شکل کفنی کے بالکل مشابہ ہوتی ہے۔ رہا یہ امر کہ ریت کا جوڑا سرخ ہوتا ہے اور کفن سفید ہوتا ہے تو یہ بات کچھ دنوں سے ہو گئی ہے ورنہ پہلے تو کفن بھی سرخ ہوا کرتا

تھا جس کی رنگت تو خون کی طرح سُرخ ہوا کرتی تھی لیکن خوشبو مشک جیسی ہوتی تھی۔ لونه لون الدم وريحه ريح المسك

دُلھن کا بناؤ آپ دُلھن کو نہلانے کے بعد اس کا بناؤ کرتے ہیں سر گوندھ کر مانگ نکالتے ہیں۔ اور یہ مانگ اس لئے نکالا کرتے ہیں کہ دولھا کو وہ سر پسند ہے جس میں مانگ نکلی ہوئی ہو لیکن آپ کے حقیقی مولیٰ کو وہ سر پسند ہے، جو اس کے سوا کسی دوسرے کے آگے نہیں جھکتا۔ آپ دلھن کے ہونٹوں پر مسّی لگاتے ہیں۔ لیکن مولائے حقیقی کو وہ ہونٹ پسند ہیں جو ہر وقت اس کی یاد میں حرکت کرتے رہتے ہیں۔ دُلھن کی آنکھوں میں سرمہ لگایا جاتا ہے اس لئے کہ آجکل کے نوجوان سرمگیں آنکھ کو بہت پسند کرتے ہیں مگر تمہارے حقیقی دولھا کو وہ آنکھ پسند ہے جو خدا کے خوف سے رویا کرتی ہے۔

تین قسم کی آنکھیں آپ کو معلوم ہے تین قسم کی آنکھیں ہیں جن پر دوزخ کی آگ حرام کردی گئی ہے، ایک وہ آنکھ جو تنہائی میں خدا کے خوف سے رویا کرتی ہے تنہائی کی قید اس واسطے لگائی ہے تاکہ ریاکار آنکھ نکل جائے دوسری وہ آنکھ جو دار السلام کی حدود پر مجاہدین کی حفاظت کے لئے جاگتی رہتی ہے کہ کوئی دشمن مسلمانوں پر شب خون نہ مار جائے تیسری وہ آنکھ جو اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں کو دیکھنے سے اجتناب کرتی ہے اور جب کوئی حرام چیز سامنے آجاتی ہے تو وہ جھک جاتی ہے اور محرمات کو دیکھنے سے انکار کرتی ہے۔

دُلھن کا زیور اور مہندی دُلھن کے گلے میں چمپا کلی اور گلو بند پہنا تے ہو۔ سونے کا ہار آویزاں کرتے ہو جو دلہن کے سینے پر پڑا رہتا ہے اور یہ سب کچھ اس لئے کرتے ہو کہ دُلھن دولہا کو پسند آجائے۔ حضرت حق جل مجدہٗ اُس گلے کو پسند کرتے ہیں جو ان کی راہ میں پھانسی کے پھندوں سے اپنی گردنوں کو آراستہ کرتے ہیں وہ اس سینہ کو محبوب رکھتے ہیں جو اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے تیر اور برچھیاں کھا کر چھلیان ہو جاتا ہے۔ دُلھن کے وہ ہاتھ اچھے معلوم ہوتے ہیں جن میں مہندی لگی ہوئی ہو حضرت حق کو وہ ہاتھ پسند ہے جو سیدھے ہاتھ سے خرچ کرتا ہے اور اُلٹے ہاتھ کو خبر نہیں ہوتی یعنی اس قدر پوشیدہ خیرات کرتا ہے کہ بائیں ہاتھ کی ہاتھ کو خبر نہیں ہوتی تنفق یمینہ لا تعلم شمالہ

دُلھن کے ہاتھوں کو زیور پہنایا جاتا ہے پاؤں میں مہندی لگائی جاتی ہے۔ لیکن مولائے حقیقی اُن پاؤں کو پسند کرتا ہے جو جہاد کے میدانوں اور حجاز کے صحراؤں میں گرد آلود ہوا کرتے ہیں۔ جب لوگ رات کو پاؤں پھیلا کر سوتے ہیں تو یہ پاؤں خدا کی عبادت کے لئے مصلے پر کھڑے رہتے ہیں والصلوٰۃ باللیل والناس نیام۔

دُلھن کی پالکی اور مردے کی چارپائی دُلھن کو رخصت کرتے وقت منڈھا گاتے ہیں منڈھا ایک خاص قسم کا گیت ہے جو دلھن کی رخصت کے وقت گایا جاتا ہے اور اسی وقت کے لئے مخصوص ہے دُلھن کو منڈھا سُنایا جاتا ہے۔ تو مردے کے سرہانے

سورۂ یٰسین پڑھی جاتی ہے اس سورت کا میت کے قریب پڑھنا مسنون ہے۔ دلھن کو پالکی میں بٹھاتے ہیں جس کو چار کہار اٹھاتے ہیں، مردے کی چار پائی کو بھی چار آدمی اٹھاتے ہیں دلھن کی پالکی پر عورتیں ایک دوپٹہ ڈال دیتی ہیں جس پر گوکھرو کا جال بنا ہوا ہوتا ہے، بیچ میں جال کے ٹانک دیئے ہیں، مردے کی چارپائی پر جو چادر ڈالی جاتی ہے اس پر چار خانہ بنا ہوا ہوتا ہے اور چار خانے کے بیچ میں اللہ اللہ لکھا ہوا ہوتا ہے جو دیکھنے والے کو دور سے جال کا دوپٹہ معلوم ہوتا ہے۔ چلتے وقت دلھن کے ساتھ ایک ساتھ والی بھی جایا کرتی ہے اگر یہ ساتھ والی تجربہ کار اور ہوشیار ہوتی ہے تو دلھن کو سسرال میں کوئی تکلیف نہیں ہوتی اور اگر ناتجربہ کار ہوتی ہے تو دلھن کو بجائے آرام کے تکلیف ہوتی ہے۔ یہ رسم بھی پرانی ہے اور یہ اس لئے رکھی گئی ہے کہ دلھن جب سسرال میں جاتی ہے تو سب لوگ وہاں نئے ہوتے ہیں۔ اس لئے کوئی عورت میکے کی ساتھ کر دی جاتی ہے تاکہ دلھن کو اجنبی لوگوں میں وحشت نہ ہو مردے کے ساتھ اس کے اعمال ہوتے ہیں اگر اعمال اچھے ہیں تو قبر میں موجب تسلی و اطمینان ہوتے ہیں اور اگر اعمال برے ہیں تو قبر میں موجب وبال ہو جاتے ہیں۔

دلھن کا گھونگٹ دلھن جب پالکی میں بیٹھتی ہے تو گھونگٹ نکال لیتی ہے۔ یہ گھونگٹ بظاہر شرم کی علامت ہے مردے کو کفن میں لپیٹ کر منھ باندھ دیتے ہیں گویا میت اپنے حقیقی مولا سے یہ کہتی ہے کہ میرا منھ اس قابل کہاں ہے جو تجھ کو دکھا سکوں۔ مجھ گنہگار

اور خطا کار کا چہرہ تیرے دکھانے کے قابل نہیں ہے اس لئے شرمندگی سے منہ کفن میں لپیٹ کر اوپر سے بندھوا لیا ہے میں نے کفن میں اپنا چہرہ اس لئے چھپا لیا ہے کہ اے میرے مولا! میرا چہرہ تیرے روبرو پیش کرنے کے لائق نہیں ہے۔

جنازے کی نماز میں دعا دلہن کو جب رخصت کرتے ہیں تو دلہن کا باپ یا سرپرست دولہا سے کہتا ہے یا دولہا کے سرپرست سے ہاتھ جوڑ کر عرض کرتا ہے یہ لڑکی اگرچہ ہماری بیٹی ہے لیکن ہم نے آپ کو لونڈی دی ہے آپ کی شان کے قابل نہ تو یہ دلہن ہے اور نہ اس کا جہیز آپ کے مرتبے کے لائق ہے۔ اگر آپ اس کو خوش رکھیں گے تو ہمارا کلیجہ بھی ٹھنڈا رہے گا۔ اور اگر اس کو تکلیف ہوگی تو ہمارا دل دکھے گا۔ بہرحال ہم سفارش کرتے ہیں۔ ہم تو آپ کو لونڈی دے چکے۔ اسی قسم کا مضمون اور اسی سے ملتا جلتا مضمون اس دعا کا ہے جو جنازے کی نماز میں پڑھی جاتی ہے۔ ایک دعا تو وہ ہے جو آپ حضرات پڑھا کرتے ہیں اللھم اغفر لحینا و میتنا و شاھدنا لیکن اس مشہور دعا کے علاوہ اور بھی بہت سی دعائیں ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں تم کو ایک ہی دعا یاد کرنی مشکل ہے میں تم کو اور دعائیں کیا بتاؤں لیکن ایک دعا میرے مضمون کی تصدیق کرتی ہے اس لئے وہ سنا دیتا ہوں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے کی نماز

پڑھائی تو حسب ذیل کلمات پڑھے اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبُّھَا وَ اَنْتَ خَلَقْتَھَا وَ اَنْتَ ھَدَیْتَھَا اِلَی الْاِسْلَامِ وَ اَنْتَ قَبَضْتَ رُوْحَھَا وَ اَنْتَ اَعْلَمُ بِسِرِّھَا وَ عَلَانِیَتِھَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْ لَهٗ۔

اے اللہ تو ہی اس میت کا رب ہے تو نے ہی اس کو پیدا کیا ہے تو نے ہی اس کو اسلام کی طرف رہنمائی کی تھی تو نے ہی اس کی روح کو قبض کیا ہے تو ہی اس کی خفیہ اور علانیہ حالت سے واقف ہے ہم تو بحیثیت سفارشی کے حاضر ہوئے ہیں۔ اور ہماری درخواست تو صرف اس قدر ہے کہ آپ اس کی مغفرت کر دیجئے۔

صاحبو! کیا خوش قسمت ہوں گے وہ حضرات جن کے جنازوں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوں گے اور ان کی مغفرت کے لئے دعا کرتے ہوں گے۔ امام مسلمؒ عوف بن مالکؓ سے ایک واقعہ نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جنازے پر نماز پڑھائی تو میں نے آپ کی وہ دعا یاد کر لی جو آپ نے اس میت پر پڑھی تھی۔ وہ دعا یہ تھی۔

اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَ ارْحَمْهُ وَ عَافِهٖ وَ اعْفُ عَنْهُ وَ اَکْرِمْ نُزُلَهٗ وَ وَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَ اغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَ الثَّلْجِ وَ الْبَرَدِ وَ نَقِّهٖ مِنَ الْخَطَایَا کَمَا نَقَّیْتَ الثَّوْبَ الْاَبْیَضَ مِنَ الدَّنَسِ وَ اَبْدِلْهُ دَارًا خَیْرًا مِّنْ دَارِهٖ وَ اَھْلًا خَیْرًا مِّنْ اَھْلِهٖ وَ زَوْجًا خَیْرًا مِّنْ زَوْجِهٖ وَ اَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَ اَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَ مِنْ عَذَابِ النَّارِ

بعض روایتوں میں عذاب القبر کی بجائے فِتْنَةَ الْقَبْرِ بھی آیا ہے

مطلب یہ ہے کہ یا اللہ اس میت کی مغفرت کر دے اور اس پر رحم فرما اس کو عافیت دے اور اس کی خطاؤں سے درگذر فرما، اس کی مہمانی باعزت طریق پر کر اور اس کے قیام کا وسیع پیمانہ پر انتظام کر دے اس کو ٹھنڈے پانی سے غسل دیکر اس کو اس کے گناہوں سے اس طرح پاک کر دے جس طرح کوئی کپڑا میل کچیل سے صاف ہو کر بالکل سفید ہو جایا کرتا ہے یا اللہ دنیا کے گھر سے اس کو بہتر گھر عطا کر دے اور دنیا کے اہل و عیال سے اس کو بہتر اہل و عیال و متعلقین عطا فرما دے۔ اے اللہ اس کو قبر کے فتنے اور آگ کے عذاب سے بچا لے۔ حضرت عوف بن مالک فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کلمات کو سن کر مجھ کو یہ تمنا ہوئی کہ کاش اس میت کی جگہ میں ہوتا اور حضور کی یہ دعا میرے حق میں ہوتی۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسا مستجاب الدعوات جنازے کا امام ہو تو ہم میں سے کون ایسا ہوگا جو مرنے کی تمنا نہ کرے۔

دولہا کے گھر کی پہلی رات حضرات! دلہن کے لئے دولہا کے گھر کی پہلی رات بھی دلہن کی قسمت کا آخری فیصلہ ہوتا ہے اگر دولہا نے دلہن کو پسند کر لیا تو تمام عمر عیش و آرام ہے اور اگر کوئی بدنصیب دلہن اپنے دولہا کو پسند نہ آئی تو تمام عمر کے لئے مصیبت کا سامنا ہے۔ یہی حالت قبر میں مردے کی ہے۔ اگر حضرت حق نے اپنے بندے کو قبول فرما لیا۔ تو ارشاد ہوتا ہے۔ نم کنومۃ العروس الذی لا یوقظہ الا احب اھلہ الیہ حتی یبعثہ اللہ من مضجعہ اس طرح سو جا

جس طرح دلھن سو جاتی ہے کہ اس کو سوائے اس کے خاوند کے کوئی دوسرا
نہیں جگا سکتا۔ یہاں تک کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ ہی اس کو جگائے گا۔
اور قیامت تک اپنی قبر میں یہ شخص آرام سے سوتا رہے گا۔ اور اگر خدا
نخواستہ حضرت حق نے اس کو پسند نہیں کیا تو پھر اس کی قبر کو آگ سے
بھر دیا جاتا ہے۔ اور وہ ایک بھیاری دلھن کی طرح انواع واقسام کے
عذاب میں مبتلا رہتا ہے۔

صورت کی بجائے دل کا سوال ہاں یہ ضرور ہے کہ یہاں کے دولھا دلھن کی خوبصورتی کو دیکھتے ہیں
اور حضرت حق قلب کے اطمینان کو دیکھتے ہیں یہاں اگر دلھن کالی ہو تو
دولھا اس سے ناراض ہو جاتا ہے خواہ جہیز کتنا ہی ہو اور اگر دلھن خوبصورت
ہو تو جہیز کی قلت بھی گوارا کر لی جاتی ہے۔ اسی طرح اگر بندۂ مومن کا قلب
توحید الٰہی اور یقین واذعان کی برکت سے معمور ہو تو اعمال صالحہ کی قلت
مضر نہیں ہوتی۔ لیکن دل اگر کسی بندہ کا توحید کی نعمت سے خالی ہو تو
اعمال صالحہ کی کثرت بھی مفید نہیں ہوتی اور وہ تمام اعمال نظر انداز کر دیے
جاتے ہیں ان اللہ لا ینظر الی صورکم ولکن ینظر الی قلوبکم۔
اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ تمہارے قلوب کو دیکھتا ہے ہر چند
کہ موت اور شادی میں فرق نہیں لیکن پھر بھی انسان طبعاً زندگی پسند واقع
ہوا ہے اور موت اس کو پسند نہیں ہے۔ لیکن یہ چیز ہے ضروری، کیونکہ نظام
عالم اسی طرح ہے کوئی کتنی ہی عمر زندہ رہے لیکن آخر ایک دن اسے مرنا ضرور ہے۔

حضرت حق کا تامل و تردد

حضرت حق نے حدیث قدسی میں جو لفظ تردد فرمایا ہے اُس کے معنی کچھ بھی ہوں اور یہ تو ظاہر ہی ہے کہ فعل کے معنی ہمیشہ فاعل کی نسبت سے ہوا کرتے ہیں۔ لیکن بہر حال مقصد یہ ہے کہ مقرب اور مخلص بندے کا پاس خاطر یہاں تک محبوب ہے کہ اس کو رنجیدہ کرنا نہیں چاہتے، موت بھی ضروری اور موت کا پیش آنا بھی ضروری اور حضرت حق کا اپنے مقرب بندے کا دلجوئی کرنا بھی ضروری، ان تمام ضرورتوں کا خیال رکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں جو کچھ کرنا چاہتا ہوں بغیر کسی تامل و تردد کے کر لیتا ہوں۔ اگرچہ دوسرے کاموں میں بھی کبھی کوئی تردد پیش آتا ہو لیکن اپنے ولی کی موت کے وقت سب سے زیادہ تردد ہوتا ہے اور میں یہ چاہتا ہوں کہ اس کی جان بھی قبض کر لوں اور اس کو ناگوار بھی نہ گزرے۔ یہ صورت کس طرح ممکن ہو سکتی ہے کہ مرتے وقت پریشانی نہ ہو اور انسان خوش ہو کر اپنی جان جان آفریں کے حوالے کر دے۔ اس کی عام طور سے دو صورتیں ہوا کرتی ہیں یا تو اس مخلص بندے کو مصائب اور پریشانیوں میں اس قدر مبتلا کیا جاتا ہے کہ یہ زندگی سے بیزار ہو جاتا ہے یا مرتے وقت اتنی بشارتیں دی جاتی ہیں اور ایسی چیزیں دکھائی جاتی ہیں کہ اس پر موت آسان ہو جاتی ہے اور مرتے وقت کسی قسم کی گھبراہٹ یا پریشانی نہیں ہوتی۔ اس طرح وہ کام بھی ہو جاتا ہے جو میاں چاہتے ہیں اور اس بندے کو بھی ناگوار خاطر نہیں ہوتا۔

حضرت عبادہ بن صامت کی روایت { مَنْ اَحَبَّ لِقَاءَ اللّٰهِ اَحَبَّ اللّٰهُ لِقَاءَهٗ

میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بندہ اللہ تعالیٰ کی لقاء اور ان کی ملاقات کو پسند کرتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ بھی اس بندے سے ملاقات کی خواہش کرتے ہیں اور جو بندہ ان کی ملاقات سے گھبراتا ہے۔ تو وہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتے ہیں۔ اس پر ازواج مطہرات میں سے کسی بیوی نے کہا یارسول اللہ انا لنکرہ الموت لقاء الٰہی تو مرنے کے بعد ہی نصیب ہوگی اور موت کو طبعاً ہم سب ناپسند کرتے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بات نہیں بلکہ مسلمان کی موت کا وقت جب قریب ہوتا ہے تو بشر برضوان اللہ وکرامته یعنی اللہ کی طرف سے بشارت دی جاتی ہے اور خدا کی رضامندی اور خدا کی جانب سے اعزاز کا اظہار کیا جاتا ہے ان بشارتوں کو سن کر بندہ کو خدا کی لقاء کا شوق ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اس کی ملاقات کا شوق ظاہر کرتا ہے اور کافر کی موت کا وقت جب قریب ہوتا ہے تو اس کو عذاب الٰہی کی خبر دیجاتی ہے اور خدا کے غصہ سے اس کافر کو مطلع کیا جاتا ہے تو اس وقت کافر خدا کی ملاقات کو مکروہ سمجھتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی اس کی لقاء کو ناپسند کرتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ تردد کا ظہور اس طرح کیا جاتا ہے کہ یا تو اپنے اس بندے کو موت کے وقت اس قسم کی نعمتوں سے مشرف کرتے ہیں کہ وہ موت اس کو عزیز معلوم ہونے لگتی ہے اور یا پھر مصائب و آلام میں اتنا مبتلا

کرتے ہیں کہ وہ دنیا کی زندگی سے تنگ آکر موت کو محبوب سمجھتا ہے اور اس طرح اُس کی روح بھی قبض کر لیتے ہیں۔ اور اس کو ناگوار بھی نہیں گزرتا۔ یہ ہیں وہ الطاف و کرم جو حضرت حق کی جانب سے اپنے مقبول بندوں کے ساتھ کئے جاتے ہیں۔

حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی یہ بحث تو درمیان گفتگو میں آگئی تھی ورنہ اصل میں تو وائتکم من کل ما سألتموہ پر تقریر ہو رہی تھی جس میں عرض کر رہا تھا کہ جو کچھ تم نے مانگا تھا وہ سب مل گیا مگر ہر شے میں سے تھوڑا تھوڑا بقدر ضرورت دیا گیا ہے۔ عربی میں تو اس مفہوم کو لفظ من کل نے ادا کر دیا، لیکن اردو میں یہ بات اُلجھ گئی اور یہ امر مشکل ہو گیا کہ اس مفہوم کو کس طرح ادا کیا جائے۔ اس اُلجھاؤ کو حضرت شاہ صاحبؒ نے اپنے الہامی ترجمہ میں جس طرح صاف کیا ہے یہ شاہ صاحبؒ ہی کا کمال ہے اس پر میں نے کہا تھا کہ شاہ صاحب کا کیا کمال جس بندے سے حضرت حق کام لینا چاہتے ہیں اس سے خود ہی لے لیا کرتے ہیں۔ پردہ میں خود رہتے ہیں ظاہر میں وہ بندہ ہوتا ہے اور حقیقت میں وہ خود ہی اُس کام کو انجام دیتے ہیں۔ حضرت شاہ صاحب تو حال کے لوگوں میں ہیں اسلامی تاریخ میں تو اس قسم کے ہزاروں مافوق الفطرت واقعات ہیں جو بظاہر انسان کی طاقت سے خارج معلوم ہوتے ہیں لیکن انسانوں ہی نے اُن واقعات کو انجام دیا ہے آج کل کے ملحدین اقرار کریں یا انکار لیکن اس امر کے تسلیم کرنے سے کوئی مفر نہیں کہ ایک ایسی خفیہ طاقت موجود ہے جو کسی کو نظر

نہیں آتی اور اپنی مخلوق کے قوائے عقلیہ اور قوائے ظاہریہ میں چھپی چھپی رہتی ہے اور جب کوئی کام کرنا ہوتا ہے تو کر گذرتی ہے اور دنیا کے عقلاء کو محو حیرت بنا کر چھوڑ دیتی ہے بہرحال شاہ صاحب نے جو ترجمہ کیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں اور دیا تم کو ہر چیز میں سے جو تم نے مانگی۔ کیا خوب ترجمہ ہے۔ اس سے بہتر ترجمہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یعنی سب ہی سے بقدر ضرورت تھوڑا تھوڑا عطا فرما دیا یہ اردو کا محاورہ اب بھی استعمال ہوتا ہے آپ کے سامنے مثلاً دودھ رکھا ہے میں آپ سے کہوں۔ اس میں سے مجھے بھی پلاؤ۔ تو مطلب یہ ہوگا اس دودھ کا بعض حصہ مجھ کو پلاؤ

جس سے یہ معلوم ہوا شاہ صاحب نے ایسے لفظ لکھے ہیں جو تمام عبارت کی جان ہیں۔

ایک اور شبہ کا جواب

آپ حضرات کو یہ شبہ نہ ہو جائے کہ ہم نے سوال کب کیا تھا جو ہماری درخواست ہم کو دکھائی جائے۔ اور ہماری کوئی درخواست نہیں تو سب کچھ کیوں فرمایا۔ تو بھائی اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری ضرورت کی تمام اشیاء مہیا فرمائیں تم مانگو یا نہ مانگو فطرت کی ضرورت سوال ہے، تم کو دنیا میں بھیجنے سے پہلے تمہاری ضروریات کا خیال کیا اور ان تمام چیزوں سے بقدر ضرورت مہیا کر دیا جس کی ضرورت واقع ہونیوالی تھی حتیٰ کہ جسمانی ضروریات کے ساتھ روحانی ضروریات کا سامان بھی مہیا فرمایا اور جس چیز کی ضرورت تم کو اس عالم میں پیش آنے والی تھی وہ تم کو عطا کر دی۔ چونکہ ہماری ضروریات کا شمار خود ہماری طاقت سے خارج ہے تو نعمتوں کا شمار کس طرح ہو سکتا ہے اور جب نعمتوں کا شمار ہی ناممکن ہے تو شکریہ ہر نعمت کا کس طرح ممکن ہو سکتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بقیہ قصہ ان ہی احسانات کی طرف حضرت موسیٰ ع نے اشارہ کرتے ہوئے
بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا۔ الٰہی اوّل تو ان احسانات کا شمار ہی میری طاقت
سے خارج ہے پھر یہ کہ اگر میں کسی نعمت کا شکریہ ادا بھی کروں تو یہ ایک مستقل احسان ہے
کیونکہ نیک عمل کی توفیق دینا بھی تو احسان ہے اور جب کسی نعمت کا شکریہ ادا کروں گا
تو یہ شکریہ آپ کی توفیق پر موقوف ہوگا اور پھر اس توفیق کا شکریہ ادا کروں گا تو یہ
بھی آپ کی عنایت اور توفیق پر موقوف ہوگا۔ اسی طرح لا انتہا یہ سلسلہ جاری رہیگا
ظاہری انعامات کے علاوہ کسی نیک عمل کی توفیق عطا فرمانا یہ بھی ایک مستقل
نعمت ہے۔ اور اس طرح اگر حساب لگاتے چلے جاؤ تو فریضۂ شکر کی ادائیگی
قطعاً ناممکن ہو جاتی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس اعتراف عجز کا جواب
دیا گیا۔ موسیٰ ع اگر کوئی بندہ اس امر کا اعتراف کرے کہ وہ ہمارے احسانات کا
شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہے تو اس کا یہ اعتراف ہی ہمارے نزدیک ہماری
نعمتوں کا شکریہ ہے، گویا بندہ یہ کہدے کہ میں آپ کے احسانات و انعامات
کا شکریہ
ادا کرنے سے عاجز ہوں تو اظہار عجز ہی شکریہ کا قائم مقام ہو جاتا ہے اگرچہ
یہ اعتراف بھی اُن ہی کی توفیق پر موقوف ہے۔

معاذ اللہ خدا سے شکوہ کا ہاں صاحب میں یہ عرض کر رہا تھا کہ خود کو تو
حضرت حق سے کوئی شکوہ ہی نہیں ہے تم بہانا اور وہ
باتیں میں نے تو تم کو قرآن کی آیت سنا دی تم تو اس آیت کا مطلب یہ سمجھے

ہو گئے اور تم سمجھتے بھی کیسے جب تم کو قرآن و سنت سے دلچسپی ہی نہیں تو سمجھ کیسے سکتے ہو۔ ذرا وَلَوْلَا اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً پر غور کرو۔ اگر سب لوگ یکساں نہ ہو جاتے یعنی اگر مسلمانوں کے کافر ہو جانے کا خطرہ نہ ہوتا تو ہم کافروں کو بہت کچھ دیتے اس کا مطلب ایک تو یہی ہے جو میں نے عرض کیا یعنی تم کو شکوہ ہے کہ سب کچھ غیروں کو دیدیا۔ خیر یہ مطلب تو ظاہر ہی ہے لیکن ایک بات اور بھی ہے جو میں کہنا نہیں چاہتا اور وہ بات شرم کی ہے۔ تم کو تو شرمندگی ہو یا نہ ہو مگر ایک غیرت دار انسان کے لئے تو وہ بہت بڑی بات ہے اس آیت میں جو سب سے گہری بات ہے وہ یہ ہے کہ ہم پر بھی عدم اعتماد کا اظہار کیا گیا ہے۔ گویا ہم ایسے ضعیف الاعتقاد ہیں کہ کافروں کی دولت و ثروت دیکھ کر اُن کی طرف مائل ہو جاتے۔ اللہ تعالیٰ نے ہماری آبرو رکھی اور غیروں کے سامنے شرم رکھ لی اگر کافروں کو وہ سب کچھ مل جاتا جو وہ دینا چاہتے تھے تو نہ معلوم ہمارا کیا حشر ہوتا وہ تو خدا نے خیر کی کہ غیروں کو وہ نہ دیا جو دینا چاہتے تھے ورنہ ہم اس دنیا کے پیچھے کافر ہو جاتے ہیں۔

بھائی بُرا ماننے کی بات نہیں بات تو سچی ہے اگرچہ تلخ ہے آیت کیا ہے ایک قسم کا ووٹ آف سنسر ہے اور اس کی ذمہ داری بھی ہم پر ہی عائد ہوتی ہے اگر ہمارے ایمان کمزور اور ضعیف نہ ہوتے تو ہمارے منہ سے ایسی بات ہی کیوں نکلتی۔ وہ مرزا داغ نے کیا خوب کہا ہے ؎

نری رنجش کھلی طرز بیاں سے ۔۔۔ نہ تھی دل میں تو کیوں نکلی زباں سے

تمہاری خفیف الحرکتی نے یہ سب کچھ سنوایا۔ اگر تم مضبوط ہوتے تو حضرت حق کیوں اس خطرہ کا اظہار کرتے ہیں۔ میں دریافت کرتا ہوں کہ آپ کو اس پر تعجب

لے اور اگر یہ نہ ہوتا کہ لوگ ہو جاویں ایک دین پر ۱۲۔

کیوں ہوا۔ آج مسلمان دنیا کے لالچ اور دولت کی محبت میں کیا کچھ نہیں کر رہے۔ ایک کفر ہی باقی رہ گیا ہے ورنہ آپ نے کون سا کام اٹھا رکھا ہے۔ تمام فسق و فجور کے منازل آپ طے کئے بیٹھے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تو کون سا بے جا فرمایا وہ کون سا گناہ ہے جو روپے کی خاطر آپ نہیں کرتے۔

عبادات سے زیادہ معاملات خراب ہیں

عبادات کا قصور تو ایک حد تک قابل برداشت بھی کیا جا سکتا ہے لیکن معاملات کی کوتاہی تو ناقابل برداشت ہے جھوٹی قسم آپ کھائیں جھوٹی گواہی آپ دیدیں کسی سے لیکر آپ دینا نہیں جانتے پھر لطف یہ ہے کہ مقروض ہوکر ایسا دھمکاتے ہیں جیسا کوئی قرض خواہ ڈانٹتا ہے۔

میرے عزیزو! معاف کرنا وہ کون سا جرم ہے، وہ کون سی خطا ہے وہ کون سا گناہ ہے جو تم نے چھوڑ رکھا ہے تمہارے اس لالچ نے تم کو یہ کڑوی بات سنوائی۔ یہ تو منافقوں کی حالت تھی کہ اُن کو روپیہ مل جائے تو وہ خوش ہیں ورنہ منہ بنائے بیٹھے ہیں۔ حضرت حق بعض منافقین کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں ومنھم من یلمزک فی الصدقات فان اعطوا منھا رضوا وان لم یعطوا منھا اذا ھم یسخطون۔[1]

منافقوں میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو اے ہمارے پیغمبر آپ کو صدقات و خیرات اور مال غنیمت کی تقسیم پر جب لگاتے ہیں، اُن کی حالت یہ ہے کہ ان کو کچھ دیدو

---

[1] اور بعضے اُن میں ہیں کہ تجھ کو طعن دیتے ہیں زکوٰۃ بانٹنے میں۔ سو اگر ان کو ملے اس میں سے تو راضی ہوں اور ان کو نہ ملے تب ہی وہ ناخوش ہو جاویں۔ ۱۲

تو راضی ہیں اور اگر رزق کو خفا ہو جاتے ہیں۔ یہ حرکت تو منافقوں کی بیان کی گئی
ہے آج ہم سب کی یہی حالت ہے۔ اللہ تعالیٰ دنیا دیدیں تو خوش ہیں اسلام بہت
اچھا مذہب ہے اور اگر تنگ دستی یا فقر سے واسطہ پڑجائے تو ناراض ہیں۔
میں یہ نہیں کہتا کہ تمام مسلمان ایسے ہی ہیں اگر مخلص بندے نہ ہوں تو دنیا
کس طرح قائم رہ سکتی ہے لیکن اس میں شک نہیں کہ بہت سے مسلمانوں کی
عملی حالت خراب ہے۔ جب مسلمان روپے کے لالچ میں فسق کرسکتا ہے تو کفر کرنے
میں کونسی چیز مانع ہے۔

آیت قرآنی کا مطلب

ہاں تو آیت قرآنی کے معنے پر بحث ہو رہی تھی اور میں نے ایک تحقیقی معنے کی طرف اشارہ کیا
تھا اور یہ واقعہ ہے کہ وہ معنی آیت میں موجود ہیں اگرچہ یہ ضرور ہے کہ وہ معنی
تمام مسلمانوں کے خلاف نہیں ہیں سب مسلمان ہم جیسے تو نہیں ہیں آخر
اس دنیا میں اللہ کے وہ بندے بھی تو ہیں جو ہر قسم کی تکلیف کو برداشت
کرتے ہیں اور ان کی تیوری پر بل نہیں پڑتا انہوں نے دنیا میں کبھی آرام و
راحت کی شکل نہیں دیکھی اور کبھی آجتک حرف شکایت زبان پر نہ لائے
سب دکھ برداشت کئے اور خندہ پیشانی کیساتھ برداشت کئے اُن کے منہ سے
بڑی سے بڑی مصیبت کے وقت بھی عسٰی ربنا ان یبدلنا خیرا منہا
انا الی ربنا راغبون عنقریب ہمارا پروردگار ہم کو اچھی حالت میں تبدیل کر
دیگا۔ ہم تو اپنے رب کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔ وہ آپ کے ملا عراقی نے
کیا خوب کہا ہے ؎

؎ شاید ہمارا رب بدلدے ہم کو اس سے بہتر ہم اپنے رب سے آرزو رکھتے ہیں ۱۲۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت — سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ان پر تکالیف و مصائب کی بارش کی گئی لیکن انہوں نے اُف تک نہ کی
انہوں نے قیصر اور کسریٰ کے خزانے دیکھے مگر کبھی ان پر للچائی ہوئی نظر نہیں ڈالی
اُن پر مرض کا حملہ ہوا، فاقے ہوئے، مختلف درد و دکھ میں مبتلا کئے گئے لیکن
انہوں نے کبھی شکوہ شکایت کا ایک لفظ زبان سے نہ نکالا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ
ان پیغمبر کا اعتماد ہے ان کی پختہ ایمانی اور ان کے صبر و استقلال کا خود حضرت
حق نے اعتراف فرمایا سورہ انفال میں فرماتے ہیں۔ اولئک ہم المومنون
حقاً یہی لوگ ایمان و اذعان کے پختہ ہیں۔ سورہ حج میں فرماتے ہیں وبشر[1]
المخبتین الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبہم والصابرین علی ما
اصابہم، ہمارے ان عاجز بندوں کو مبارکباد دے دیجئے جو بے چارے
اپنی غربت اور فقر کی وجہ سے لاچار ہیں۔ لیکن اُن کی حالت یہ ہے کہ جب اللہ
کا نام اُن کے سامنے لیا جاتا ہے تو اُن کے دل دہل جاتے ہیں اور ان
کو جو مصیبت پہنچتی ہے اس پر صبر کرتے ہیں اور فرمایا وبشر[2] الصابرین الذین
اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان صبر
کرنیوالوں کو خوشخبری دیدیجئے کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ انا للہ وانا الیہ راجعون کہا کرتے
ہیں، انکی کیفیت تو یہ ہے کہ جب انکو خوفزدہ کرنیکی کوشش کی جاتی ہے تو یہ بجائے متاثر ہونے کے اللہ
تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور ان کا . . . . . .

---

[1] اور خوشی سنا عاجزی کرنیوالوں کو وہ یہ کہ جب نام لیجئے اللہ کا ڈر جاویں اُن کے دل اور
ثابت رہنے والے جو ان پر پڑے [2] اور خوشی سنا ثابت رہنے والوں کو کہ جب پہنچے اُن کو کچھ
مصیبت کہیں ہم اللہ کا مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھر جانا۔ ۱۲

وظیفہ یہ ہوتا ہے حسبنا اللہ ونعم الوکیل[1] ان کا ایمان و اسلام اتنا پختہ اور مضبوط ہے کہ اُن کی آنکھوں کے سامنے مالِ غنیمت دوسروں کو دیا جاتا ہے ان کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوتا بلکہ اُن کے مُنہ سے جو الفاظ نکلتے ہیں وہ یہ ہوتے ہیں حسبنا اللہ سیؤتینا اللہ من فضلہ ورسولہ انا الی اللہ راغبون[2] ہم کو ہمارا اللہ کافی ہے ہم کو جو کچھ ملتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اس کا رسول دیدے گا۔ ہم تو ہر حال میں اپنے مولیٰ سے خوش ہیں اور اسی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں۔

انصار کا واقعہ اسی مال غنیمت کے سلسلہ میں مجھے ایک واقعہ یاد آیا طائف کی فتح کے بعد حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ہوازن اور ثقیف کے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور مجاہدین میں یہ مال تقسیم کیا گیا تو بعض مصالح سیاسیہ کے اعتبار سے ان نو مسلموں کو کسی قدر زیادہ دیا جو اسلام میں نو وارد تھے بعض منافقین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تقسیم پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ھذہ القسمۃ ما عدل فیھا وما ارید بھا وجہ اللہ یہ ایسی تقسیم ہے جس میں انصاف سے کام نہیں لیا جا رہا ہے۔ اور یہ تقسیم اللہ کے لئے نہیں ہو رہی ہے بلکہ معاذ اللہ اس میں شیطان کا حصہ ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ کلمات پہنچے تو آپ نے فرمایا اگر اللہ اور اس کا رسول بھی ناانصافی کرے تو پھر انصاف کون کرے گا۔ رحم اللہ علی اخی موسیٰ قد اوذی باکثر

---

[1] بس ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز ہے [2] بس ہے ہم کو اللہ دے رہیگا ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول، ہم کو اللہ ہی چاہیئے۔

من ھذا فصبر۔ اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰؑ پر رحم کرے اُن کو تو ان معاملات میں مجھ سے بھی زیادہ اذیت پہنچائی گئی۔ مگر انہوں نے صبر کیا۔

قبیلہ تمیم کا ایک منافق

قبیلہ تمیم کے ایک منافق نے جس کو ذوالخویصرہ کہا کرتے تھے کہا اور اعتراض کے لہجے میں کہا اے محمدؐ جو کچھ تم کر رہے ہو میں خوب سمجھ رہا ہوں۔ آپ نے فرمایا تو کیا سمجھ رہا ہے۔ اس مردود نے کہا کہ آپ ناانصافی کر رہے ہیں مستحقین کو محروم کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا تجھ پر افسوس ہے اگر میں انصاف نہ کروں گا تو پھر کون انصاف کرنے آئے گا۔

اس گستاخ کی اس حرکت پر حضرت عمرؓ نے اس منافق کے قتل کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا اے عمرؓ ایسا نہ کرو ورنہ میرے خلاف یہ پروپیگنڈہ کیا جائیگا کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کراتا ہوں۔ حضرت خالد نے عرض کی مجھے اجازت دیجئے کہ اس ملعون کو قتل کر دوں آپ نے فرمایا خالد یہ نماز پڑھتا ہے نماز پڑھنے والے کو کس طرح قتل کی اجازت دے دوں۔ حضرت خالد نے عرض کیا یا رسول اللہ (کم مصل یقول بلسانہ مالیس فی قلوبہم) بہت سے نمازی ایسے ہوتے ہیں کہ نماز ان کی زبان پر ہوتی ہے۔ لیکن نماز کا کوئی اثر اُن کے قلب میں نہیں ہوتا۔ اس کا جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دیا وہ یہ تھا (انی لم اومران انقب عن قلوب الناس ولا اشق بطونھم) اے خالد مجھے اس بات کا حکم نہیں دیا گیا ہے کہ میں لوگوں کے دلوں میں نقب لگا کر اور ان کے سینے چیر کر دیکھا کروں۔ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس ذوالخویصرہ نے یہ بھی کہا کہ اے محمدؐ خدا سے ڈرو یہ جو کچھ کر رہے ہو سخت ناانصافی کر رہے ہو۔ آپ نے اس گستاخ کے جواب میں فرمایا۔

اگر میں بھی اللہ تعالیٰ کی معاذ اللہ نافرمانی کرنے لگوں تو پھر اس کی اطاعت کون کریگا
مجھ کو اہلِ زمین اور اہلِ آسمان امین سمجھتے ہیں لیکن تم مجھ پر اطمینان نہیں کرتے
آسمان میں مجھ کو امین سمجھا جاتا ہے میرے پاس صبح اور شام آسمان کی خبر آتی
ہیں لیکن تم میری امانت میں شک کرتے ہو۔

انصار کے بعض نوجوانوں کی غلط فہمی | اس تقسیم کے چرچے اور بعض منافقین کے پروپیگنڈے
سے انصار کے بعض ناتجربہ کار نوجوان بھی متاثر ہو گئے اور ان میں سے بعض نے کہا
(ان ھذا لھو العجب یعطی قریشا و یترکنا و سیوفنا تقطر من دمائھم)
یہ عجیب بات ہے مالِ غنیمت قریش کو دیا جا رہا ہے اور ہم کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔
حالانکہ ہماری تلواریں ابھی خون سے خشک بھی نہیں ہوئیں، ہماری تلواروں سے
تو ابھی خون ٹپک رہا ہے اور مالِ غنیمت ہمارے غیروں کو دیا جا رہا ہے۔ جب مصیبت کا وقت
آتا ہے تو ہم بلائے جاتے ہیں اور جب غنیمت کی تقسیم کا وقت آتا ہے تو غیروں یعنی قریش کا
خیال رکھا جاتا ہے۔ ہماری تلواروں سے تو خون ٹپک رہا ہو، ہماری تلواریں خون سے رنگی
ہوں اور مالِ غنیمت دوسرے لیجائیں۔ اگر یہ تقسیم اللہ کے حکم سے کی گئی ہے تو ہم کو کوئی شکایت
نہیں۔ اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی رائے سے ایسا کر رہے ہیں تو افسوس ہے
ہمارے لئے یہ تقسیم تکلیف دہ ہے۔

سعد بن عبادہ انصاری کی اطلاع | منافقین اور مخلصین کی اس تمام گفتگو کا
خلاصہ سعد بن عبادہ رضؓ نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور نہایت ادب سے عرض کیا، یا رسول اللہ

انصار میں اس تقسیم کے متعلق سخت برہمی کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ حضرت سعد بن عبادہؓ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام تفصیلات معلوم کیں اور اس کے بعد سعد سے دریافت کیا اے سعد! تمہاری ذاتی رائے کیا ہے۔ تم اس تقسیم کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو؟ سعد نے نہایت ادب سے عرض کیا یا رسول اللہ ما انا الا قومی یا رسول اللہ میں بھی آخر انصار کا ہی ایک فرد ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اچھا جاؤ تمام انصار کو ایک خیمہ میں جمع کرو اور اس کا خیال رکھو کہ صرف انصار جمع ہوں۔ مہاجرین میں سے کوئی شخص اس جلسہ میں شریک نہ ہو چنانچہ سعد بن عبادہ نے تمام انصار کو ایک چمڑے کے خیمے میں جمع کیا اور جب سب لوگ جمع ہو گئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خیمے میں تشریف لے گئے۔ جب آپ خیمہ میں پہنچے تو آپ نے بعض مہاجرین کو بھی وہاں دیکھا۔ چنانچہ آپ نے مہاجرین سے فرمایا کہ تم یہاں سے چلے جاؤ مجھے انصار سے کچھ باتیں کرنی ہیں مہاجرین وہاں سے چلے گئے۔ پھر آپ نے فرمایا تم میں کوئی غیر انصاری تو نہیں ہے بعض لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ایک لڑکا ہے جو ہمارا بھانجہ ہوتا ہے یعنی ہے تو بہن کا لڑکا مگر وہ بہن مہاجر کی بیوی ہے۔ آپ نے فرمایا خیر بھانجہ تو قوم ہی میں سے ہوتا ہے اسے بیٹھا رہنے دو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دل آویز خطبہ

اس کے بعد آپ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا مجھے تمہاری طرف سے بعض الفاظ پہنچائے گئے ہیں اور میں نے سنا ہے کہ تم کو میرے طرز عمل سے کوئی شکایت ہوئی ہے وہ کیا الفاظ ہیں جو تم نے کہے

ہیں اور وہ کیا بات ہے جو مجھ تک پہنچی ہے۔ یہ سن کر تمام انصار پر خاموشی چھا گئی۔
آپ نے پھر فرمایا بتاؤ وہ کیا بات ہے جو تم نے کہی ہے۔ اس کے بعد کسی نے کہا
جو واقعہ آپ کو پہنچایا گیا ہے وہ صحیح ہے لیکن کسی بڑے آدمی نے کوئی بات نہیں
کہی ہے۔ بلکہ بعض ناتجربہ کار لڑکوں کے منہ سے نکل گیا ہے جس کا ہم سب
کو افسوس ہے۔ انہوں نے یہ الفاظ بے شک کہے ہیں یغفر اللہ تعالیٰ لرسول
اللہ صلی اللہ وسلم یعطی قریش ویترکنا وسیوفنا تقطر
من دمائھم یعنی اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معاف فرمائے
آپ نے ہم کو نظر انداز کر دیا اور قریش کو ہوازن و ثقیف کی غنیمت عطا کی حالانکہ
ہماری تلواریں کافروں کے خون سے تر ہیں اور ہماری تلواروں سے ان کا خون ٹپک
رہا ہے۔ جب آپ یہ الفاظ سن چکے تو آپ نے فرمایا۔ یا معشر الانصار الم
انکم ضلالا فھداکم اللہ بی وعالۃ فاغناکم اللہ بی واعداء فالف بین قلوبکم
وکنتم متفرقین فجمعکم اللہ یا معشر الانصار الم یمن اللہ علیکم بالایمان وخصکم
بالکرامۃ وسماکم باحسن الاسماء انصار اللہ وانصار رسولہ۔ اے
انصار کی جماعت کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ میں جب تمہارے پاس آیا تو تمہاری حالت
یہ تھی کہ تم سب گمراہ تھے اللہ تعالیٰ نے تم کو میری وجہ سے ہدایت عطا فرمائی۔ کیا یہ
واقعہ نہیں ہے کہ میں جب مدینہ آیا تو تم سب محتاج ومفلس تھے۔ اللہ تعالیٰ نے تم
کو میری وجہ سے مالدار اور سرمایہ دار کر دیا۔ کیا یہ واقعہ نہیں کہ تم آپس میں ایکدوسرے
کے دشمن تھے اور میرے آنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت
ومحبت پیدا کر دی اور تم آپس میں ایکدوسرے کے دوست ہو گئے۔ کیا یہ واقعہ

نہیں ہے کہ تم منتشر تھے اللہ تعالی نے تم کو جمع کر دیا اور تمہاری پھوٹ دور ہو گئی
اے انصار! کیا یہ اللہ کا احسان نہیں ہے کہ اس نے تم کو ایمان کی توفیق عطا
فرمائی اور تم کو مسلمان بنایا اور تم کو شرافت و کرامت کے ساتھ مخصوص کیا
اور تم کو بہترین لقب سے سرفراز فرمایا۔ تمہارا نام انصار اللہ اور انصار رسول
اللہ رکھا گیا۔ آپ نے یہ چند کلمات فرما کر سکوت اختیار کیا۔

انصار کا جواب تو انصار نے کہا بے شک اللہ اور اس کے رسول کے
احسانات کا ہم اعتراف کرتے ہیں۔ آپ جب تشریف
لائے تو ہم مدینے والے کفر کی تاریکی میں مبتلا تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کی
برکت سے ہم کو کفر کی تاریکی سے نکال کر اسلام کے نور میں داخل کیا۔ ہم
دوزخ کے کنارے کھڑے ہوئے تھے۔ اللہ تعالی نے آپ کی
. . . .
. . . . وجہ سے ہم کو جہنم سے بچا لیا۔ آپ
جب تشریف لائے تو آپ نے ہم کو گمراہ پایا۔ لیکن اللہ تعالی نے آپ کی
وجہ سے ہم کو ہدایت فرمائی۔ ہم اللہ تعالی کے رب ہونے سے راضی ہیں۔ اور
آپ کے نبی اور رسول ہونے سے راضی ہیں۔ آپ کا جو دل چاہے وہ کیجئے
ہماری طرف سے ہر قسم کی اجازت ہے احسان تو اصل میں اللہ اور اس
کے رسول ہی کا کام ہے ہم کو اپنے محسن سے نہ شکوہ ہے نہ کوئی شکایت
ہے۔ اللہ تعالی کا فضل ہر شخص کے لئے ہے وہ اپنا فضل ہم پر بھی کرتا ہے
اور ہمارے غیروں پر بھی کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالبہ

انصار کا یہ جواب سن کر پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جواب کیوں نہیں دیتے۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کیا جواب دیں ہمارے خیال میں جو بات تھی وہ ہم نے عرض کر دی۔ آپ نے فرمایا اگر تم چاہو تو میرے جواب میں یہ کہہ سکتے ہو اتیتنا مکذبا فصدقناک ومخذولا فنصرناک وطریدا فآویناک وعائلا فاغنیناک وخائفا فامناک۔ آپ مدینے میں جب آئے تو آپ کی حالت یہ تھی کہ آپ کی قوم نے آپ کو جھٹلا دیا تھا لیکن ہم نے آپ کی تصدیق کی اور آپ بے یار و مددگار تھے۔ لیکن ہم نے آپ کی مدد کی آپ ایسی حالت میں آئے تھے کہ آپ کا کوئی ٹھکانا نہ تھا۔ آپ کی قوم آپ کو مکہ میں رہنے کی سخت خلاف تھی ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا۔ اور آپ کو مدینہ میں ٹھہرایا اور آپ جب آئے تو آپ کے ساتھی مفلس تھے۔ ہم نے اپنی دولت سے آپ کو غنی اور مالدار بنا دیا۔ آپ جب اپنی قوم سے روپوش ہو کر آئے تو آپ خوفزدہ تھے ہم نے آپ کو امن دیا اور آپ کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہوئے۔ اے انصار اگر تم مجھ کو یہ جواب دو تو دے سکتے ہو۔ اور اگر تم مجھ کو یہ جواب دو تو میں تمہاری تصدیق کروں گا۔ اور تم اس جواب میں سچے ہو گے۔

نو مسلموں کی تالیف قلوب

اے انصار اگر میں نے اس وقت قریش کو کچھ دیا ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے بعض نو مسلموں کی تالیف قلوب کی وجہ سے میں نے دیا ہے۔ تم

تھوڑی سی دنیا کا لالچ کرتے ہو۔ لیکن یہ خیال نہیں کرتے کہ میں تمہارے اسلام پر اعتماد کرتا ہوں۔ مجھ کو تمہاری پختہ ایمانی پر بھروسہ ہے۔ جن کو میں دیتا ہوں اُن کے ایمان کو ضعیف خیال کرتا ہوں اور یہ سمجھ کر دیتا ہوں کہ کہیں وہ اسلام سے روگردانی نہ اختیار کرلیں۔

اے انصار! کیا تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ وہ لوگ اپنے گھروں کو بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں کو جب جاؤ تو رسول اللہ کو لے کر جاؤ۔ خدا کی قسم اگر ہجرۃ مقدر نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں سے ہی ہوتا۔ اگر لوگ ایک راستہ اختیار کریں اور انصار ایک راستہ اختیار کریں تو میں اس راہ پر چلوں گا جس کو انصار اختیار کریں گے۔ یا اللہ! انصار پر رحم کر۔ یا اللہ انصار کی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اس کی اولاد پر رحم فرما۔

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تقریر کر رہے تھے تو انصار پر ایک کیفیت طاری تھی۔ تمام انصار چیخیں مار مار کر رو رہے تھے۔ انصار میں سے شاید ہی کوئی ایسا ہو جس کے آنسو رخسار سے بہہ کر زمین پر نہ گرے ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس درد انگیز خطبہ کا یہ اثر ہوا کہ ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں۔

رضینا برسول اللّٰہ قسما وحظا ہم اللہ تعالیٰ کے رسول سے ہر حالت میں راضی ہیں۔ ہمیں کوئی تقسیم کے متعلق شکایت نہیں، ہمیں مال کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے حصے میں آجانا ہی کافی ہے۔

حضرات! اس تقریر کا ایک ایک لفظ تشریح طلب ہے، میں کیا عرض کروں

اس سمندر ناپیدا کنار میں کتنے جواہر اور کتنے در نایاب پنہاں ہیں، کاش قوت ہوتا اور مجھ میں طاقت ہوتی تو میں بتاتا کہ سیاسی اور مذہبی اور سوشل طریقہ سے یہ تقریر کتنی جامع ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تحمل آپ کے صبر، آپ کی دور اندیشی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ آپ کے تدبر۔ آپ کی فہم وفراست آپ کے اخلاق، آپ کی تواضع۔ آپ کی سیاست، آپ کی صداقت و امانت آپ کے عدل و انصاف، فوج کے کنٹرول کی خداداد قابلیت، ایجی ٹیشن کو دبانے کی صلاحیت، وفاداروں کی دل جوئی، غرض کیا عرض کروں اس تقریر میں کیا کیا ہے سچ تو یہ ہے کہ رسالت کا تاج بلکہ ختم رسالت کا تاج اسی کو دیا تھا جس کو اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب نے ازل میں یہ کہکر منتخب کیا تھا کہ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ

اللّٰھم صلے علٰے محمد وعلیٰ اٰل محمد

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام ‏ ‏ بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

عالم ہمہ یغمائے تو خلق خدا شیدائے تو ‏ ‏ ایں نرگس رعنائے تو آوردہ رسم دلبری

ہرگز نیاید در نظر صورت زروئیت خوبتر ‏ ‏ شمسی ندانم یا قمر، یا زہرہ یا مشتری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بہت سے کاذب اور مفتری اور دجال اللہ نبی کہتے ہوئے آئے لیکن وہ بات کہاں؟ مسیلمہ کذاب سے لے کر مرزا غلام احمد قادیانی بلکہ اس نکٹے نبی تک جو سید عطاء اللہ شاہ بخاری کے مقدمہ

ملہ اللہ بہتر جانتا ہے جہاں بھیجے اپنے پیام۔

ہیں گواہی دینے آیا تھا۔ کتنے دجال پیدا ہوئے اور منم محمد و احمد کہ مجتبیٰ باشد کہتے ہوئے آئے لیکن آخر ذلت و رسوائی اور نکبت و فلاکت اور ہوان و خذلان کی موت مر گئے۔ آفتاب اپنی جگہ رہا اور یہ نجاست کے کیڑے نجاست ہی میں پیدا ہوئے اور نجاست ہی کی نظر ہو گئے یہ کم بخت محمد و احمد تو کیا ہوتے' ان بدنصیبوں کو تو اس ذات مقدس کی نقل کرنی بھی نہیں آئی۔ حضرت حافظ شیرازیؒ نے کیا صحیح ارشاد فرمایا ہے ؎

نہ ہر کہ چہرہ برافروخت دلبری داند　　نہ ہر کہ آئینہ سازد سکندری داند

نہ ہر کہ طرف کلہ کج نہاد و تند نشست　　کلاہ داری آئین سروری داند

ہزار نکتہ باریک تر ز مو اینجاست　　نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

در آب دیدہ خود غرقہ ام چہ چارہ کنم　　کہ در محیط نہ ہر کس شناوری داند

اور ایک صاحب نے ان ہی جھوٹے نقالوں اور کاذب نبیوں کے متعلق فرمایا ہے۔

نہ ہر گیاہ کہ روید صنوبری داند　　نہ ہر کہ خطبہ بخواند پیمبری داند

خیال سایہ نشینان قد یار جدا است　　دگر نہ ہر شجرے سایہ گستری داند

مخلص مسلمانوں کا نظریہ میرے معزز دوستو! عدم اعتماد کا اظہار تو اسی شخص پر کیا جاتا ہے جو اپنے اعتماد کو زائل کر چکا ہو اور جو جماعت اپنے اعتماد کو قائم کر چکی ہو اس پر عدم اطمینان کس طرح کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندے جو تمام مصائب کا مسرت آمیز استقبال کرتے ہیں۔ اُن کی طرف سے نہ تو یہ خطرہ ہے کہ وہ کافروں کی دولت

دیکھ کر کافر ہو جائیں گے اور نہ وہ آیت میں داخل ہیں۔ یہ ملامت کا ووٹ تو ان
ہی نالائقوں کے لئے ہے۔ جو ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتے رہتے ہیں اور کھانے
پینے میاں کی ناشکری کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ سب کچھ کافروں کو دے دیا۔ اور
ہم کو کچھ بھی نہیں دیا۔ جب ان نالائقوں کی اب یہ حالت ہے تو اگر واقعی کافروں
کو کچھ مل جاتا۔ تو پھر کفر قبول کر لینے میں کون سی بات مانع تھی۔ کہاں ہم
ناسپاس و ناشکر گزار اور کہاں وہ مخلص، رو فا شعار جن کا تعارف ان الفاظ
میں کیا جاتا ہے۔ الصّٰبرین والصّٰدقین والقٰنتین والمنفقین و
المستغفرین بالاسحار۔ صبر کرنے والے سچ بولنے والے پرہیزگار اور قانت
اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والے اور صبح کے وقت طلوع صبح صادق سے
قبل استغفار کرنے والے اور یہ استغفار بھی گناہوں پر نہیں کیونکہ ان کے
پاس گناہوں کے لئے وقت کہاں ہے بلکہ نیکیوں کی قلت اور نیک اعمال کی
کوتاہی پر استغفار کرتے ہیں۔ سورہ ذاریات میں فرماتے ہیں۔ کَانُوْا قَلِیْلًا
مِّنَ الَّیْلِ مَا یَھْجَعُوْنَ وَبِالْاَسْحَارِ ھُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ رات کو بہت
ہی قلیل عرصہ کیلئے اُن کی آنکھ جھپکتی ہے۔ اور صبح سویرے اپنے خدا سے استغفار
کرتے رہتے ہیں یہ استغفار یا تو اس بنا پر کہ تھوڑی دیر بھی کیوں سوئے یا اس بنا پر
کہ رات بھر کی عبادت میں اگر کوئی کوتاہی ہو گئی ہو تو اس کو معاف کر دیا جائے۔
سعید روحوں کا استقبال۔ برادران ملت! آپ کو معلوم نہیں جب ان

۱ے محنت اٹھانے والے اور سچے اور بندگی میں لگے رہتے اور خرچ کرتے اور گناہ بخشواتے پچھلی رات کو ۱۲

۲ے وہ تھے رات کو تھوڑا سوتے اور صبح کے وقتوں میں معافی مانگتے۔

صابرین اور مخلصین کی ارواح طیبہ اس عالم سے سفر کرتی ہیں تو ملاءِ اعلیٰ کے بسنے والی قوموں کو ارشاد ہوتا ہے کہ جاؤ ان سعید روحوں کا استقبال کرو اور ان کو ان کی شان کے قابل اعزاز و اکرام سے لاؤ۔ ملاءِ اعلیٰ کے کروبی عرض کرتے ہیں الٰہی یہ کون لوگ ہیں جن کے استقبال کے لیے ہم کو بھیجا جاتا ہے یہ زمین کے رہنے والے اور ہم آسمان کے باشندے ہم سے ان خاکی بندوں کا استقبال کیوں کرایا جاتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے تم کو خبر نہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا میں کبھی مسرت و خوشی کی شکل نہیں دیکھی۔ میں نے ان کی ہزاروں حسرتیں پامال کردیں اور ان کے افلاس اور ان کی غربت نے ان کی ایک تمنا بھی پوری نہ ہونے دی اور انہوں نے کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہیں کی۔ یہ مرے تو ہزاروں حسرتیں سینے میں لے کر مرے اور ہزاروں تمنائیں ان کے ساتھ ان کی قبر میں دفن ہوئیں۔ انہوں نے کبھی دنیا کی طرف نگاہ بھر کر نہیں دیکھا یہ فاقہ سے رہے اور ان کے پاس پیٹ بھرنے کو پیسہ نہ تھا۔ یہ بیمار رہے اور اپنی غربت کے باعث دوا بھی نہ کرسکے۔ میں نے ان پر امتحانات وابتلاء کی بارش کی۔ لیکن یہ آخر دم تک ثابت قدم رہے ملائکہ ان فضائل کو سن کر ان کی طرف دوڑتے ہیں اور نہایت ادب و احترام سے ان سعادتمند ارواح کا استقبال کرتے ہوئے کہتے ہیں سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ[1] تم پر سلامتیاں نازل ہوں تم نے انتہائی صبر و استقلال کے ساتھ مصائب کا مقابلہ کیا تم کو آخرت کی خوبیاں اور بھلائیاں مبارک ہوں بھلا

---

[1] کہتے ہیں سلامتی ہو تم پر بدلے اس کے کہ تم ثابت رہے سو خوب ملا پچھلا گھر۔

ان معزز حضرات کے ایمان میں کیا شبہ کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ آیت میں جو کچھ فرمایا ہے اور جو تنبیہ کی گئی ہے وہ ہم ضعیف الاعتقاد لوگوں کو کی گئی ہے۔

ابن فارض رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ

حضرات! آپ کو تو دنیا کا گلہ ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے وہ مخلص بندے بھی ہیں جو جنت کا گلہ بھی نہیں کرتے تم ان کو کتنا ہی ذلیل اور حقیر سمجھو لیکن تم کو معلوم نہیں اُن ہی ضعفاء اور غرباء کے صدقہ میں تم کو رزق دیا جاتا ہے اور مشکلات میں تمہاری مدد کی جاتی ہے، ان ہی کی بدولت تم پر بارش کی جاتی ہے وہ نہ ہوں تو تم کو زندگی کا مزہ آ جائے۔ رُبَّ[1] اَشْعَثَ اَغْبَرَ لَوْ اَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَاَبَرَّہٗ۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بہت سے پراگندہ حال اور خاک آلودہ لوگ جن کی ظاہری حالت بہت ہی شکستہ ہے کپڑے پھٹے ہوئے جوتی ٹوٹی ہوئی ظاہری حالت ایسی ہے کہ کسی مجلس میں جائیں تو کوئی یہ کہنے والا نہیں کہ تشریف لایئے اور اگر اُٹھ کر چلے جائیں تو کوئی یہ کہنے والا نہیں کہ تشریف رکھئے ابھی کہاں جاتے ہیں۔ کہیں منگنی کا پیام دیں تو کوئی اُن کو بیٹی نہ دے۔ لیکن یہ شکستہ حال اور پراگندہ بال اللہ کے نزدیک ایسے ذی مرتبہ ہیں کہ اگر کسی معاملہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم کو پورا کر دے اور اُن کی قسم کی لاج رکھ لے یعنی مثلاً اگر اُن کے منہ سے نکل جائے کہ خدا کی قسم فلاں کام اس طرح ہو گا تو اللہ تعالیٰ اُن کی قسم کے باعث اس کام کو اسی طرح کر دے۔ آپ کہتے ہیں دنیا نہیں ملتی میں کہتا ہوں وہ جنت نہیں لینا چاہتے۔ ابن فارض رحؒ کے متعلق مشہور ہے کہ وفات کے وقت ان کے سامنے

---

[1] بہت سے پراگندہ حال اور خاک آلودہ لوگ اگر قسم کھا بیٹھیں اللہ پر تو اللہ اُنکی قسم پوری کر دے

جنت اور جنت کی نعمتیں پیش کی گئیں تو انہوں نے اُن کی طرف سے منہ پھیر لیا اور فرمایا ؏

ان کان منزلتی فی الحب عندکم ماقد رأیت فقد ضیعت ایامی

فرماتے ہیں اگر میری محبت کا یہی صلہ ہے جو مجھ کو دکھایا جارہا ہے تو میری تمام زندگی بیکار ہوگئی اور میری عمر ضائع ہوئی، مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ سے محبت کی آپ ہمیں جنت دینا چاہتے ہیں۔ ہمارا اصلی مقصد تو آپ ہیں ہم ان جنات نعیم کو لے کر کیا کریں۔ حضرت رابعہؒ بعض دفعہ جذب میں فرمایا کرتی تھیں لوکانت الجنۃ نصیب المشتاقین بدون جمالہ فواویلاہ ولو کانت السقر نصیب العاشقین مع وصالہ فوا شوقاہ اگر ہم بدقسمتوں کو جنت دی گئی اور آپ کا جمال میسر نہ ہوا تو ایسی جنت پر افسوس ہے اور اگر عاشقوں کی بدقسمتی سے ان کو دوزخ دی گئی لیکن دوزخ میں آپ کا وصال بھی میسر ہو گیا تو یہ دوزخ عاشقوں کو جنت سے ہزار درجہ زیادہ عزیز ہوگی۔ اللہ کے بندوں کا یہ مقدس گروہ اگرچہ آج کل ہماری بدقسمتی سے معدوم ہے لیکن خدا کی زمین ابھی خالی نہیں ہے۔ یہ وہ ہیں جن سے عشق حقیقی کی بنیادیں مضبوط ہوئیں۔ ان کے سامنے دنیا اپنے بناؤ سنگار سے آراستہ ہو کر آئی لیکن انہوں نے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا جنت ہزار زیب و زینت پیش کی گئی لیکن انہوں نے اُس کا رُخ نہ کیا، مظاہر قدرت مختلف جلوؤں اور گوناگوں رنگتوں میں اُن کے سامنے آئے لیکن یہ اپنی جگہ کوہ استقلال بنے کھڑے رہے ہر قسم کے امتحانات کا بار گراں اُن کے سر پر ڈالا گیا لیکن یہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی صحیح اتباع کی اور عشق الٰہی کا منظر

پیش کیا جو تعلیم الٰہی کا اصلی منشا تھا وہ فانی ہو جانے والی مخلوق کے پیچھے دیوانوں کی طرح سرگرداں اور پریشان نہیں پھرتے انہوں نے اپنے رخ اور اپنی توجہ کا مرکز اس حی لایموت کو بنا لیا جو خود بھی زندہ ہے اور اپنے ساتھ محبت کرنے والوں کو بھی ہمیشگی کی زندگی عطا کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

عشق با مردہ نباشد پائیدار — عشق را با حیّ با قیوم دار

عاشقی با مردگاں پائندہ نیست — زانکہ مردہ سوئے ما آئندہ نیست

غرق عشق شو کہ غرق ست اندریں — عشقہائے اولین و آخریں

عاشقی پیداست از زاری دل — نیست بیماری چو بیماری دل

علت عاشق ز علت ہا جداست — عشق اصطرلاب اسرار خداست

جو چیز فنا ہو جانے والی ہے اس سے تعلق رکھنے والے بھی فنا ہو جانے والے ہیں۔ مولانا زندوں کو مردہ باعتبار استعداد کے فرما رہے ہیں یعنی جو اس وقت زندہ ہیں وہ بالقوہ تو مردہ ہی ہیں اور چونکہ تمام مخلوق سے عشق کرنا گویا مردوں سے عشق کرنا ہے۔

حضرات اگر مخلوق میں کوئی خوبی ہے بھی تو وہ عارضی ہے بلکہ یوں کہو کہ عارضی بھی اور بالعرض بھی ہے اور حضرتِ حق کے تمام کمالات بالذات ہیں اسی وجہ سے حضرت خلیل علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ[1] دیکھئے فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کہہ کر مخلوق کے اوصاف کو بالعرض ثابت کیا اور

---

[1] میں نے اپنا منہ کیا اسی کی طرف جس نے بنائے آسمان و زمین ایک طرف کا ہو کر اور میں نہیں شریک کرنے والا۔

پھر اس پر بھی اکتفا نہ کیا لفظ حنیفاً اور بڑھا یا تاکہ یہ ظاہر کر دیا جائے کہ میں نے اپنی ظاہری و باطنی توجہ کا مرکز ایسی ذات کو مقرر کر لیا ہے جو تمام اوصاف کمالیہ سے بالذات متصف ہے۔ آسمان وزمین کے تمام اوصاف بھی اُسی کے محتاج ہیں جب آسمان وزمین اپنے وجود ہی میں محتاج ہیں تو جو شے ذات میں محتاج ہے وہ صفات میں یقیناً محتاج ہے۔ حضرت ابراہیم ؑ نے ایک لفظ میں وہ سب کچھ کہہ دیا جو دفتروں میں بھی نہیں سما سکتا پھر لفظ حنیف فرما کر اس خیال کو اور قوی کیا کہ جب تمام مخلوق کے اوصاف بالعرض ہیں تو میں ان سب سے اعراض کر کے حقیقت کی جانب متوجہ کیوں نہ ہو جاؤں یہ مظاہر پرستوں کا رد تھا اور اسی لئے آخر میں وما انا من المشرکین فرمایا۔ حضرت ابراہیم نے ہر قسم کی توجہ الی الغیر کو شرک سے تعبیر کیا۔ مخلوق کی طرف توجہ کرنا اور اوصاف عرضیہ سے محبت کرنا ہی شرک ہے۔ یہ اس توحید کے منافی ہے جس کا دوسرا نام عشق ہے۔

صاحبو! جس کو آپ توحید کہتے ہیں اُسی کا نام تو صوفیہ کے نزدیک عشق ہے ابھی آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید اور حضرت ابراہیم ؑ کا عشق ملاحظہ کیا اب اس عشق کی حقیقت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے انداز بیان میں دیکھئے ارشاد ہوتا ہے۔ اِنَّ صَلَوٰتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ لَا شَرِیْکَ لَهٗ یعنی میری نماز اور میری تمام عبادتیں اور میرا مرنا اور میرا جینا سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہے جو رب العٰلمین ہے اور جس کا کوئی ہمسر اور شریک نہیں ہے۔ بات وہی ہے جو حضرت ابراہیم ؑ نے

لہ میری نماز اور میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ کی طرف ہے جو صاحب ہے سارے جہان کا کوئی نہیں اس کا شریک ۱۲۔

کہی تھی۔ لیکن اس انداز بیان کے قربان جائیے حضرت خلیلؑ نے جو کچھ کہا تھا اس سے بہت زیادہ کہا اور اس سے مختصر الفاظ میں کہا پھر خلیلؑ نے جو کچھ کہا تھا وہ خود کہا تھا اور یہاں جو کچھ کہا وہ کہلوایا گیا یہاں اگرچہ زبان تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ جذبات خود محبوب حقیقی کے ہیں گویا حضرت حق جل مجدہٗ یہ چاہتے ہیں کہ صحیح محبت کرنے والوں کی محبت کا اندازہ ہو کہ ان کی زندگی کا ہر شعبہ سارے کے سارے وقف ہے اسی عشق کی طرف مولانا نے اشارہ فرمایا ہے

غرق عشقی شو کہ غرق ست اندریں   عشق ہائے اولین و آخریں

اور چونکہ یہ مرتبہ بدون محبوب حقیقی کی توجہ اور التفات کے ناممکن ہے اس لئے فرماتے ہیں ؎

تو مگو مارا بداں شہ بار نیست   با کریماں کارہا دشوار نیست

ہمت سے کام لو اور نا اُمیدی کا اظہار مت کرو۔ کریموں کی درگاہ سے کوئی خالی نہیں آیا کرتا اور وہ تو کریم بھی ایسے ہیں کہ سائلوں کو خود ہی تلاش کرتے رہتے ہیں اور وہاں تو مایوسی بڑا گناہ ہے۔

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حقیقی عشاق جنت کی طرف متوجہ نہیں ہوتے بھلا وہ دنیا کا گلہ یا دنیا کی شکایت کب کر سکتے ہیں یہ جھوٹے عاشق ہیں جو ایک طرف مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور دوسری طرف یہ کہتے ہیں کہ ہم کو دنیا نہیں دی دنیا ہمارے دشمنوں کو دیدی۔

رحمۃ للعالمینؐ کی اُمت پر شفقت

برادران ملت! یہ تمام مباحث درمیان میں آگئے اور یہ تمام

مباحث نہ صرف پرلطف تھے بلکہ اتنے بحث طلب بھی تھے کہ اگر میں ان کو قصداً ترک نہ کروں تو یہ ختم ہی نہیں ہو سکتے۔ اصل گفتگو تو اس میں ہو رہی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کس طرح فرمایا کہ جس قدر اذیتیں مجھ کو دی گئی ہیں اتنی کسی نبی کو نہیں دی گئیں۔ اس شبہ کا جواب میں عرض کر رہا تھا کہ اذیت کے درجات متفاوت ہیں، باپ اگر بیٹے کو ایک طمانچہ مارے تو اس کی حیثیت اور ہے اور اگر بیٹا باپ کو مارے تو اس کی حیثیت اور ہے۔ اس فرق کو ذکر کرتے ہوئے میں نے عرض کیا تھا کہ آپ ہر وقت اس فکر میں رہتے تھے کہ جس طرح ہو سکے میری تمام امت مسلمان ہو جائے اور اس فکر کا بعض دفعہ ایسا غلبہ ہوتا تھا کہ جب توقعات پوری نہ ہوتی تھیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس صدمہ سے آپ کی وفات ہو جائے گی۔ اس لئے بسا اوقات حضرت حق کی طرف سے آپ کی تسلی و تشفی کی جاتی تھی اور جن الفاظ میں تسلی کی جاتی اُن سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ انتہائی قلق میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُكَ عَلَيْهِمْ حَسَرَاتٍ ۱؎ کہیں ان کا غم اٹھاتے اٹھاتے آپ کی جان نہ جاتی رہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوتا ہے لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ أَلَّا يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۲؎ اس غم میں کہ کافر ایمان نہیں لاتے ایسا نہ ہو کہ آپ اپنی جان کھو بیٹھیں سورہ یونس میں فرماتے ہیں أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ ۳؎ کیا آپ لوگوں کو زبردستی مسلمان بنانا چاہتے ہیں سورہ حجر میں آپ کی تسلی کا سامان

۱؎ سو تیرا جی نہ جاتا رہے ان پر پچتا پچتا کر ۲؎ شاید تو گھونٹ مارے اپنی جان اس پر کہ وہ یقین نہیں کرتے۔ ۳؎ اب کیا تو زور کرے گا لوگوں پر کہ ہو جادیں باایمان۔

ان الفاظ میں کہا گیا ہے۔ ولقد نعلم انک یضیق صدرک بما یقولون فسبح بحمد ربک وکن من السجدین۔ ان کفار کے استہزا اور ان کی بیہودگی سے جو آپ کو تکلیف ہوتی ہے اور آپ کا سینہ ان باتوں سے جس طرح تنگ ہوتا ہے اس سے ہم خوب واقف ہیں آپ اپنے رب کی تسبیح اور تحمید کیا کیجئے کیونکہ پریشانی کا علاج اس سے بہتر نہیں ہے اور سجدہ میں ہم سے مناجات کیا کیجئے اور یہ سجدہ بندہ کو ہم سے بہت ہی قریب کر دیتا ہے۔ اور پریشانی کے وقت صحیح حمایتی اور سچے مددگار کا قرب باعث اطمینان ہوتا ہے۔

ایک شبہ کا جواب آیت میں جو ضیق صدر کا ذکر کیا گیا ہے اس پر یہ شبہ نہ کیا جائے کہ یہ شرح صدر کے منافی ہے۔ پارہ عم میں تو ارشاد فرماتے ہیں الم نشرح لک صدرک[۲] کیا ہم نے آپ کو شرح صدر کی نعمت سے سرفراز نہیں کیا؟ اور یہاں فرماتے ہیں ولقد نعلم انک یضیق صدرک[۳] ہم اس ضیق صدر سے واقف ہیں جو آپ کو کفار کی دل آزاری اور طعن وتشنیع سے پیش آجاتا ہے سو اس کا جواب یہ ہے کہ شرح صدر تو ایک خاص مرتبہ کا نام ہے جس کی طرف سورۂ زمر میں اشارہ فرمایا ہے[۴] افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ جس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کر دیا جاتا

[۱] اور ہمیں جانتے ہیں کہ تیرا جی رکتا ہے ان کی باتوں سے سو تو یاد کر خوبیاں اپنے رب کی اور رہ سجدہ کرنے والوں میں [۲] کیا ہم نے نہیں کھول دیا تیرا سینہ [۳] اور ہم جانتے ہیں تیرا جی رو کتا ہے [۴] بھلا جس کا سینہ کھول دیا اللہ نے مسلمانی پر سو وہ اُجالے میں ہے اپنے رب کی طرف۔

ہے تو اس کو اس کے پروردگار کی جانب سے ایک روشنی اور نور عطا کیا جاتا ہے آٹھویں پارے میں فرماتے ہیں۔ فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام[1] حضرت حق جس کی ہدایت کا ارادہ فرما لیتے ہیں اس کا سینہ اسلام کے لئے کشادہ کر دیتے ہیں تو سینہ کی کشادگی اور روشنی کی عطا یہ ایک مرتبہ ہے جس کا سب سے اونچا درجہ انبیاء علیہم السلام کے لئے مخصوص ہے کسی کو طلب کے ساتھ ملتا ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ رب اشرح لی صدری[2] الٰہی میرا سینہ کھول دے اور کسی کو بدون طلب کے عطا کر دیا جاتا ہے جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں فرمایا الم نشرح لک صدرک رہا حوادثات و واقعات کی بنا پر تنگ ہونا جس کو ضیق صدر فرمایا ہے۔ اس مرتبہ کے منافی نہیں ہے۔ پھر معاذ اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ضیق صدر بھی ایسا نہ تھا کہ جیسا ہم کو ہوتا ہے یعنی حوادثات کا اثر ایسا مستولی ہو جائے کہ کسی اور بات کا خیال ہی نہ آئے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی غیر معمولی حوادثات کی بنا پر ضیق صدر بھی پیش آیا تو آپ کی فطرت سلیمہ کے مقابلہ میں مغلوب رہا اور اس معمولی ضیق صدر کا بھی علاج تجویز کر دیا گیا اور یہ فرما دیا گیا کہ اول تو آپ کی صحیح فطرت خود ہی اس کی معالج ہے اور طبیعت صحیحہ اور آپ کا مزاج اس مرض پر غالب رہتا ہے۔ لیکن ہم دوا بھی تجویز کر دیتے ہیں۔ جب حوادثات خارجیہ سے اس قسم کا ضیق صدر اور پریشانی پیش آئے تو

---

[1] سو جس کو اللہ چاہے کہ راہ دے۔ کھول دے اس کا سینہ حکم برداری کو۔

[2] اے رب کشادہ کر میرا سینہ۔

آپ نماز کی نیت باندھ لیا کیجیے اور ہماری تسبیح و تحمید شروع کر دیا کیجیے نماز میں اور بالخصوص سجدہ میں ہمارا قرب تمام امراض اور پریشانیوں کا مستقل علاج ہے۔ پھر تسبیح و تحمید کا اثر بھی یہ ہے کہ وہ ذکر الٰہی ہے اور ذکر الٰہی اطمینان قلب کا موجب ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ اس قسم کی چیزیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو بتقاضائے بشریت پیش آتی ہیں۔ اور امت کے کاملین کو بھی پیش آتی ہیں اور یہ حالت شرح صدر اور منصب نبوۃ کے منافی نہیں ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے انما انا بشر اغضب کما یغضبون میں ایک بشر ہوں مجھ کو بھی غصہ آتا ہے جیسے دوسرے انسانوں کو غصہ آتا ہے۔ کاملین کی بھی یہی حالت ہے کہ ان کو تمام معاملات پیش آتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی تائید ان کے شامل حال ہوتی ہے۔ اس لئے فوراً ان کو تنبیہ ہو جاتا ہے اور ان کی سلامتی طبع کا یہ اثر ہوتا ہے کہ مرض مغلوب ہو جاتا ہے ان الذین اتقوا اذا مسھم طائف من الشیطان تذکروا فاذا ھم مبصرون[۲] کاملین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب کبھی شیطان اُن پر اثر ڈالنے کی کوشش کرتا ہے تب ہی وہ ہوشیار ہو جاتے ہیں اور ان کی بصیرت اور قلبی ادراک ان کو آگاہ کر دیتے ہیں۔ ضیق صدر اگر ہوتا تھا۔ تو مغلوب تھا۔ پھر جب اُس کا علاج بھی تلقین کر دیا تو اب مطلب یہ ہوا

---

[۱] سنتا ہے اللہ کی یاد ہی سے چین پاتا ہے دل ۔ [۲] جو لوگ ڈرتے ہیں جہاں پڑ گیا اُن پر شیطان کا گذر چونک گئے پھر تب ہی ان کو سوجھ آ گئی ۔

کہ کفار کی اذیت کا اثر تو قلب پر ضرور ہوا کرتا تھا۔ لیکن جہاں حضرت حق کی طرف توجہ کی اور تسبیح و تحمید کی وہ اثر زائل ہو گیا۔

پریشانی کے وقت عام عادت حضورؐ کا عمل بھی عام طور سے یہی تھا جب کوئی پریشانی لاحق ہوتی تو فوراً نماز پڑھنے کھڑے ہو جاتے تھے اور نماز میں سجدہ بہت طویل کرتے اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتے اور نماز سے جب فارغ ہوتے تو معلوم ہوتا تھا کہ پریشانی کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اور اگر نماز کے لئے کھڑے نہ ہوتے تو دعا کرتے اور دعا بہت طویل کرتے تھے۔ کبھی کبھی پریشانی کے وقت یہ کلمات بھی فرماتے تھے۔ حَسْبِیَ الرَّبُّ مِنَ الْعِبَادِ حَسْبِیَ الْخَالِقُ مِنَ الْمَخْلُوْقِیْنَ حَسْبِیَ الرَّازِقُ مِنَ الْمَرْزُوْقِیْنَ حَسْبِیَ اللّٰہُ الَّذِیْ ھُوَ حَسْبِیْ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ حَسْبِیَ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَھُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ۔ بہر حال میں عرض کر رہا تھا کہ اذیت کے درجہ متفاوت ہیں۔ ایک غیر معمولی آدمی کا کہنا اتنا ناگوار نہیں ہوتا جتنا اپنوں کا برا کہنا برا معلوم ہوتا ہے جتنی کسی سے محبت زیادہ ہو گی اتنی ہی اس کی تکالیف اور بے وفائی کا گلہ بھی زیادہ ہوگا۔

یہ امر تو تسلیم شدہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے بہت زیادہ شغف تھا۔ اور یہ شغف اس درجہ پہنچ گیا تھا کہ اور کسی نبی کی زندگی میں اتنی محبت اور اتنا شغف نہیں پایا جاتا۔

انبیاء علیہم السلام کی ایک مخصوص دعا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی شفقت و محبت کے سلسلہ میں ایک بات اور عرض کر دوں۔ اگرچہ واقعات بہت ہیں اور مسئلہ اتنا صاف اور مشہور ہے کہ دلائل و براہین کا محتاج بھی نہیں ہے۔ لیکن باوجود اس کے بھی میں چاہتا ہوں کہ ایک بات آپ کے ذہن نشین کر دوں حضرات انبیاء علیہم السلام کی یوں تو ہر دعا مقبول ہوتی ہے۔ لیکن ہر پیغمبر سے ایک دعا کا خاص طور پر وعدہ کیا گیا ہے یعنی ہر پیغمبر سے یہ کہا گیا ہے کہ ایک دعا تمہاری ضرور قبول کروں گا چنانچہ ہر نبی نے اپنی اپنی وہ دعا خرچ کر دی لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اس دعاء کو محفوظ رکھا اور خرچ نہیں کیا۔ دیگر انبیاء علیہم السلام نے مخصوص دعا کو کس موقع پر استعمال کیا اس کے متعلق کوئی آخری بات نہیں کہی جا سکتی۔ حضرت نوح کے متعلق تو یہی مشہور ہے کہ انہوں نے یہ دعا اپنی امت کو ہلاک کرنے کے لئے استعمال کی دیگر انبیاء علیہم السلام کے متعلق یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ انہوں نے کس موقع پر دعا مانگی اور قبول ہوئی البتہ مصابیح کے بعض شراح نے علامہ ابن حجر سے نقل کیا ہے کہ جملہ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اس مستجاب دعا کو اپنی اپنی امت کی ہلاکت اور طلب عذاب کے لئے خرچ کر دیا۔ قرآن شریف میں بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں کے وہ الفاظ منقول ہیں جو انہوں نے اپنی اپنی امت کے استیصال کیلئے استعمال کئے ہیں مثلاً حضرت نوح کے الفاظ تو مشہور ہی ہیں۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ الٰہی زمین پر کافروں کا ایک فرد بھی نہ چھوڑ۔ اور ہر بسنے والے کافر کو ہلاک کر دے۔

لے اور رب نہ چھوڑ زمین پر منکروں کا ایک گھر۔

سورۂ قمر میں ہے فدعا ربہ انی مغلوب فانتصر ۔ اے میرے پروردگار کافروں نے مجھ پر غلبہ حاصل کر لیا ہے آپ میری مدد کیجئے ۔ سورہ شعراء میں ان کے الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں فافتح بینی و بینھم فتحا ونجنی ومن معی من المؤمنین یا اللہ میرے اور ان کافروں کے درمیان آخری حکم جاری کر دے اور مجھ کو اور میرے ساتھی مسلمانوں کو نجات دیدے ۔ حضرت لوط علیہ السلام نے جو الفاظ فرمائے ہیں وہ یہ ہیں ۔ رب نجنی واھلی مما یعملون اے میرے پروردگار مجھ کو اور میرے متعلقین کو ان کافروں سے نجات دیدے ۔ سورۂ عنکبوت میں فرماتے ہیں ۔ رب انصرنی علی القوم المفسدین ۔ اس مفسد قوم کے خلاف میری مدد فرمائیے ۔ حضرت شعیب فرماتے ہیں ۔ ربنا افتح بیننا وبین قومنا بالحق وانت خیر الفاتحین اے پروردگار ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان آخری حکم کر دے تو بہترین فیصلہ کرنے والا ہے ۔ حضرت موسیٰؑ اور ہارونؑ نے جو کچھ کہا وہ حسب ذیل ہے ۔ ربنا اطمس علی اموالھم واشدد علی قلوبھم فلا یؤمنوا حتی یروا العذاب الالیم ۔ اے رب ہمارے ان قبطیوں کے قلوب کو سخت کر دے اور ان کے مالوں کو تباہ کر دے اور ان کو ایمان لانے کی توفیق ہی عطا نہ کر ۔ ایمان بھی لائیں تو ایسے وقت لائیں جب ان پر عذاب نازل ہو جائے تاکہ اُس وقت کا ایمان اُن کے لئے مفید

لہ پھر اُس نے پکارا اپنے رب کو کہ میں دب گیا ہوں تو بدلا لے ۔ ۲ سو فیصلہ کر میرے اُنکے بیچ کسی طرح فیصلہ اور بچالے مجھ کو اور جو میرے ساتھ ہیں ایمان والے ۔ ۳ اے رب چھڑا مجھ کو اور میرے گھر والوں کو ان کاموں سے جو یہ کرتے ہیں ۔ ۴ اے رب میری مدد کر ان شریر لوگوں پر ۔ ۵ اے سمیٹ اُن کے مال اور سخت کر اُن کے دل کو کہ نہ ایمان لاویں جب تک دیکھیں دکھ کی مار۔

ثابت نہ ہو۔ قرآن میں یہ دعائیں ضرور مذکور ہیں لیکن یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ وہی
مستجاب دعا ہے۔ بہر حال اس میں شک نہیں کہ ہر پیغمبر نے اُس مخصوص دعا کو
خرچ کر دیا۔ البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دعا کو محفوظ رکھا اور اس دعا کو خرچ نہیں کیا۔ دوسرے نبیوں کا
اپنی اپنی دعا کو صرف کر دینا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی دعا کو خرچ نہ کرنا اس واقعہ
کو خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن الفاظ میں بیان کیا ہے وہ یہ ہیں
لکل نبی دعوۃ مستجابۃ فتعجل کل نبی دعوتہ وانی اختبأت
دعوتی شفاعۃ لامتی الی یوم القیامۃ فھی نائلۃ ان شاء اللہ تعالیٰ
من مات من امتی لا یشرک باللہ ہر پیغمبر کو ایک مقبول اور مستجاب دعا
عطا کی گئی تھی۔ لیکن ہر پیغمبر نے اُس دعا کے خرچ کرنے میں جلدی کی البتہ میں
نے اپنی اس دعا کو اپنی امت کی شفاعت کے لئے روک لیا ہے۔ میں قیامت
میں اپنی امت کی شفاعت کروں گا۔ اور میری شفاعت کا اثر اس شخص پر
ہوگا جس نے اپنی زندگی میں شرک نہیں کیا۔ اس واقعہ سے آپ کی اُس
محبت و شفقت کا پتہ چلتا ہے اور اس خصوصیت کا حال معلوم ہوتا ہے
جو سرکار کو اپنی امت سے تھی۔ آپ خیال کیجئے کہ دنیا میں آپ کو کتنے مصائب
ایسے پیش آئے ہوں گے جن پر واقعات و حالات نے آپ کو مجبور کیا ہوگا کہ
آپ اس مخصوص دعا کو خرچ کریں۔ لیکن آپ نے ان تمام مصائب پر غالب
حاصل کیا اور آپ نے اس دعاء کو خرچ نہیں کیا جو آپ کو حضرت حق کی جانب سے
عطا کی گئی تھی۔ دیگر انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی دعا صرف کرنے پر مجبور ہو گئے۔
لیکن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کیا

اور اس دعا کو خرچ نہیں کیا۔ علامہ ابن حجر نے جس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اگر وہ صحیح ہے تو معاملہ اور بھی اہم ہو جاتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ دیگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام نے امت کی ہلاکت اور عذاب کو طلب کرنے میں اپنی اپنی دعاؤں کو خرچ کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کی نجات اور قیامت میں شفاعت کی غرض سے اس دعاء کو محفوظ رکھا۔ اس تقریر کے بعد اس فرق کو اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام کے مابین ہے اور یہ بات بھی سمجھ میں آ گئی ہو گی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت سے کس قدر محبت ہے اور یہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ جس سے محبت ہوتی ہے اس کی بیوفائی بھی زیادہ تکلیف دیتی ہے چونکہ آپ کو اپنی امت سے دیگر انبیاء علیہم السلام کے مقابلہ میں محبت زیادہ ہے اس لئے امت کے ستانے کا اثر بھی آپ پر زیادہ ہوتا ہے اور یہی مطلب ہے ما اوذی نبیٌ ما اوذیت کا۔ اگرچہ آپ کی عمر شریف دیگر انبیاء علیہم السلام سے کم تھی۔ لیکن پھر بھی آپ کو جو اذیتیں اس عرصہ میں پہنچیں وہ دیگر انبیاء علیہم السلام سے زائد تھیں۔

ایک اور شبہ کا اندفاع ممکن ہے آپ کو یہ شبہ ہو کہ مال غنیمت کی تقسیم کے وقت جب کسی منافق نے اعتراض کیا تھا تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا ارحم اللہ اخی موسیٰ علیہ السلام لقد اوذی باکثر من ھذا فصبر (یعنی اللہ تعالیٰ میرے بھائی موسیٰ پر رحم فرمائے ان کو اس سے زیادہ ستایا گیا۔ مگر انہوں نے صبر کیا)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت سے زیادہ تکلیف پہنچائی تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ممکن ہے کہ اس قسم کے مالی معاملات میں بنی اسرائیل کی تکالیف کفار عرب سے زیادہ ہوں اور اس خاص شعبہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام زیادہ ستائے گئے ہوں لیکن گفتگو تو مجموعی حیثیت میں ہے اور مجموعی حیثیت سے یہ امر ثابت ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی جانب سے جس قدر تکالیف پہنچائی گئیں وہ ان تکالیف سے بہت زیادہ ہیں جو دیگر انبیاء علیہم السلام کو اپنی اپنی امت سے پہنچی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اضطراب کی وجہ

حضرت حق کی طرف سے کفار کو جو جواب ملا تھا اس کا ماحصل اور خلاصہ یہ تھا کہ رحمۃ للعالمین کی موجودگی میں کفار پر کوئی ایسا عذاب نازل نہیں کیا جا سکتا جو امت کے استیصال کا موجب ہو۔ اس جواب کا جو اثر کفار پر ہوا ہوگا وہ تو نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن مسلمانوں پر اس کا جو کچھ اثر ہوا وہ تو یہی تھا کہ مسلمان اس جواب سے بہت خوش اور مسرور ہوئے کیونکہ یہ جواب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کا حقیقۃً اعلان تھا یہی وجہ تھی کہ مسلمان اس جواب سے بہت خوش تھے۔ لیکن اس جواب کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس پر جو کچھ اثر ہوا وہ نہ صرف آپ کے لئے تعجب انگیز ہے بلکہ اس سے صحابہ کرام بھی متاثر ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پریشانی اور اضطراب کی وجہ دریافت کرنے لگے سرکار نے

فرمایا تم اس آیت کو سن کر خوش کیوں ہوئے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ اس آیت سے آپ کے اس بلند مرتبہ کا اظہار ہوا ہے جو آج تک کسی نبی کے لئے نہیں ہوا۔ دوسرے انبیاء کا وجود اپنی اپنی امتوں کے لیے موجب عذاب ہوا اور اُن کی امتیں ہلاک کی گئیں۔ لیکن آپ کی ذات موجب رحمت و شفقت قرار دی گئی اور باوجود امت کے عذاب و ہلاکت طلب کرنے کے یہ جواب دیا گیا کہ جب تک آپ جیسا مجسمہ رحمت ان میں موجود ہے ان پر کوئی عذاب نہیں آ سکتا۔ چونکہ یہ آیت آپ کے مرتبے اور آپ کی شان رحمت کا اعلان کرتی ہے اس لئے اس آیت کے نزول سے ہم کو خوشی اور مسرت ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس میں شک نہیں کہ اس آیت میں میری ذات کو باعث دفع عذاب قرار دیا ہے لیکن یہ تو بتاؤ جب میری وفات نہ ہو گی اور میری وفات ہو چکی ہو گی اس وقت اس امت کی حفاظت اور دفع عذاب کی شکل کیا ہو گی۔ مجھے اس خیال نے مضطرب کر دیا ہے میں اس وجہ سے پریشان ہوں کہ میرے بعد میری امت کا نگہبان کون ہو گا اور ان کو عذاب سے بچانے والی کیا چیز ہو گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پریشانی اور اضطراب کا اظہار فرما رہے تھے اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے اور آیت کا آخری حصہ حضور کو سنا کر اطمینان دلایا اور فرمایا وَمَا کَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ[1] جس طرح اللہ تعالیٰ آپ کی موجودگی میں عذاب سے حفاظت کا وعدہ کرتا ہے اسی طرح اس کا یہ بھی وعدہ ہے کہ جب تک یہ

---

[1] اور اللہ نہ عذاب کرے گا اُن کو جب تک بخشواتے رہیں:

لوگ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے رہیں گے تب تک ان پر عذاب نہیں آئیگا۔ استغفار یعنی اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرنا اس کے سامنے اپنے گناہوں کا اعتراف کرنا اور اس سے بخشش طلب کرنا یہ ایسی چیز ہے کہ عذاب الٰہی کو روکتی ہے۔ جب تک خدا کے بندے استغفار کرتے رہتے ہیں اس وقت تک اللہ تعالیٰ کا عذاب ان کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ استغفار کے فضائل احادیث میں بکثرت موجود ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تو عام وظیفہ ہی استغفار تھا۔ شاید ہی کوئی مجلس ایسی ہوتی ہو کہ جس میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم شرکت فرمائیں اور اس میں دس بیس مرتبہ استغفار نہ پڑھیں مجالس میں حضور کا عام قاعدہ یہ تھا کہ آپ رَبِّ اغْفِرْ لِی وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ فرمایا کرتے۔

مجھے افسوس ہے کہ یہ موقع اس بحث کا نہیں ہے۔ اس کو پھر کسی صحبت پر موقوف رکھئے۔ اگر زندگی رہی تو انشاء اللہ دیکھا جائیگا۔ اگر آپ سید الاستغفار یاد کرلیں تو میں آپ کو بتا دوں۔ حضور اکرم فرماتے ہیں جس نے اذعان ویقین کے ساتھ سید الاستغفار دن میں پڑھا اور وہ شام سے پہلے مر گیا تو جنت میں جائیگا اور اگر رات کو پڑھا اور صبح سے پہلے مر گیا تو جنتی ہے۔ اس استغفار کے الفاظ کچھ مشکل نہیں ہیں۔ اگر آپ یاد کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں لیجئے سنئے۔ اَللّٰهُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنَا عَلٰی عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ وَاَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ اَبُوْءُ لَكَ . . . .

... بِنِعْمَتِكَ عَلَيَّ وَاَبُوْءُ بِذَنْبِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ ۔ یہ استغفار مختصر بھی ہے اس کو یاد کر لو۔ اور تین دفعہ دن کو اور تین دفعہ رات کو پڑھ لیا کرو۔ اور ذرا صدق دل سے پڑھا کرو پھر ان شاء اللہ تعالیٰ جنت میں جانے سے تمہیں کوئی چیز روک نہ سکے گی۔

حضرت ابراہیم اور حکومت بابل۔ بہر حال یہ مباحث تو درمیان میں آ گئے تھے ورنہ اصل گفتگو تو انبیاء کے اذعان و یقین میں ہو رہی تھی اور ان کے عزم و استقلال کی بحث تھی۔ اسی سلسلہ میں میں نے سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا تھا اور شاید آپ کو یاد ہو میں نے یہ بھی کہا تھا کہ حق بات کہنا اتنا مشکل نہیں ہے جتنا حق پر قائم رہنا مشکل ہے۔ بڑی سے بڑی قوت کے مقابلہ میں بھی حق پر قائم رہنا اسی شخص کا حصہ ہو سکتا ہے جو اپنے اعتقاد میں جازم اور اپنے خیالات میں پختہ ہو اور یہ چیز صرف انبیاء علیہم السلام ہی کو حاصل ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ہر قوت سے ٹکرا جاتے ہیں۔ اور بڑی سے بڑی مادی طاقتوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کسی جابر و ظالم کا رعب و استبداد ان کو اپنی جگہ سے ہٹانا تو کیسا ہلا بھی نہیں سکتا۔ یہ اذعان و استقلال ہی کی قوت تھی جس نے تمام قوم کے مقابلہ میں سیدنا ابراہیمؑ سے یہ الفاظ کہلائے اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۔ میں نے تو تمام مخلوق کی طرف سے ہٹا کر اپنا چہرہ اور اپنا منہ اُس ذات کی طرف کر لیا ہے جو زمین و آسمان کا خالق ہے اور میں مشرکوں

ؔ میں نے اپنا منہ کیا اس کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین ایک طرف کا ہو کر اور میں نہیں شریک کرنے والا۔

میں سے نہیں ہوں۔ پوری قوم کی مخالفت کوئی آسان کام نہ تھی۔ لیکن حضرت خلیل نے بلاخوف و خطر سب کو چیلنج دیدیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخر ایک دن اُس زمانہ کے بادشاہ اور طاغوتی حکومت کے سامنے پیشی کی نوبت آئی۔ لیکن بھلا ان اذعان و یقین کے دیوتاؤں پر کسی مادّی طاقت کا کیا اثر پڑ سکتا تھا اس ظالم کے سامنے بھی اسی بے تکلفی کے ساتھ فرمایا رَبِّیَ الَّذِی یُحْیِی وَیُمِیتُ ۔میرا رب تو وہی ہے جو زندگی اور موت کا مالک ہے یہ بیوقوف جو ہدایت کی روشنی سے محروم تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کے اعلان کا مطلب یہ سمجھا کہ کسی بیگناہ کو قتل کر دینا اور کسی واجب القتل کو رہا کر دینا اسی کا نام مارنا اور جلانا ہے۔ گویا دو زندوں میں سے ایک کا قتل اور ایک کی جان بخشی کا نام ہی احیاء اور اماتت ہے اتنی صاف اور سیدھی بات کا غلط مطلب سمجھنا اُسی احمق کا حصّہ ہو سکتا ہے جس کو مبدء فیاض نے ہر قسم کی روشنی سے محروم کر دیا ہو وَمَن لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهُ نُورًا فَمَا لَهُ مِن نُّورٍ جس کو حضرت حق جل مجدہٗ روحانی روشنی اور روحانی نور سے محروم کر دیں اس کو روشنی میسر ہی نہیں آ سکتی اور طغیانی اور سرکشی کی تاریکی میں ٹھوکریں کھاتا اور مارا مارا پھرا کرتا ہے وَیَمُدُّهُمْ فِی طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُونَ اور ترقی دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں اور حالت یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں۔ اُس نے اپنی حماقت سے حضرت ابراہیم کی دلیل پر یہ کہہ کر نقض وارد کیا کہ جناب آپ کا صغریٰ غلط ہے اَنَا اُحْیِی

۱؎ میرا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے ۲؎ اور جس کو اللہ نے نہیں دی روشنی اس کو کہیں نہیں روشنی ۳؎ اور ترقی دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں اور وہ عقل کے اندھے ہیں ۴؎ میں ہوں جلاتا اور مارتا۔

وامیت زندہ کرنا اور موت دینا صرف آپ کے رب کا ہی کام نہیں ہے بلکہ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں۔

نمرود کا دعویٰ۔ بابل کے ظالم بادشاہ نے نقض ایسے الفاظ میں کیا جو خود ایک مستقل دعوی کو مستلزم تھے یعنی انا احیی وامیت خود ایک مستقل دعویٰ تھا حضرت ابراہیم علیہ نے اس دعوے کا ثبوت مانگ لیا اور یہ ثبوت اس لئے نہیں مانگا کہ مناظرہ کا محاذ بدلنا مقصود تھا بلکہ اس لئے مانگا کہ اپنے صغری کو مضبوط کرنا مقصود تھا اور یہ اس امر پر موقوف تھا کہ اس کا نقض باطل ہو جائے گویا اس کے نقض پر منع تھا جس کی صورت یہ پیش آئی کہ اس نے ایک مستقل دعویٰ کر دیا اور حضرت ابراہیم نے اس دعوے کا ثبوت طلب کر لیا۔ اس منع میں جہاں نمرود کا عاجز کرنا مطلوب تھا وہاں کواکب پرستوں کا بطلان بھی پیش نظر تھا۔ چنانچہ فرمایا فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق فات بھا من المغرب۔ اللہ تعالیٰ تو آفتاب کو روز مشرق سے زندہ کرتا ہے اور مغرب کے میدانوں میں موت دیکر دفن کر دیتا ہے تو اگر اپنے دعوے میں سچا ہے تو آفتاب کو مرنے کے بعد پھر زندہ کر دے۔ جب خدا اس کو موت دے کر مغرب کے گورستان میں دفن کر چکے تو اسی قبرستان سے اس کو واپس لے آ۔ نمرود یہ سن کر ہکا بکا رہ گیا۔

آفتاب کا زندہ ہونا۔ اس مناظرہ کا جو مطلب میں نے عرض کیا اس سے وہ تمام شبہات دور ہو جاتے ہیں جو بعض طالب علموں کو مناظرہ کی

لہ اللہ تعالیٰ تو لاتا ہے سورج کو مشرق سے پھر تو لے آ اس کو مغرب سے۔

مصطلحات کی وجہ سے پیش آیا کرتے ہیں ۔ رہی یہ بات کہ آفتاب کے طلوع کو زندگی اور اس کے غروب کو موت سے تعبیر کرنا یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جس سے اہلِ علم بخوبی واقف ہیں۔ سیار بن سلامہ اور محمد بن عمرو بن الحسن کی روایتوں میں والشمس حیۃ کے الفاظ موجود ہیں عصر کی نماز کے وقت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عصر کی نماز ایسے وقت پڑھا کرتے تھے کہ آفتاب زندہ ہوا کرتا تھا۔ شارحین حدیث نے اس الشمس حیۃ کے تحت میں فرمایا ہے فان کل شیئ ضعفت قوتہ فکانہ قد مات جس شے کی قوت کمزور ہو جائے تو گویا وہ مرگئی۔ بعض روایتوں میں الشمس حی نقیۃ بھی آیا ہے دونوں روایتوں کو ملانے کے بعد مطلب صاف ہو جاتا ہے یعنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ارتفاع شمس کو زندگی سے تعبیر کرتے تھے اس تقدیر پر یہ مطلب صحیح ہے کہ صبح کو مشرق سے آفتاب زندہ ہوتا ہے اور شام کو مغرب کی وادیوں میں موت کی نذر ہو جاتا ہے اور جب ہم طلوع و غروب کو زندگی اور موت سے تعبیر کریں تو حضرت ابراہیمؑ کا استدلال بالکل صاف اور مصطلحات مناظرہ کے بالکل موافق ہے۔ بہر حال حضرت ابراہیمؑ نے بھرے دربار میں جس قوت وطاقت سے نمرود کا مقابلہ کیا اور آئندہ جس خندہ پیشانی سے نمرود کے مظالم کو برداشت کیا وہ اسی اذعان ویقین کا اثر تھا جو حضرت انبیاء کرام کا خاص حصہ ہے۔ کیا آپ اس مقدس جماعت کا مقابلہ یورپ کے ان فلاسفر اور یونان کے ان حکماء سے کیا کرتے ہیں جو ہر روز اپنی رائے کو بدلتے اور نئی نئی تھیوریاں پیش کیا کرتے ہیں۔

حکومت بابل کا انتقام ۔ اس گفتگو کے بعد جس کو ہیں نے مناظرہ سے تعبیر کیا ہے حکومت بابل کی جانب سے جو منتقمانہ کاروائیاں ہوئیں وہ آپ حضرات سے پوشیدہ نہیں ہیں وہ کونسا ظلم تھا جو ظالموں نے حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ نہیں کیا۔ اللہ کے ایک برگزیدہ بندے کے ساتھ وہ سب کچھ کیا گیا جو طاقتور کمزوروں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ اہلِ بابل اہلِ حق کے ساتھ جو وحشیانہ برتاؤ کیا کرتے ہیں وہ حضرت حق کے اس مخصوص بندے کے ساتھ کیا گیا اور دشمنی کی وجہ کوئی دریافت کرے تو وہ ایسی نامعقول کہ اس کو سن کر آپ میں سے ہر شخص کو افسوس ہو۔ وَمَا نقموا منھم الا ان یومنوا با اللہ العزیز الحمید الذی لہ ملک السمٰوات والارض اس دشمنی اور انتقام کی وجہ صرف یہ تھی کہ مسلمان اس اللہ پر کیوں ایمان لائے جو تمام قوتوں کا مالک اور تمام خوبیوں اور محامد کا مستحق ہے اور جو آسمان اور زمین کا بادشاہ ہے۔ سبحان اللہ دیکھا آپ نے حضرت ابراہیمؑ اللہ پر ایمان کیوں رکھتے ہیں اس جرم کی پاداش میں ان کے لئے ہر قسم کی اذیتیں جائز سمجھی گئیں حتیٰ کہ ان کو آگ میں ڈال دیا گیا جیل خانہ میں رکھا گیا۔ ان پر مقدمہ چلایا گیا اور بالآخر ترک وطن اور ہجرت پر مجبور کردیا گیا اور سیدنا ابراہیمؑ مع اپنے متعلقین کے بابل سے نکل کر شام کے علاقے میں تشریف لے گئے۔

ونجینٰہ ولوطاً الی الارض التی برکنا فیھا للعٰلمین ۔

ایک شبہ کا ازالہ ۔ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بحث میں ممکن ہے کسی کو

لہ اور ان سے بدلہ نہ لیتے تھے مگر اسی کا کہ وہ یقین لائے اللہ پر جو زبردست ہے خوبیوں سراہا۔ جس کا راج ہے آسمانوں میں اور زمین میں۔

یہ شبہ پیدا ہو کہ اگر انبیاء علیہم السلام اذعان و یقین کے مجسمے ہوا کرتے ہیں اور ان کو کبھی ذات و صفات اور عالم برزخ میں شک و شبہ نہیں ہوتا تو حضرت ابراہیمؑ نے مردوں کے زندہ ہونے کی خواہش کیوں کی تھی اور یہ کیوں کہا تھا رب ارنی کیف تحی الموتی اے میرے پروردگار تو مجھے دکھلا دے تو مردے کس طرح زندہ کرے گا۔ یہ ایک شبہ ہے جو بعض طالب علم کیا کرتے ہیں حالانکہ اس شبہ کا جواب خود قرآن ہی میں موجود ہے۔ حضرت ابراہیم نے احیاء موتی پر کوئی شبہ نہیں کیا بلکہ کیفیت احیاء کا مطالبہ ان کی جانب سے کیا گیا احیاء موتی کے متعلق خود ان کا جواب قرآن میں مذکور ہے جب حضرت حق نے فرمایا کہ تمکو احیاء موتی کا یقین نہیں ہے انہوں نے جواب دیا کہ مجھکو احیاء موتی پر تو یقین ہے لیکن میں تو کیفیت احیاء کو دیکھنا چاہتا ہوں یہ ایک طبعی امر ہے اور تقاضائے بشریت ہے کہ مردوں کا زندہ ہونا اور اس زندگی کی کیفیت آنکھ سے دیکھنے کو جی چاہتا ہے، اسی طبعی مطالبہ کی تکمیل کو اطمینان قلب سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس سے زیادہ اس شبہ کی اور کچھ حقیقت نہیں ہے۔

اذعان و یقین کا بڑا ثبوت ؎ بڑی چیز جو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اذعان و یقین پر دلالت کرتی ہے وہ ان کی زندگی کا استقلال اور اپنی رائے پر اعتماد ہے، نبوت ملنے کے وقت سے تا دم وفات اور تا دم مرگ کبھی ایک لمحہ اور ایک سکنڈ کے لئے بھی ان کی رائے میں تزلزل نہیں واقع ہوتا بڑے بڑے ملحد اور بد دین اور منکرین خدا کو ہم نے دیکھا ہے کہ مصائب و آلام کے وقت وہ اپنی رائے اور اپنے خیالات سے تائب ہو جاتے ہیں، دنیا کو غلط نظریوں کی تعلیم دینے والے اور

خدا کی مخلوق کو دھوکہ دینے والے مرتے وقت اپنے خیالات کی غلطی کا اقرار کر لیا کرتے ہیں۔ جن کا مبنیٰ ظن اور تخمین ہو وہ کس طرح آخر وقت تک اپنی رائے پر قائم رہ سکتے ہیں۔ حکمائے یونان سے لے کر یورپ کے بڑے بڑے فلاسفہ کی زندگیاں آپ کے سامنے ہیں۔ ان میں کون ایسا ہے جس نے زندگی میں بار بار اپنے نظریوں کی تبدیلی کا اعلان نہیں کیا اور کون ایسا ہے جو مرتے دم تک الہیات کے معاملہ میں اپنی ابتدائی رائے پر قائم رہا ہے۔ مسئلہ برزخ ہی کو لے لیجئے جتنے آدمی اتنی رائیں۔ بیسیوں مرتبہ اپنی رائے کا اعلان کیا۔ اور سینکڑوں مرتبہ اس سے رجوع کیا لیکن آپ نے انبیاء علیہم السلام کی کبھی دو رائیں نہ سنی ہوں گی۔ حضرت آدمؑ سے لیکر جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تک اتنے بڑے گروہ کا مسئلہ الہیات اور عالم برزخ و قیامت میں متفق اللفظ اور متفق اللسان ہونا ہی اس گروہ کی صداقت و حقانیت کی صاف اور صریح دلیل ہے۔ پھر یہی نہیں کہ یہ حضرات اپنی زندگی میں ایک رائے پر قائم رہے بلکہ وفات اور اپنی جان جان آفریں کو سپرد کرتے وقت بھی وہی کہتے تھے جو زندگی میں کہا کرتے تھے۔ موت کا وقت ایک ایسا نازک اور ایسے امتحان کا وقت ہے جس وقت بڑے بڑے سورما اور بڑے بڑے بہادروں کا ثبات و استقلال لغزش و تزلزل سے تبدیل ہو جاتا ہے مرتے وقت ہر شخص سچ بولنے کی کوشش کرتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ موجودہ قانون میں بھی مرتے وقت کی شہادت کو معتبر سمجھا جاتا ہے۔ لیکن خدا کے مقدس گروہ کی یہ حالت ہے کہ ان کے پائے استقلال و ثبات میں ذرا

جنبش نہیں ہوتی وہ جہاں ابتدائے نبوت کے دن ہوتے ہیں وہاں دنیا سے رخصت ہوتے وقت بھی ہوا کرتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی وفات

حضرت نوحؑ اُن پیغمبروں میں سے ہیں جن کا ذکر ہر آسمانی کتاب میں ملتا ہے۔ انہوں نے کم و بیش ایک ہزار سال تک دین الٰہی کی تبلیغ کی ہے ان کی تقریر کے بعض حصے قرآن میں جا بجا نقل کیے گئے ہیں آن کی قوم کے مظالم قوم کی جہالت، خباثت، غرور تکبر حسد و کینہ، بت پرستی اور سنگدلی بھی قرآن میں مذکور ہے۔ یہی حضرت نوحؑ زندگی میں تو جو کچھ کہتے رہے وہ تو ظاہر ہی ہے۔ ان کا اعتماد تو آپ کو اسی ایک فقرے سے معلوم ہو جائے گا۔ جو طوفان کے وقت اُنہوں نے اپنے نالائق لڑکے کے جواب میں کہا تھا۔ جب یہ اپنے لڑکے کو طوفان کے وقت کشتی میں آنے کی دعوت دے رہے تھے تو اس بدبخت نے کہا تھا سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ میں کسی پہاڑ پر چڑھ جاؤں گا جو مجھ کو پانی سے بچا لے گا۔ بت پرست کے منہ سے بچانے کی نسبت غیر کی طرف نکلی۔ لیکن اللہ کے پیغمبر نے جو اذعان و یقین کا مجسمہ تھا کیا اور بے ساختہ کہا اور پورے یقین کے ساتھ کہا لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ۔ بیٹا! اس خیال میں نہ رہو کہ آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا ہے۔ آج تو وہی بچ سکتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے کسی انسانی مجرم کو تو خدا پناہ دے سکتا ہے۔ لیکن خدائی مجرم کو خدا کے سوائے کون بچا سکتا ہے، دیکھا آپ نے یہ ہے پیغمبر کا ایمان،

یہ ہے وہ اذعان و یقین جس سے دنیا کے فلاسفر محروم ہیں، یہ انبیاء کا حصہ ہے اور وہ صرف انبیاء ہی کا حصہ ہے۔

حضرت نوحؑ کی وصیت بہرحال میں تو یہ عرض کر رہا تھا کہ اس مقدس گروہ کی جو حالت زندگی میں تھی وہی وفات کے وقت تھی اور یہی ان کی صداقت کی روشن دلیل ہے چنانچہ حضرت نوحؑ اپنی وفات کے وقت اپنی اولاد کو اپنے پاس جمع کرتے ہیں اور فرماتے ہیں میرے بچو! تم کو دو باتوں کا امر کرتا ہوں اور دو باتوں سے تم کو منع کرتا ہوں، دیکھو! ایک تو کبھی خدا کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ اور ایک کبھی خدا کے سوا کسی پر اعتماد و بھروسہ نہ کرنا۔ جن دو باتوں کا امر کرتا ہوں ان میں سے ایک تو کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے یہ ایسا کلمہ ہے کہ اس کلمہ کو عرش تک جانے سے آسمان بھی نہیں روک سکتے اور دوسرا کلمہ سبحان اللہ وبحمدہ ہے یہ ایسا وزنی کلمہ ہے کہ اس کے وزن کا کوئی دوسرا کلمہ مقابلہ نہیں کر سکتا۔ حضرت نوحؑ کی اس وصیت سے پتہ چلتا ہے کہ ان کو اپنے پروگرام پر کتنا یقین تھا کہ وفات کے وقت بھی اس میں کوئی شک یا شبہ پیدا نہیں ہوا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات حضرت یوسفؑ کی زندگی بھی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے اور ان کی نبوت و سلطنت کے واقعات سے آسمانی

ھود ۴۳ ۔ لہ کوئی بچانے والا نہیں آج کے دن اللہ کے حکم سے مگر جس پر وہ رحم کرے۔

کتابیں لبریز ہیں اپنی وفات کے وقت اپنے یقین کا ثبوت جن الفاظ میں پیش کرتے ہیں وہ بھی سن لیجئے ارشاد ہوتا ہے فاطر السمٰوات والارض انت ولی فی الدنیا والاخرۃ توفنی مسلما والحقنی بالصٰلحین
اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے خدا تو ہی میرا دنیا میں بھی مددگار ہے اور تو ہی آخرت میں بھی معین ہے۔ مجھ کو اسلام پر وفات دے اور مجھے اپنے نیک بندوں میں ملا دے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وصیت } سیدنا ابراہیم ؑ نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں اور پوتوں کو جو وصیت کی وہ بھی ملاحظہ کر لیجئے یابنی ان اللہ اصطفٰی لکم الدین فلا تموتن الا وانتم مسلمون اے میرے بچو اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھرانے کو ایک مخصوص دین کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ اب دیکھو اس دین کا پاس رکھنا اور تم میں کسی کو موت نہ آئے مگر اسلام ہی پر دم نکلے اور مسلمان ہی مرنا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت } حضرت یعقوب کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنی اولاد سے اپنی وفات کے وقت دریافت کیا کہ تم میرے

---

۱ اے پیدا کرنے والے آسمانوں اور زمین کے تو ہی میرا کارساز ہے دنیا اور آخرت میں موت دے مجھ کو اسلام پر اور ملا مجھ کو نیک بختوں میں۔
۲ اے بیٹو اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین پھر نہ مریو مگر مسلمانی پر۔

بعد کس کی عبادت کروگے اور جب سب بچوں نے یقین دلایا کہ ہم اسی معبود برحق کی عبادت کریں گے جو آپ کا اور آپ کے بزرگوں کا معبود ہے تو حضرت یعقوبؑ کو اطمینان ہوا۔ قرآن نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں ذکر کیا ہے اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰھک والٰہ اٰبائک ابراھیم و اسمٰعیل و اسحٰق الٰھاً واحداً ونحن لہ مسلمون۔ حضرت یعقوبؑ نے اپنی موت کے وقت اپنے لڑکوں سے دریافت کیا اے میرے بچو! تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے تو انہوں نے متفقہ جواب دیا۔ ہم اسی خدا کی عبادت کریں گے جو آپ کا اور آپ کے بزرگوں ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ اور اسحٰقؑ کا معبود ہے اور جو وحدہٗ لا شریک ہے۔ اور ہم آپ کو اطمینان دلاتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری کلمات تو مشہور ہی ہیں۔ زمانۂ علالت میں جو نصیحتیں فرماتے رہے وہ تو اسلام اور احکام اسلام کی پابندی ہی کی تاکید تھی۔ لیکن وفات سے تھوڑی دیر پیشتر جو تمنا کا جن الفاظ میں اظہار کیا وہ یہ تھے الرفیق الاعلیٰ اور اسالک الرفیق الاعلیٰ اور اللھم اسالک الرفیق الاعلیٰ۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ سے ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ پیغمبر دنیا کو

لہ جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کیا پوجو گے بعد میرے بولے ہم بندگی کریں گے تیرے رب اور تیرے باپ دادوں کے رب کی ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق وہی ایک رب ہے اور ہم اسی کے حکم پر ہیں۔

وفات کے وقت یہ اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر دنیا میں رہنا چاہیں تو ان کو دنیا کی زندگی اختیار کر لینی چاہیئے۔ اور اگر وہ عالم بالا میں آنا چاہیں تو موت اور انتقال کو اختیار کر لیں۔ گویا انبیاء کی یہ خصوصیت ہے کہ اُن کو دو باتوں کا اختیار دیا جاتا ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سرکار نے الرفیق الاعلیٰ کے الفاظ فرمائے تو میں سمجھ گئی کہ سرکار کی وفات کا وقت قریب ہے اور آپ نے بجائے دنیاوی زندگی کے رفیق اعلیٰ کو اختیار کر لیا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری فعل

جس طرح حضور کا آخری کلمہ الرفیق الاعلیٰ تھا اسی طرح آپ کا آخری فعل مسواک تھا۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں میرے بھائی حجرہ میں آئے تو ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ سرکار بار بار مسواک کی طرف دیکھتے تھے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ کو مسواک کی ضرورت ہے، آپ نے ضعف کی وجہ سے زبان سے کچھ نہیں فرمایا بلکہ سر کا اشارہ کیا۔ میں نے بھائی سے مسواک لیکر حضور کو دے دی اور آپ نے مسواک کرنی شروع کی۔ میں نے دیکھا کہ مسواک کرنے میں صعوبت محسوس کر رہے ہیں۔ میں نے پھر عرض کیا یا رسول اللہ اگر مسواک سخت ہو تو نرم کر دوں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر سر مبارک سے اشارہ کیا اور میں نے آپ کے دست مبارک سے لیکر مسواک کو چبایا یہاں تک کہ مسواک نرم ہو گئی جب نرم ہو گئی تو میں نے حضور کو دے دی، آپ مسواک کرتے رہے اور اسی حالت

میں ہیں نے دیکھا کہ آپ کا دست مبارک ڈھل گیا میں نے دیکھا تو روح مبارک رفیق اعلیٰ کے پاس جا چکی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ابتدائی کلمہ چونکہ اس بحث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اور آخری کلمات کا ذکر آ گیا ہے میں چاہتا ہوں کہ تکمیل مضمون کی غرض سے یہ بھی بتا دوں کہ آپ نے زمانۂ طفولیت میں جب آپ حلیمہ کی گود میں تربیت پا رہے تھے سب سے پہلے کیا فرمایا تھا۔ ہمارے ہاں بچہ جب بولنے لگتا ہے تو اس کو ابا اور اماں کہنا سکھاتے ہیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدون کسی اتالیق اور بغیر کسی انسانی تعلیم کے سب سے پہلی بات اور سب سے پہلا کلمہ جو تکلم کی صلاحیت پیدا ہونے ہی زبان سے نکالا وہ اللہ اکبر تھا۔ اب آپ ہی فیصلہ کیجئے جس کا پہلا کلمہ اللہ اکبر، اور آخری کلمہ الرفیق الاعلیٰ ہو اس کی تمام زندگی کتنی پاکیزہ اور کتنی بلند اور دنیا کے لئے کس قدر بہترین نمونہ ہو گی۔ اللھم صل علےٰ سیدنا محمد وبارک وسلم۔

نوجوانوں سے آخری خطاب میرے عزیزو! میں نے بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا اس لئے آپ کے سامنے تذکرہ کر دیا تاکہ آپ سمجھ لیں کہ وہ نہ تو خود ساختہ انسان تھے اور نہ ان کی تعلیم کا مبنی محض ظنیات و تجربات پر ہوتا ہے۔ بلکہ وہ خدا کی طرف سے پیغمبر بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ جو کچھ کہتے ہیں وہ پورے یقین و وثوق کے ساتھ کہتے ہیں۔ ان کی رائے میں کسی وقت بھی تزلزل یا تبدیلی کا امکان

نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا تو یہ اعلان ہوتا ہے اور اُن کا کیا اعلان ہوتا ہے بلکہ ان سے یہ اعلان کرایا جاتا ہے قل انتی ھدانی ربی الی صراط مستقیم دینا قیماً ملۃ ابراھیم حنیفاً وما کان من المشرکین قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لاشریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین۔ یعنی آپ اعلان کر دیجئے کہ میرے پروردگار نے مجھ کو راہ مستقیم پر قائم کر دیا ہے یعنی اس دین پر جو حضرت ابراہیم کی ملت تھی اور وہ ابراہیم ایک ہی کے ہو رہے تھے اور وہ مشرکوں میں سے نہیں تھے اور یہ بھی اعلان کر دیجئے کہ میری نماز اور میری تمام عبادت اور میرا مرنا اور جینا غرض سب کچھ اللہ رب العلمین کے لئے ہے جس کا کوئی شریک نہیں ہے اور مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور میں مسلمانوں اور فرمانبرداروں میں سب سے پہلا مسلمان اور فرماں بردار ہوں۔

میرے دوستو! اب تم سمجھ گئے ہو گے کہ پیغمبر کسے کہتے ہیں اور کیا کسی پیغمبر کو پیغمبر تسلیم کرنے کے بعد بھی وہ اس قابل ہوتا ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل میں چون وچرا کیا جائے۔

ہندوؤں سے خطاب } میں آخر میں ہندو دوستوں سے بھی کہنا چاہتا ہوں کہ آپ جو کچھ سیرت کے متعلق کہنا چاہتے ہیں

لے تو کہہ مجھ کو سوجھائی میرے رب نے راہ سیدھی دین صحیح ملت ابراہیم کی جو ایک طرف کا تھا اور نہ تھا شریک والوں میں تو کہہ میری نماز اور قربانی اور میرا جینا اور مرنا اللہ کی طرف ہے جو صاحب سارے جہان کا کوئی نہیں اس کا شریک اور یہی مجھ کو حکم ہوا اور میں سب سے پہلے حکم بردار ہوں۔

وہ یہ سمجھ کر فرمائیے کہ آپ محمدؐ رسول اللہؐ کے متعلق کہہ رہے ہیں۔ یہ سمجھ کر نہ فرمائیے کہ آپ محمدؐ بن عبداللہ کی سیرت بیان کر رہے ہیں۔ اس لئے کہ محمدؐ بن عبداللہ کی ذات زیرِ بحث نہیں ہے اور نہ اس کا کوئی مخالف ہے۔ ہم تو جو کچھ کہہ رہے ہیں اور سیرت کے اجتماع کا جو کچھ مقصد ہے وہ یہ ہے کہ محمدؐ رسول اللہ کو دنیا کے سامنے پیش کیا جائے اور محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے دنیا کو آشنا بنایا جائے۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

ہماری مطبوعات

- ایک طالبِ حق کو حق کی تلاش۔
- مدینہ طیبہ میں ختم نبوت کی غم والام سے بھری خبر۔
- رحمۃ للعالمین کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔
- شیرِ خدا کی بیٹی سیدہ زینبؓ کی روضۂ رسولؐ پر حاضری۔
- حضرت امام حسینؓ اور شہدائے کربلا کے چشم دید واقعات کا بیان۔
- انسانیت کی تاریخ میں ظلم اور زیادتی کا سب سے بڑا واقعہ۔

اور اسی قسم کے ڈیڑھ درجن کے قریب تاریخِ اسلام کے سچے واقعات حضرت مولانا احمد سعید صاحب دہلوی کی زبان میں مضامین احمد سعید نیا ایڈیشن کے نام سے شائع ہو گئے ہیں صفحات ۲۰۰ سفید کاغذ مجلد رنگین ڈسٹ کور (ع)

رسول کی باتیں اس کتاب میں تقریباً بیس عنوان ہیں جس میں توحید رسالت - قرآن - قیامت - عالم برزخ قبر کا عذاب منکر نکیر کی پوچھ گچھ - تقدیر کتب آسمانی اور ملائکہ علم کے فضائل - طہارت کا صحیح طریقہ مسواک کی شرعی اہمیت - بچوں اور بچیوں کے لئے اس قسم کی سہل اردو کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے - قیمت دو روپے پچیس پیسے مجلد علاوہ محصولڈاک

خدا کی باتیں کم و بیش تقریباً آٹھ سو احادیث قدسیہ کا یہ ترجمہ ہے جو مولانا نے سلیس اور عام فہم اردو میں کیا ہے - بعض بعض مقامات پر احادیث کے مطالب کی توضیح بھی کر دی ہے - قیمت ۳/۲۵

جنت کی کنجی ملاحظہ کیجئے جسے حضرت مولانا نے احادیث کی معتبر کتابوں سے تالیف فرمایا ہے - اردو میں یہ پہلی کتاب ہے ہر انسان مرد عورت کے لئے اس کا مطالعہ بیحد ضروری ہے - اس میں بہت سی آسان باتیں درج ہیں جو عام طور پر لوگوں کو معلوم نہیں - اور جن پر عمل کرنے سے آپ جنت کے حقدار بنجائیں گے - اس کتاب میں تقریباً ۲۰۰ حدیثوں کا نہایت سلیس اور عام فہم ترجمہ ہے جن میں جنت کی خوشخبری دی گئی ہے اور پوری کتاب تقریباً ۲۰۰ صفحات پر مشتمل ہے - قیمت تین روپے پچاس پیسے علاوہ محصولڈاک -

دوزخ کا کھٹکا اس کتاب میں ان احادیث کا صاف اور شستہ اردو میں ترجمہ کیا گیا ہے جن کا تعلق اعمال سیئہ سے ہے - نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اُن لوگوں کے لیئے جو اعمال سیئہ اور خبیثہ کا ارتکاب کرتے ہیں -

جن الفاظ میں وعید فرمائی ہے اور خدا کے غضب سے ڈرایا ہے۔ ان تمام احادیث کو مختلف عنوانات کے ماتحت جمع کر دیا ہے۔ دوزخ کے کھٹکے میں تقریباً ۱۸۸۴ حدیثوں کا ترجمہ ہے۔ قیمت بیس روپیے علاوہ محصولڈاک۔

پہلی تقریر سیرت مولانا کی یہ وہ مشہور تقریر ہے جو آپ نے اٹاوہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پر کی تھی۔ مولانا کی اس تقریر کو جو مقبولیت حاصل ہوئی ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ قیمت ۲۵ پیسے

تقاریر حضرت مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند کی اب سے پندرہ بیس سال پہلے کی تقاریر کا یہ مجموعہ ہے۔ یہ انقلابی تقاریر جنہوں نے ہندوستان میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ اور ہر شخص اپنی اپنی جگہ پر یہ سمجھنے پر مجبور ہو گیا کہ ہندوستان کی آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے۔ قیمت دو روپے علاوہ محصول اس کتاب کا پاکستان میں داخلہ بند ہے۔

رسول اللہ یہ آقائے نامدار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر مگر جامع اور عام فہم سوانح عمری ہے۔ اس چھوٹی سی کتاب میں تقریباً سو سے زیادہ عنوان قائم کرکے ہر ہر عنوان کے تحت ضروری واقعات لکھے گئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن غزوات میں خود شرکت فرمائی ہے یا صرف صحابہ کو بھیجا ہے ان کو بھی تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ قیمت ایک روپیہ پچاس پیسے علاوہ محصولڈاک۔

پیرو کی باتیں یہ حضرت سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب سابق ناظم جمعیۃ علماء ہند کی ان تقاریر کا مجموعہ ہے جو آپ نے مختلف

مواقع پر اور مختلف موضوعات پر آل انڈیا ریڈیو پر کئی حصوں کو ریڈیو سننے والے
حضرات نے بہت زیادہ پسند کیا ہے۔ قیمت ۱۲/ علاوہ محصول۔

شوکت آرا بیگم یہ حضرت مولانا کا ایک مذہبی ناول ہے جو آپ نے اب سے بیس پچیس سال قبل لکھا تھا جس کا پہلا ایڈیشن فاروش
تبلیغ کے نام سے شائع ہو کر ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو چکا تھا۔ اب اس کا جدید ایڈیشن شوکت آرا بیگم کے نام سے بہترین ٹرسٹ کور کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔
قیمت دو روپیہ پچاس پیسے مجلد علاوہ محصول ڈاک۔

مشکل کشا حضرت مولانا نے تمام مصروفیتوں اور طویل علالت کے باوجود سینکڑوں کتابوں کے مطالعہ کے بعد قلم اٹھایا اور ایک بہت بڑا ذخیرہ عربی سے اردو میں منتقل کر دیا یعنی اوپر عربی میں دعا ہے اور نیچے اس کا عام فہم بامحاورہ ترجمہ ہے۔ وظیفہ پڑھنے کے اوقات اور شمار وغیرہ کو بھی بتلا دیا ہے۔ قیمت دو روپیہ پچاس پیسے علاوہ محصول ڈاک۔

ماہ رمضان اس میں روزہ اور اعتکاف شب قدر وغیرہ کا مفصل بیان ہے۔ اس کے مطالعہ سے آپ کو یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ کن کن چیزوں کا روزہ کی حالت میں استعمال حرام ہے اور روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور کس حالت میں قضا واجب ہوتی ہے اور کس میں نہیں۔ قیمت ۱/ مجلد

سیدہ فاطمہ زہرا کی حسین کو آخری وصیت حسین قدرت کا وہ خاموش ہاتھ جس نے مصیبت کی کسوٹی پر ہمیشہ ماں اور نانا کو پرکھا اب وہ تمہاری آزمائش

کو آگے بڑھے گا حسینؓ اس نازک گھڑی میں باپ کی شان اور نانا جان کی عزت میں فرق نہ آنے پائے۔ فاقہ زدہ ماں کا خون حسینؓ تمہاری رگوں میں دوڑ رہا ہے اس کی ہمیشہ لاج رکھنا اور یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ نانا اور باپ اور ان دونوں کی کنیزاں نے ہمیشہ زندگی بھر عیش کو حرام سمجھا ہے اور ہر حال میں خدا کا شکر ادا کیا ہے۔ یہ چند جملے کہنے کے بعد سیدہ فاطمہؓ ہمیشہ کے لئے آرام کی نیند سو گئیں۔ لیکن حسینؓ نے میدان کربلا میں والدہ کی وصیت کا ایک ایک لفظ پورا کر دکھایا اور ہر امتحان میں پورے اترے۔ اور حسینؓ آج بھی زندہ ہے لیکن دشمن کا کہیں پتہ نہیں حق و صداقت کا سر بلند ہے لیکن باطل شرمندہ اور سرنگوں ہے۔ انصاف کی آج بھی قدر ہے لیکن ظلم ذلیل و خوار ہے۔ خدا پرست آج بھی مطمئن ہیں۔ لیکن باطل پرست آج بھی ڈانواڈول ہیں۔ حسینؓ کامیاب ہے اور اس کے دشمن ناکام و نامراد ہیں۔ امام حسینؓ کی شہادت کے دل ہلا دینے والے صحیح واقعات فاطمہ کا چاند میں ملاحظہ فرمائیے جس کو حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت نے قلمبند کیا ہے۔ قیمت مجلد دو روپے پچاس پیسے۔

نماز کی باتیں

سحبان الہند حضرت مولانا احمد سعید صاحب مفسر قرآن فرماتے ہیں۔ اردو زبان میں ایک ایسی چیز نماز کے متعلق جمع کر دی جس کی موجودہ دور میں سخت ضرورت تھی۔ موجودہ دور ایک مشرکانہ اور ملحدانہ دور ہے جس میں ہر گوشہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے خلاف جہاد ہو رہا ہے حضرت مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی نائب امیر شریعت کی محنت کا اندازہ آپ اس کتاب کو مطالعہ کرتے وقت کر سکتے ہیں کہ حضرت نائب امیر شریعت نے نماز پر کس قدر

اصلاح الرسوم حضرت مولانا اشرف علی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کتاب میں ہر بات ہر رسم کو اسلام کی کسوٹی پر کسا ہے اور جو چیز کسوٹی پر پوری نہیں اتری تو لوگوں کو بتایا ہے یہ چیز کھوٹی ہے اور کھوٹی چیز کو کھرا سمجھ کر خریدنا نادانی ہے۔ ۱۹۶ صفحات قیمت دو روپے علاوہ محصول

تعلیم الدین حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عام فہم تصنیف ہے جس کی تعلیم ابتدائی بچوں اور بچیوں کیلئے نہایت ضروری ہے عقائد و تصدیقات شرک۔ قبروں پر بدعتیں ایمانی درجے گناہ کے نقصانات وغیرہ قرآن و حدیث کی روشنی میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے قیمت مجلد

حیات المسلمین حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی عام فہم تصنیف ہے جس کی تعلیم ابتدائی بچوں کے لئے بخصوصیت سے ضروری ہے۔ بڑوں کی معلومات میں اضافہ کے لئے اس کا مطالعہ مفید ہے قیمت مجلد

آزیلا مسلمان ہونے کا اعلان کیا جب عیسائیوں کو اس کے مسلمان ہونے کی خبر لگی تو تمام پادریوں نے مل کر اس پر مظالم کے پہاڑ ڈھانے شروع کر دیئے۔ مظالم اس قدر درد انگیز تھے کہ دیکھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے قیمت دو روپے علاوہ محصول ڈاک

صلوٰۃ و سلام حضرت مولانا نے قرآن حکیم اور احادیث صحیحہ کی وہ تمام ہدایات کو جمع فرما دی ہیں جو درود و سلام کے فضائل پر مشتمل ہیں۔ قیمت عہ علاوہ محصول۔

کتابیں ملنے کا پتہ:۔ دینی بکڈپو اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶